مقاماتِ وارث شاہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

PDFBOOKSFREE.PK

علی عبّاس جلالپوری

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فہرست

1 پیش لفظ

2 عشق و فسانۂ عشق

3 ہیر وارث شاہ کے کردار

4 زبان و بیان

5 وارث شاہ کا علم و فضل

6 دیس پنجاب کی تصویر کشی

7 طنز و مزاح

8 وارث شاہ کا سماجی شعور

9 ہیر وارث شاہ پر اعتراضات

10 مقاماتِ وارث شاہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پیش لفظ

جب سے میرا شعور بیدار ہوا لوک گیتوں کا رس میرے کانوں میں گھلتا اور میرے من میں رچتا رہا۔ میرا لڑکپن جہلم اور گجرات کے دیہات میں گذرا تھا۔ میرے ننھیال کی حویلی کے سامنے ایک چھتنار درخت تھا۔ دوپہر کے وقت تیز دھوپ سے بچنے کے لئے کبھی کبھار جاٹ اس کے سائے میں پناہ لیتے اور گا بجا کر دل بہلایا کرتے تھے۔ ایک گبھرو جوڑی بجانے لگتا، دوسرا چمٹے کی تال دیتا اور تیسرا لہک لہک کر گانے لگتا ؎

چوچک دے گھر ہیر سنیڈی اُس دا میں ونجارا
اوسے اُسدا میں ونجارا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

جوڑی کی دھن سارنگی کے لہرے کی طرح یک آہنگ ہوتی ہے اور معمولی سے تغیر کے ساتھ بار بار دہرائی جاتی ہے۔ اِسے سُن کر نوجوان جاٹ مست و بے خود ہو جاتے ان کے دھوپ میں سنولائے ہوئے چہروں کا تانبا پگھل جاتا، ہونٹوں پر مسکراہٹ جم کر رہ جاتی۔ آنکھیں خود سپردگی سے نیم وا ہو جاتیں اور گال ہیجانِ آرزو سے تمتمانے لگتے۔ ایک وقت ایسا بھی آتا کہ جوڑی بجانے والا جوش میں آکر بے اختیار اُٹھ کھڑا ہوتا اور جوڑی بجاتے ہوئے مست ناگ کی طرح دائیں بائیں جھومنے لگتا۔ یہ دیکھ کر چمٹے والا بھی تڑپ کر کھڑا ہو جاتا اور اچھل اچھل کر زور زور سے چمٹا بجانے لگتا۔ جوان لہو میں آگ لگ جاتی اور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جیو! جیو!! بلّے! بلّے!!

کی آوازوں سے فضا گونج اٹھتی۔ کبھی کبھی ساون کی راتوں کو 'بھک' میں ماہیے کی محفل جمتی اور گبھرو باری باری ماہیے کے بول گایا کرتے تھے۔ زمانہ گزرتا گیا۔ مجھے حصولِ تعلیم کے لئے اور پھر ملازمت کے چکروں میں شہروں کا رُخ کرنا پڑا اور دیہات میں گزارا ہوا وقت خواب و خیال ہوگیا۔ اس دوران میں گاؤں جانے کا اتفاق ضرور ہوتا رہا لیکن جم کر رہنے کا موقع نہ مل سکا۔ شوقِ مطالعہ مجھے محکمۂ تعلیم میں لے گیا تھا۔ میں ربع صدی تک ادبیاتِ عالم کا مطالعہ کرتا رہا۔ لیکن بدقسمتی سے پنجابی شاعری کی طرف متوجہ نہ ہوسکا۔ مرزا صاحباں، کافیاں خواجہ غلام فرید اور ہیر وارث شاہ سُن سُن کر البتہ حظ اندوز ہوتا رہا۔ ۱۹۶۷ء میں میرا تبادلہ لاہور میں ہوا تو میں نے دیکھا کہ شہر میں ہر کہیں پنجابی ادب و شعر کا چرچا ہے اور پنجاب کے ادیب اپنی مادری زبان کی عظمت کو بحال کرنے میں کوشاں ہیں۔ ان کی باتیں سُن کر مجھے پنجابی ادب و شعر کے باقاعدہ مطالعے کی تحریک ہوئی۔ اس مطالعے کا آغاز میں نے ہیر وارث شاہ سے کیا جسے پڑھ کر میری مسرت آمیز حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی اور مجھ پر اس خوش آئند حقیقت کا انکشاف ہوا کہ ہیر وارث شاہ ذوقی حظوظ و مزایا کا ایک انمول خزانہ ہے۔ تین برس ہیر کا ورد کرنے میں کٹ گئے اور بالآخر میں نے ارادہ کیا کہ اس شاہ کار پر ایک مقالہ لکھوں۔ یہی مقالہ پھیل کر 'مقاماتِ وارث شاہ' کی صورت اختیار کرگیا۔ بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ یہ کتاب پنجابی میں لکھی جائے۔ یہ رائے اپنی جگہ درست تھی لیکن میں چاہتا تھا کہ اردو والے بھی 'ہیر' سے بہرہ اندوز ہوں۔ پنجابی تو سبھی اردو جانتے ہیں، ان کے لئے کچھ فرق نہیں پڑے گا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اسے پنجابی میں بھی منتقل کردوں گا۔ اس کتاب کے دورانِ تالیف میں 'ہیر' کے متعدد نسخے میرے پیشِ نظر رہے۔ بعض ہیر شناسوں نے 'ہیر' کے بڑے بڑے خوبصورت بند الحاقی قرار دے دیئے ہیں۔ میں اصل و الحاق کے چکر میں پڑ جاتا تو شاید اس تالیف

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہی سے دست کش ہو جاتا۔ اس کے بارے میں میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ایک عظیم شاعر کے کلام میں اس طرح الحاق کرنا کہ الحاق پر اصل کا شبہ ہونے لگے از قبیل محال ہے۔ ریشم کے ساتھ ٹاٹ کا پیوند بے شک لگایا جا سکتا ہے لیکن اس ٹاٹ کو ریشم کر دکھانا تو کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ مجھے الحاقی اشعار کے وجود سے انکار نہیں ہے۔ لیکن اس نوع کے اشعار بہت کم ہیں۔ 'ہیر' کے ایسے دلآویز بند کیسے الحاقی ہو سکتے ہیں جو پکار پکار کر وارث شاہ کی بے مثل قدرتِ بیان، تخلیقی شورش اور خلوصِ جذبہ کی شہادت دے رہے ہیں۔ انہیں الحاقی قرار دینا گویا دوسرے اور تیسرے درجے کے شاعروں کو وارث شاہ کا ہمسر اور ہم پلہ تسلیم کرنا ہے۔ لہٰذا میرے ذوق نے اجازت نہیں دی کہ میں ان بلند پایہ مقامات کو الحاقی سمجھ کر ان سے صرفِ نظر کر لوں۔ 'ہیر' میں کہیں کہیں اکھڑے اکھڑے خارج از بحر اشعار بھی ملتے ہیں۔ الحاق اگر ہوا ہے تو انہی اشعار کا ہوا ہے۔

'مقاماتِ وارث شاہ' کے لکھنے سے میرا مقصد یہ تھا کہ 'ہیر' کے مطالعے سے جو مسرتِ بے پایاں مجھے ارزانی ہوئی اس میں دوسروں کو بھی شریک کروں اور وارث شاہ کی شاعرانہ عظمت جس انداز میں مجھ پر منکشف ہوئی اس کا احساس دوسروں کو بھی دلاؤں۔ میں نے 'ہیر وارث شاہ' کا مطالعہ عالمی ادب و شعر کے پس منظر میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس بات کا فیصلہ قارئینِ کرام ہی کر سکیں گے کہ اس کوشش میں مجھے کہاں تک کامیابی نصیب ہوئی ہے۔

علی عباس جلالپوری

لاہور،

۱۴ جنوری ۱۹۷۲ء

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عشق و فسانۂ عشق

ہیر رانجھا کی کہانی ایک ولولہ انگیز عشقیہ داستان ہے جو صدیوں سے دیس پنجاب میں مقبول تھی۔ وارث شاہ نے اپنے دوستوں کی فرمائش پر اسے شعر کے قالب میں ڈھالنے کا ارادہ کیا۔ کہتے ہیں کہ میں عشق و محبت کے اس قصّے کو دلکش پیرائے میں لکھوں گا۔ عالمِ بے بقا کے لالچ کو بالائے طاق رکھ کر فنا کا درجہ حاصل کروں گا۔ میرے پاس عشق کے اسرار و رموز کی جو دولت ہے اُسے کھُلے بندوں لُٹا دوں گا اور خسیسوں کی طرح سینت سینت کر نہیں رکھوں گا۔ میں کوّے کی طرح منڈیر پر بیٹھ کر اپنی کائیں کائیں سے لوگوں کا مغز نہیں کھپاؤں گا بلکہ بلبل کی مانند زمزمہ کروں گا۔ اس میں خواص و عوام دونوں کی دلچسپی کا سامان ہو گا اور رمز و کنایہ کے رنگ میں عشق کی خوشبو چاروں طرف پھیلاؤں گا۔ لوگ ہیر رانجھا کی عشقیہ داستان بھول چکے ہیں۔ میں نئے سرے سے اس میں روح پھونک دوں گا۔ وارث شاہ! آؤ دوستوں کے ساتھ مل کر عشق و عاشقی کا ذکر چھیڑیں ۔

یاراں اساں نوں آن سوال کیتا قصہ ہیر دا نواں بنائیے جی
اس پریم دی جھوک دا سب قصہ سوہنی جیبھ دے نال سنائیے جی
جرح توڑ کے بود نابود والی در جے خاص فناہ وچ پائیے جی
پلے دولتاں ہون تے ونڈ دیئے گنڈھی چھوڑیاں نال سدائیے جی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بُلبل ہو کے چہکئے باغ اندر سخن رمز دے نال الائیے جی

کانواں وانگ اُڈار بنیریاں دے ایویں کُوڑ نہ مغز کھپائیے جی

لشکدار رنگیلڑا شعر کر کے خاص عام دا چیت بھرمائیے جی

رمزاں معنیاں وِچہ خوشبو ہووے عشق مُشک نُوں کھول وکھائیے جی

رانجھے ہیر دے عشق دی گل سُتی نویں سرے توں پھیر جگائیے جی

وارث شاہ پیاریاں نال رَل کے ہُن عشق دی بات ہلائیے جی

وارث شاہ خُود بھی عشق کے درد آشنا تھے۔ ہجر کی سوزناکی اور وصال کی از خود رفتگی کا کوئی پہلو ان سے مخفی نہیں تھا۔ اُن کی محبوبہ بھاگ بھری موضع مدسی کی رہنے والی تھی۔ وارث شاہ پاکپتن سے واپس آتے ہوئے مدسی میں شب باش ہوئے۔ بھاگ بھری کے گھر رات کا کھانا کھانے گئے تو اسے دیکھتے ہی ہزار جان سے فریفتہ ہو گئے اور مدسی کی مسجد میں ڈیرے ڈال دیئے۔ بھاگ بھری بھی ان سے محبت کرنے لگی۔ محبت کا راز فاش ہوا لیکن وارث شاہ اور بھاگ بھری کا پیار بے لوث اور ہوا و ہوس سے پاک تھا اس لئے کسی نے تعرض نہ کیا۔ وارث شاہ کو عشقِ مجازی کی منازل طے کرتے کچھ زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ بھاگ بھری اچانک انھیں داغِ مفارقت دے گئی۔ وارث شاہ کو اس کی مرگِ ناگہاں کا سخت صدمہ ہوا۔ غمِ فراق اور حسرتِ دید کے اسی عالم میں ہیر کا قصہ نظم کرنا شروع کیا۔ کتاب کے خاتمے پر کہتے ہیں ؎

جدوں ہوئی تیار ایہ خبر سیتی واہ واسب خلق پکار دی سی

وارث شاہ دی غرض سب پُجی پوری جیہنوں مُدھ توں سِک دیدار دی سی

"ہیر" میں جا بجا اپنے عشق اور محرومی کا ذکر کرتے ہیں ؎

وارث شاہ نوں سِک دیدار دی سی جیہی ہیر نوں بھٹکنا یار دی سی

زلیخا وانگ جیکر ثابت قدم رہیوں تدوں جان لئیاں درشن یار کیتے

ایس عشق دے نشے نے ڈھیتے نیں وارث شاہ ہوری پریشان کیتے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وارث شاہ نوں شوق لقا دائی جیویں ہیر نوں یار دی چاہ مائی

ایس زلف زنجیر محبوب دی نے وارث شاہ ہوری مجذوب کیتے

وارث شاہ ایک صاحب حال صوفی تھے۔ اسی عشق مجازی نے اُن پر عشقِ حقیقی کا راز کھولا تھا ؎

وارث شاہ حقیقی دی نہیں لذت پہلاں چکھدے نوں مجازیاں دا

وارث شاہ کی دردمندی اور سوزِ قلب نے "ہیر" کے اشعار کو وہ بے پناہ تاثیر عطا کی کہ انھیں سُن کر اہلِ دل وجد کرنے لگتے ہیں اور عُشاق کے چہرے ہیجانِ آرزو سے تمتمانے لگتے ہیں

وارث شاہ کا نظریۂ عشق یہ ہے کہ صبحِ ازل کو ارواح نے قالو بلیٰ کہہ کر جو پیمانِ وفا باندھا تھا تمام عشاقِ صادق اسی میثاق کے پابند ہیں۔ عشق و محبت کوئی اختیاری فعل نہیں ہے بلکہ نوشتۂ تقدیر ہے۔ عشق ہی کائنات کی تکوین اور تخلیقِ آدم کا سبب ہے۔ زُہد و ریاضت بھی عشق کے بغیر سعیِ بے ثمر ہے۔ عشق کے بغیر شرح صدر کا حصول ممکن نہیں ہے۔ شیخ محی الدین ابنِ عربی کی طرح وارث شاہ کا بھی عقیدہ ہے کہ عاشقِ صادق کی موت شہید کی موت ہے۔ ؎

ایس عشق نہیں دھرت اکاس بنیا مخلوقات دا عشق اصول میاں
آدم زاد اس عشق دے کارنے جی ہویا آپ ظلوم جہول میاں
درجے پائے شہادتی عاشقاں نے تیغ عشق تھیں ہوئے مقتول میاں
پیاری جان دی ناہ پروا کیتی تائیں رب دے ہوئے مقبول میاں
بھاویں لکھ ریاضتاں زُہد ہووے باہجھ عشق نہ کجھ وصول میاں
جان دے کے عاشقاں پایا جانی یار نوں حسب معمول میاں
کھلے تنہاں دے باغ قلوب اندر جنہاں کیتا اے عشق قبول میاں
وارث عاشقاں تے کرم رَبدا اے جنہاں جانیا عشق معقول میاں

وجود کے اتھاہ تاریک غبار میں عشق شمع کا کام دیتا ہے۔ ؎

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایس اندھ غبار وجود اندر شمع عشق دی چا ٹمکاؤ نے ہاں

عُشاق جان و مال لُٹا کر دیدارِ محبوب سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ انسانی فطرت کا جوہر عشق ہی سے نکھرتا ہے۔ جیسے آگ میں تپ کر اصیل تلوار کا جوہر ظاہر ہوتا ہے۔ ؎

دولت مال گوا سر دکھ کر کے دیدباز دیدار ایہہ یار دے نے
وارث شاہ جاں ذوق دی لگے کُنڈی جوہر نکلن اصیل تلوار دے نے

وارث شاہ نے ایک طرف تو صُوفیہ وجُودیہ کی طرح عشقِ حقیقی کے ماورائی تصور کی ترجمانی مجاز کے رنگ میں کی ہے اور دوسری طرف مجازی عشق کے جواز میں یوم میثاق اور نوشتۂ تقدیر کا سہارا لیا ہے۔ مِٹھی نائن کی زبانی کہتے ہیں ؎

تینوں دَساں کی عشق میں رانجھیا دے انتاں نہیں محتاج نظیر دائی
عشق ہیر ہے گا قدرت رب دی دا شیشہ عشق نما جنیر دائی
عشق وچہ بڑیاں تنگ بازیاں نے ایتھے حوصلہ پست ضمیر دائی
عشق عاقلاں دی مت مار دیندا لکھے حکم ایہہ خاص تقدیر دائی

ہیر کہتی ہے ؎

عین شین تے قاف جیے نیت میری جنہاں ہیر ایمان دیوایائی
قالو بلیٰ دے روز نکاح بدھا رُوح نبی نے آن نبھایائی
قطب ہو وکیل وچہ آن بیٹھا حکم رب نے آپ کرایائی
جبرائیل میکائیل گواہ چارے عزرائیل اسرافیل دی آیائی

ہیر کہتی ہے کہ میرا نکاح تو روزِ اول سے رانجھے کے ساتھ ہو چکا ہے اس لئے سیدے کھیڑے کے ساتھ میرا نکاح ناجائز ہے۔ عشق بادشاہ ہے شرع اس کی نائب ہے۔

مستاں کن مرد دُستان ایسا جیسا شرع تے عشق تمثیل یارو
شاہ عشق تے شرع وزیر اسدی جوکی تھانہ تے ضلع تحصیل یارو

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہیر قاضی سے طنزیہ کہتی ہے۔

ہیر آکھدی سنی میاں قاضیا وے کیوں چھیڑنا ایں شرشراریاں نوں
درس عشق دی واقفی نہیں تینوں پڑھ چھڈیو پا سپاریاں نوں

اہلِ ظاہر مقامِ عشق سے ناواقف ہوتے ہیں ۔

قاضی عشق دا حرف نہ اک پڑھیا صرف فقہ دا سبق پکایا ئی
موجب شرع دے فیصلہ اوس کیتا سچے عاشقاں پکڑ رڑھایا ئی

عشاق قیدِ شرع سے آزاد ہیں ۔

چوری پڑھن نکاح تے زبردستی کدوں آکھیا حکم ایہہ ہادیاں نے
وارث عاشقاں نوں کون قید کردا جنہاں بخشیاں رب آزادیاں نے

جو لوگ عشاق پر زبان طعن دراز کرتے ہیں وہ جاہل اور شری ہیں ۔

جاہل عاشقاں نوں ایویں دیہن طعنے جیویں کاب کملے لگے مگر ہڑاں
وارث شاہ اک ربدی مہر باجھوں ناہیں عاشقاں آسرا ہور کراں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

عشق کی تاب ہر کوئی نہیں لا سکتا۔ جب تک عاشق کا سینہ چاک نہ ہو جائے وہ عشق کی آگ میں جل کر راکھ نہ ہو، وہ اپنی محبوبہ کے شمعِ رخسار کی تجلی سے محروم رہتا ہے ۔

جدوں تیک توں عاقلا وانگ کنگھی چر کے ہووندا دلوں فگار ناہیں
تدوں تیک محبوب دی زلف والی آوے نظر تینوں تار تار ناہیں
آتش عشق وچہ ساڑ کے آپ تائیں جدوں تیک توں بنیں انگیار ناہیں
تدوں تیک اوہ شمع دیدار والی ہووے نال ترے چشم چار ناہیں

عشق تلوار کی دھار، نیزے کی انی اور سانپ کی پھنکار سے زیادہ دہشت ناک ہے ۔

دہشت عشق دی بری اے تیغ کولوں برچھی سانگ تے سپ شیلڑائی

عشق کا داغ لوہے اور آم کے رس کے داغ کی طرح ہوتا ہے جو ایک دفعہ لگ جائے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تو چھپٹ نہیں سکتا۔ ہیر قاضی سے کہتی ہے ۔

شیشے جیترے رہن نہ ماس باجھوں جھٹ نال ایہہ رزق کماماں
داغ انب تے صار دا لٹے نائیں داغ عشق بھی رہے بیا میاں

عشق نوشتہ تقدیر ہے جسے مٹایا نہیں جا سکتا۔ ہیر کہتی ہے ۔

ہور سب گلاں منظور مینوں اک چاک توں نہ ہٹا میاں
جتھے قلم تقدیر دی چل چکی کون جتیا ویئے مٹا میاں

عشق ایک لا علاج مرض ہے۔ یہ کہتے ہوئے وارث شاہ کی رگ ظرافت پھڑک اٹھتی ہے ۔

ایس عشق دے روگ دی گل ایہو ممکن ایس بتیں نہیں شفا میاں
وارث شاہ میاں جیویں گنج سردا حاذق آکھدے لا دوا میاں

دنیا داروں کے کام عقل و ہوش سے انجام پاتے ہیں۔ عاشق کار جنوں سے غرض رکھتا ہے ۔

دنیا داراں دے کم سب عقل دے نے کم عاشقاں جھل دا تلیائی

ول ڈیورانٹ نے کہا ہے کہ ایک کمینہ شخص عشق اور فلسفے سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتا۔
وارث شاہ رانجھے کی زبان سے کہتے ہیں ۔

بھائی عشق توں نس کے اوہ جاندے پتر ہون جو کسے کنگالدے جی

عشق کے راز کو افشا کرنا آداب عاشقی کے منافی ہے ۔

رسم عشق دے پنتھ دی چپ رہنا مونہوں بولیا جو سوئی ہاریائی
عاشق ہو جیں عشق اظہار کیتا گیا عاشقاں وچ پھٹکاریائی

عشق کی راہ طویل اور کٹھن ہے عشاق ہی شریعت کا اثبات بھی کر سکتے ہیں۔ یہ بات فقہا کے بس کی نہیں ہے۔ عشق مسلسل کاوش ہے۔ عشاق کا مذہب راسخ ہے۔ حشر کے دن بھی وہ اپنے مسلک پر قائم رہیں گے۔ یہ لوگ نام و ننگ سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ علم کے زور سے سورج کو مسخر کیا جا سکتا ہے لیکن عشق کے ناگ پر اس کا کوئی منتر کارگر نہیں ہو سکتا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ٹریاں سدِ سکندری گھپاندے نکلے عشق دا ناہ سبیل یارو
بتاں عشق دا عاشقاں پاڈِتا کرکے شروع دی نیک تفصیل یارو
درس عشق دا سدا ای رہے کُھلا عاشق کدی نہ کرن تعطیل یارو
ایس عشق پچھے بنے چاک عاشق کیتی ذرا نہ شرم تے ڈھیل یارو
روز حشر بھی عشق دے وچ اُٹھن جدوں صور پھونکے اسرافیل یارو
وارث شاہ لکا پنتھ عاشقاں دا قائم انہاں دی نیک دلیل یارو

حسین بے نیاز ہوتے ہیں اور عاشق جاں باز ۔

بے پرواہیاں بتاں معشوق ناہیں ہراں دِتیاں باجھ دیدار ناہیں

عشق کے ناگ کے ڈسے ہوئے پر کوئی منتر کارگر نہیں ہو سکتا ۔

وارث شاہ اوتھے پھرے ناہیں منتر جنھے عشق نے ونڈیاں ماریاں نے

اپنے آپ کو فنا کرکے ہی محبوب کو پایا جا سکتا ہے ۔

وارث شاہ محبوب نوں تدوں پائیے کریئے دور جدوں اپنا آپ میاں

عشق کا سودا سراسر گھاٹے کا سودا ہے ۔

وارث شاہ ایس عشق دے ونج وِچوں کسے پلے نہ بدھی دمڑی اے

یہ ہے وہ عشق بلا خیز جس نے ایک لاڈلے نوجوان اور ایک الھڑ دوشیزہ کو طوفانِ برق و باراں کی طرح اچانک اپنی لپیٹ میں لے لیا اور جس کے باعث اُن کی زندگیاں مسکراہٹوں سے جگمگا اُٹھیں اور آنسوؤں سے بھیگ بھیگ گئیں۔ ہیر ایک شوخ اور کھلنڈری لڑکی تھی جسے اپنے حسن پر بڑا ناز تھا اور کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔ رانجھا ایک جوانِ رعنا تھا جو پیار کرنے والے باپ کی موت کے بعد بھائیوں کی بے مہری اور بھابیوں کی لعن طعن سے گھبرا کر اس حالت میں گھر سے نکل کھڑا ہوا کہ اس کی بغل میں ونجھلی تھی اور ہاتھ خالی تھا۔ رات ایک مسجد میں گذاری جہاں کے کٹھ ملا کے طعنوں سے اس کی نیند اُچاٹ ہو گئی۔ صبح سویرے پتن جا پہنچا اور ہیر کے پلنگ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پر لیٹ کر غافل سو گیا۔ وہ بے سُدھ پڑا تھا کہ ہیر اپنی سہیلیوں کے ساتھ اٹھلاتی ہوئی دریا کے کنارے پر آ گئی اور اپنے پلنگ پر ایک اجنبی کو دراز دیکھ کر طیش میں آ گئی۔ وہ اسے مارنے کے لئے لپک کر آگے بڑھی تھی کہ رانجھے نے آنکھیں کھول دیں۔ تقدیر اپنا کام کر گئی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ وارث شاہ کہتے ہیں ؎

کجھ وِچ وِچھلی کن وِچ والا زُلف کُھلڑے تے پریشان ہوئی
بھِتے وال چوٹی متھا چند رانجھا چشم کُھلے وِچ غلطان ہوئی
صورت یوسف دی دیکھ طیموس بیٹی سنے مالکے بہت حیران ہوئی
نین مست کلیجڑے وِچ دھانے جویں تڑ گھڑی ترک سنان ہوئی
ادھموں وِہندیاں ہیر نوں خوشی ہوئی بار بار قربان ہوئی
رُوپ جٹ دا دیکھ کے جاگ لدھی ہیر وار گھتی سرگردان ہوئی
عشق حُسن اسوار میدان چڑھ کے زہم لُٹ لئی پشیمان ہوئی
جھڑا زور سی اپنے حُسن والا استھا چھیڈ کے وِچ فرمان ہوئی
بھلا ہویا میں تینوں نہ مار بیٹھی کائی نہیں سی گل بے شان ہوئی
وارث شاہ نہ تھاؤں دم مارنے دی چار چشماں جدوں گھمسان ہوئی

ہیر رانجھے کو دیکھ کر ہچکچا کر رہ گئی جس طرح زلیخا حُسنِ یوسف کے نظارے سے اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔ وارث شاہ کہتے ہیں کہ چاہنے والوں کی آنکھیں چار ہوں تو وہاں دم مارنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ دیکھتے دیکھتے عشق طلوع ہوتا ہے اور عُشّاق کے دل و جان پر چھا جاتا ہے۔ اسے چار چشموں کی گھمسان سے تعبیر کرنا نہایت بلیغ اندازِ بیان ہے۔ رانجھا بھی ہیر کے جمالِ جہاں سوز کی تاب نہ لا سکا اور دادِ حُسن دیتے ہوئے کہنے لگا ؎

مان متیے رُوپ گمان بھریے اٹھکھیلیے رنگ رنگیلیے نی
عاشق بھور فقیر تے ناگ کالے باجھ منتروں مُول نہ کیلیے نی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اُسیں تُساں نوں ویکھ کے مست ہوئے تُسیں ہو گئے وانگ چھبیلے نی

ایہہ جوبنا ٹھگ بازار دا ای ٹُرنے ہار ہیئے چھیل چھبیلے نی ۔

رانجھے کے مُنہ سے اپنے حُسن کی تعریف سُن کر اور اس کے بھولے بھالے چہرے کو دیکھ کر ہیر مست و بے خود ہو گئی اور بولی ۔

صورت تُدھ دی بہت پسند آوے ساڈوں جیو دیو جیہ توں بھاونائیں

نین مست تے بھولڑا مکھ تیرا گلاں مٹھیاں نال ہساونائیں

دیہاتیوں کے جذبات میں فطری شگفتگی ہوتی ہے اور وہ بناوٹ اور ساختگی سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ نہ اپنی نفرت کو چھپا سکتے ہیں اور نہ اپنی محبت پر پردے ڈال سکتے ہیں۔ ان کا پیار عشوہ و غمزہ ناز اور نخرے سے بے نیاز ہوتا ہے۔ چنانچہ رانجھے اور ہیر نے بے محابا ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کیا اور عشق کی قہر سامانیوں کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ ہیر رانجھے کو لے کر اپنے باپ کے پاس گئی اور اسے کہہ سُن کر اپنے یہاں "چاک" رکھوا دیا۔ رانجھے نے مزید اطمینان کے لئے ہیر سے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم اپنی سہیلیوں کے جُھرمٹ میں مجھے بھول جاؤ گی۔ مجھے روٹی کے ٹکڑے پر ٹرخاتی رہو گی اور میرا کوئی پُرسانِ حال نہ ہوگا۔ مجھ سے نبھانے کا پکا عہد و پیمان کرو تو میں یہ کام اپنے ذمے لیتا ہوں۔

نال ندھیاں گھِن چھڑے توں تُساں بیٹھنا وِچ بھنڈار ہیرے

اساں رُلاں گے آن کے وِچ ویہڑے ساڈی کوئی نہ لیگا سار ہیرے

ٹکی دے کے ویہڑیوں کڈھ چھڈیں ساڈوں ٹھگ کے مول نہ مار ہیرے

اساں نال جے توڑ نبھاوندی ای سچا دیہہ کھاں قول قرار ہیرے

ہیر صدقِ دل سے قول دیتی ہے ۔

اللہ سچ تے نبی برحق میاں سچا کراں میں قول قرار ماہی

تیری بندڑی ہاں بجھ ہے جان میری بھاویں ویچ لے ہٹ بازار ماہی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میتوں بُھلیاں نے ہور سب گلاں تیرے ورد دی بس ہے کار ماہی

دامن دہاں میں تیرے سدا لگی جیویں جان نسیں پار اُتار ماہی

تیرے نام دا رات دن ذکر کرساں دیویں مہر دے نال دیدار ماہی

آپ کٹھساں ہی جو جان اُتے دیویں دلوں نہ سوال وسار ماہی

تیرے نال ایہہ قول نبھاوساں میں بھاویں جیت آوے بھاویں ہار ماہی

ہن جیوندی مکھ نہ موڑساں میں وارث شاہ تے رکھ اعتبار ماہی

ہیر جس والہانہ انداز میں رانجھے کے ساتھ نبھانے کا عہد کرتی ہے وہ عورت سے خاص ہے۔ مرد ابتدائے عشق میں بڑے جوش و خروش سے عہد و پیمان کرتے ہیں لیکن محبوبہ سے فیضیاب ہونے کے بعد سرد مہری اور بے رخی کا برتاؤ کرنے لگتے ہیں۔ عورت جو کچھ کہتی ہے کر دکھاتی ہے اور اپنی ساری عمر اور ساری اُمنگیں اپنی ساری تمنائیں پیار کی بازی پر لگا دیتی ہے۔ ہیر نے یہ کہہ کر پیار کرنے والی تمام عورتوں کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔

تیرے نال ایہہ قول نبھاوساں میں بھاویں جیت آوے بھاویں ہار ماہی

اور یہ کامل سپردگی بھی تو عورت ہی کا حصہ ہے۔

تیری بندی ہاں بچہ ہے جان میری بھاویں ویچ لے ہٹ بازار ماہی

وفا عورت کی سرشت میں ہے مرد خال خال باوفا ہوتے ہیں۔

رانجھا مویشی لے کر بیلے چلا گیا۔ جہاں درختوں کے گھنے سائے میں بیٹھا ونجھلی بجایا کرتا۔ چند ہی روز میں بھینسیں بھی اس کی ونجھلی کی زبان سمجھنے لگیں۔ وہ جب چاہتا ونجھلی کی تانیں اڑا کر انھیں اپنے پاس بلا لیتا۔ ہیر تو ایک ایک تان پر دل و جان سے فدا تھی۔ وہ گھی شکر سے چوری کُٹ کر رانجھے کے پاس آتی اور اپنے ہاتھ سے اسے کھلایا کرتی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ جوں جوں دن گذرتے گئے پیار کا زہر ان کے رگ و پے میں اُترتا گیا۔ فطرت کے تقاضے پورے ہوئے۔ عشق کامل سپردگی چاہتا ہے اور اس کی تکمیل کامل سپردگی ہی سے ہوتی ہے ہیر اور

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رانجھے نے جھنگ کے چھتنار درختوں کے نیچے پیار کا آب حیات گھونٹ گھونٹ پیا اور امر ہو گئے۔ انسان کا مقدر یہ ہے کہ جہاں اس کی مسرت انتہا کو پہنچتی ہے وہیں سے مسرت کے خاتمے کی ابتدا بھی ہوتی ہے۔ مسرت کا نقطۂ عروج غم کا نقطۂ آغاز ہے۔ ان کی محبت کا راز طشت از بام ہوا، اور ہر کہیں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ان کے معاشقے کی خبر رانجھے کی بھابیوں نے سنی تو انھوں نے ہیر سے کہلا بھیجا کہ وہ رانجھے کو اپنے گھر واپس بھیج دے۔ ہیر نے جواب دیا کہ میں اس کے بغیر ایک پل زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس جواب کا ایک ایک حرف ہیر کے جوشِ عشق پر دلالت کرتا ہے۔

تسیں ایس دے خیال نہ پؤ اڑیو نہیں کھٹ کجھ ایس دے پیار اتوں
تینوں میں جاندی اوس بن ماں لکھیوں گھول جھڑتے جان دلدار اتوں
میں تے ایہو واج وہاجیاں سودا کیتا ای جسم جان ہمیار اتوں
میرے کارنے چار دا پھڑے مجھیں گھنڈے لوک نے کسب روزگار اتوں
جھلاں بیلیاں وچ اوہ پھرے بھوندا میں وکھیا عشق گنہگار اتوں
میرے واسطے کار کماوندا ای میری جان گھول اوہدے کار اتوں

پھر کہتی ہے ؎

سونپ پیراں نوں جھنگ وچ پھیرنی ہاں مدد ایس دی خضر تے لوط ہے نی
جس وقت آوے بیلیوں چین چڑھدا رانجھا جاپدا وانگ ملکوت ہے نی
رانجھا بخشیا رب بہشت میوہ رس بھنڑہ مثل شہتوت ہے نی
وارث شاہ پھراں اوہدے نگر لگی اج تیک تاں رہیا اچھوت ہے نی

ہیر کا چچا کیدو لنگڑا ان کی تاک میں تھا۔ ایک دن اس نے آنکھ بچا کر ہیر کا پیچھا کیا۔ اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہیر رانجھے کو چوری کھلا رہی ہے اور اس سے پیار کر رہی ہے۔ یہ دیکھ کر کیدو چل گیا۔ سیدھا بھائی کے گھر گیا اور سارا کچا چٹھا نون مرچ لگا کر ہیر کے ماں باپ کو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہہ سنایا۔ دوسرے دن وہ ہیر کے باپ چوچک کو اپنے ساتھ بیلے لے گیا اور درختوں کی اوٹ میں سے دکھایا کہ ہیر چاک پر صدقے قربان ہو رہی ہے۔ چوچک نے رانجھے سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک مقررہ مدت تک اس کے مویشی چرائے گا تو ہیر اسے بیاہ دی جائے گی لیکن کیدو کے اکسانے پر اس نے ہیر کا بیاہ سیدے کھیڑے سے کرنے کی ٹھان لی۔ ہیر کو اس بات کی بھنک پڑی تو وہ بہت پریشان ہوئی۔ ایک دن ہیر کی ماں ملکی نے اپنی بیٹی کو سخت سست کہا اور دھمکیاں دیں تو ہیر نے صاف صاف کہہ دیا کہ تم لوگ اپنے قول سے پھر گئے ہو مگر میں اپنا عہد نبھاؤں گی۔ ؎

ہیر کڑک کے آکھدی ماؤں تائیں مینوں شوق نہ چاہ ویاہ دے نے
رانجھے نال ہوئی جند جان اکو لکھے لیکھ ایہہ دھروں درگاہ دے نے
دل و جان تھیں میں حاضر گولڑی آں اگے میں رانجھے بادشاہ دے نے
چاک میرا تے بندی میں چاک دی ہاں وعدے ازل دے توڑ نباہ دے نے
میرے نہیں مائے رانجھے یار دے نے دم چوچی ہزار جو ساہ دے نے
بناں آئی تقدیر میں نہیں مرنا تیرے ہتھ نہ حکم نشاہ دے نے

انداز بیان قابلِ داد ہے۔ کہتی ہے "رانجھا میرا غلام ہے اور میں اس کی لونڈی ہوں۔ پھر ماں سے کہتی ہے۔ ؎

بیلے وچ دیدار جو کراں جا کے میرا ایہو معراج کمال مائے
حج کعبے دا چاک نوں جانیا میں میری عمر دی کی مجال مائے
بیلے جاؤں نوں موڑ نہ رکانگی میں توڑے کھوہ اندر گھتو گال مائے
رانجھے ہیر وچ تریقہ کوئی ایس گل نوں سوچ سمبھال مائے
میرا چاک نوں ساک اقرار کرکے پھیر گل دتی پچھوں ٹال مائے
جے کر چاک نوں ساک نہیں دیوناں سی کرنا نہیں سی ایڈ پلالی مائے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر کے قول زبان نہ ہارساں میں ایسے یار توں مڑن محال مائے
رانجھے یار دے کھیڑے دربان ہو کے ولی غوث تے قطب ابدال مائے

ہمارے دیہات میں بیٹی نڈر ہو کر اپنی ماں سے بات کر لیتی ہے مگر بھائی سے خوفزدہ ہوتی ہے۔ ہیر نے جب یہ سُنا کہ اس کے ماں باپ اپنے قول سے منحرف ہو کر اسے سیدے کھیڑے سے بیاہ رہے ہیں تو اس نے اپنے بھائی سلطان کے سامنے بھی برملا کہہ دیا کہ وہ جان پر کھیل جائے گی لیکن رانجھے کا دامن کسی صورت نہیں چھوڑے گی۔

اکھیاں لگیاں ہٹن نہ ویر میرے بیبا واریاں اُتے ہاریاں وے
دہن چینے دریا نہیں کدی مُڑدے وڈے لائیے زور زاریاں وے
ایہہ بدی نہ مٹے نصیب وچوں بھاویں وڈھ توں نال تلواریاں وے
اکھیاں روز الست دا مٹے ناہیں ہیر گھول گھتی وارو واریاں وے
لہو کریں نہ نکلے دس بھائی جیہتے لگیاں تیز کٹاریاں وے
ہر ودیتاں باجھ نہ عشق پکے ایہہ نہیں سکھالیاں یاریاں وے
خوشیاں نال قربان کر عشق اُتوں بھنیاں ہون جے لکھ ہزاریاں وے
لکھاں داروں نال نہ ہون چنگے جنہاں لگیاں عشق بیماریاں وے
رانجھے چاک دے پیر دی خاک اُتوں وار گھتیاں اساں سرداریاں وے
اشتیاق مرجع چاک دے بیراں اُڈدی میرے وچ ہے زور بلکاریاں وے

ہوتی ہو کر رہی سیدے کھیڑے کی بارات بڑی دھوم دھام سے سیالوں کے گھر آئی۔ ابتدائی رسوم کے بعد نکاح کا جلسہ برپا ہوا۔ ایجاب و قبول کے وقت ہیر نے نکاح سے انکار کر دیا۔ قاضی نے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن ہیر اپنی ہٹ پر قائم رہی۔ قاضی اور ہیر میں ایک طویل مکالمہ ہوا۔ قاضی شریعت کے مسائل بیان کرنے لگا اور ہیر شرع عشق کا دفتر کھول بیٹھی۔ قاضی سے کہا

میرے عشق نوں جاندا ڈھول باشک لوح قلم تے زمین آسمان میاں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رانجھا چھوڑ کے نظر نہ ہیر کرساں بھاویں چل کے آوے سلطان میاں

ہیتاں کدی نہ چھڈساں رانجھنے نوں بھاویں دور کرو میری جان میاں

ہیتاں رانجھنا رانجھنا کرکساں گی پچھ جان دے وچ میری جان میاں

جناب قاضی کے لئے یہ زبان ناقابل فہم تھی۔ انھوں نے کہا جسے تم عشق کہتی ہو وہ سراسر تمہاری بدمستی اور ہوس ناکی ہے ۔

تیرا عشق ہیرے اساں سمجھ لیا بچ پنے تے جھدی سبنا بی بی

ایہناں عشق ناہیں تری نری مستی بری چال دی ایہہ ادا بی بی

ہیر برجستہ کہتی ہے ۔

ہیر آکھیا عشق دا راہ پوتاں نہیں کم ملوانیاں قاضیاں دا

ایس عشق میدان دے کٹھیاں نوں رتبہ کرب دبلا دیاں غازیاں دا

تُرت وِچ درگاہ منظور ہوئے سجدہ عاشقاں پاک نمازیاں دا

راہ حق دے جان قربان کرنی ایہہ کم نہ جھوٹیاں پاژیاں دا

رانجھا نال ایمان قبول لیا میں قصہ ختم کر دور درازیاں دا

رانجھا چھڈ کے انگ نہ لاں کھیڑا جندا گدھے نوں حق نہ تازیاں دا

ہیر کہتی ہے کہ عشق کی راہ میں جان نثار کرنے والوں کو شہدائے کربلا کا رتبہ ملتا ہے۔ ملاؤں اور قاضیوں جیسے پاجی کیا جانیں حق کی راہ میں جان کیسے قربان کی جاتی ہے۔ درگاہ باری تعالیٰ میں عشاق صادق کے سجدے ہی قبول ہوتے ہیں رانجھا میرا ایمان ہے اسے چھوڑ کر سیدے سے ملاپ کرنا ایسا ہے جیسے گدھے کو اسپ تازی کا حق دیا جائے۔ ہیر یاد دلاتی ہے کہ اس کے ماں باپ نے اسے رانجھے سے بیاہنے کا عہد کیا تھا ۔

پہلاں ماں تے باپ اقرار کیتا ہیر رانجھے دے نال ویاہنی اے

اساں اوسدے نال زبان کیتی لب گوردے تیک نباہنی اے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

انت رانجھے نوں ہیر پناہ دیتی کسی روز دی ایہہ پراہنی اے
وارث شاہ نہ جاندی میں کملی خورش شیر دی گدھے نوں ڈاہنی لے

لیکن قاضی صاحب کی مٹھی گرم کی گئی تھی وہ پنجے جھاڑ کر ہیر کے پیچھے پڑ گئے اور مسائل بیان کرنے لگے، تو ہیر غضبناک ہوگئی. اس نے کہا جب تک میری جان میں جان ہے میں رانجھے کو نہیں چھوڑوں گی. اے قاضی تو ناحق جان کھپاتا ہے. میں تیرے مسائل سننا نہیں چاہتی. مجھے تلوار سے کاٹ دیا گیا تو بھی رانجھے کو نہیں چھوڑوں گی. رانجھے کا دیدار گویا مجھے حسینؓ شہید کا دیدار ہے اور سید کھیڑا تو مجھے شمر اور یزید لعین کی طرح زہر لگتا ہے. رانجھے کی پیشانی میرے لئے مسجد کی محراب ہے جس میں میں سجدے کیا کرتی ہوں. ـ

غصہ کھا کے ہیر سیال کہندی جب لگ جان نہ رانجھے توں مڑاں لاڈلی
تیریاں سٹیاں دی نہیں جاہ مینوں کا ہنوں کرنا ایں قاضیا مغز ماری
میں تاں جیوندی مڑاں نہ رانجھے توں بھاویں کٹے تلوار دی تیز دھاری
ایہہ رب دیاں بے پرواہیاں نے لائی عشق دریا وچ اساں تاری
رانجھے دید شہید حسینؓ مینوں کھیڑا شمر یزید لعین قاضی
متھا چاک دا خاص محراب مسجد سجدے پئیں آں نال یقین قاضی

جب ہیر کے باپ اور چچا نے دیکھا کہ ہیر نے نکاح سے انکار کر دیا ہے تو انھوں نے قاضی سے کہہ کر بغیر ایجاب و قبول ہی کے ہیر کا نکاح سید سے کھیڑے سے پڑھوا دیا. اور رخصت کی تیاریاں ہونے لگیں. ہیر موقع پا کر رانجھے سے ملی اور بصد حسرت و اندوہ اس سے رخصت ہوئی. ـ

ہیر آکھدی چاک نوں آ نیڑے گلیں لگ بلئے جاندا وار جانی
ایس دید نوں ترسدے رہن گے نے ساڈے نین خونی اشکبار جانی
رب میلے تے ملاں گے پھیر مڑ کے قسمت نال ہوساں ہم کنار جانی
ہن جا لیئے ریجھ لا لے تے جبتی گھت کے باہہ اُلار جانی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آخری مصرع بڑا جاندار ہے۔ کہتی ہے آؤ میرے گلے میں باہیں حمائل کر کے مجھے بھینچ بھینچ کر سینے سے لگاؤ تاکہ شوقِ ملاقات کی کچھ تسکین تو ہو۔

رانجھا شکایت کے پیرائے میں کہتا ہے ؎

کر کے قول زبان بے ہار دیوئی تار پیار دی دلوں نہ توڑ ہیرے
پہلوں نال پیار دے ٹھگیونی ہُن کھا قسماں، کریں کروڑ ہیرے
جھاکا دے کے باغ بہشت والا سانوں چلیئں کلّیاں چھوڑ ہیرے
کر بیڑے ساتھوں تے پار اتار دیویں مجھو وِچ نہ سٹیئے بوڑ ہیرے
پیڑ ویلنے وِچ کماد وانگوں میرا چلیئں رس نچوڑ ہیرے
آپ پری بن کے اُڈ نہار ہوئیوں سانوں عشق دا جن چھوڑ ہیرے

کیا خوب کہا ہے۔ اپنے حسن کے باغِ بہشت کی جھلک دِکھا کر اب مجھے منجدھار میں چھوڑے جا رہی ہو۔ پیار کی ناؤ میں سوار کر کے بیچ منجدھار ڈبو دیا پار نہیں لگایا۔ خود تو پری بن کے اڑی جا رہی ہو اور عشق کا جن مجھے چپٹا دیا ہے۔ تو نے میری زندگی کا رس ایسے نچوڑ لیا ہے جیسے گنے کا رس نچوڑ لیا جاتا ہے۔

مگر رانجھے کی یہ شکایت بے جا تھی۔ ہیر نے بارات آنے سے پہلے رانجھے سے کہا تھا۔ آؤ تخت ہزارے بھاگ جائیں لیکن رانجھا متردد تھا مگر اب اُلٹا شکایت کرنے لگا۔ آخر وہ تقدیر کا سہارا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ جدائی روزِ ازل ہی سے ہماری قسمت میں لکھی تھی۔ ؎

ساڈی پیش نہ جاوندی ذرا اوتھے جتھے کھیڑیاں تدھاں ٹکایاں نے
وارث شاہ خدا نوں سونپیوں توں ساڈے بھاء ایہہ دھروں جدائیاں نے

ہیر سسرال پہنچ کر سخت اُداس ہو گئی۔ کھانا پینا چھوٹ گیا۔ روز بروز دُبلی ہونے لگی۔ وہ ایسی مریضہ تھی جسے بظاہر کوئی دُکھ روگ نہیں تھا۔ مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ جُدائی کے نیزے کی انی جگر میں رہ رہ کر چبھتی اور وہ اس کونج کی طرح کرلاتی جو اپنے قافلے سے جدا ہو گئی ہو۔ منہ پر مُہرِ خاموشی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لگ گئی۔ رانجھے کا مکھڑا ہر وقت آنکھوں کے سامنے رہتا اور سیدے پر لعنت بھیجا کرتی۔ رانجھے سے جو پیمانِ وفا ناز پر باندھا تھا اس کی یاد میں مگن رہتی۔ ؎

ہیر سیالاں دے گھراں وِچ قید ہوئی سُوندی بھندی طعام نہ کھاوندڑی اے
دنوں دن اوہ سکدی جاوندی اے بانجھ درد تے سول درماندڑی اے
کسے نال نہ ہس کے بولدی اے منہ کج کے پئی شرماوندڑی اے
سانگ وِچ کلیجے دے اڑکدی اے سینہ خنجروں پئی کُساوندڑی اے
گھروں کڈھ کے ماپیاں دُور سُٹی ڈاروں وچھڑی کونج کرلاوندڑی اے
کسے نال نہ بولدی چالدی اے فکراں وِچ ایہہ جان گواوندڑی اے
صورت رانجھے دی اکھیاں وِچ رکھے ہر سیدڑے دے ہَس پاوندڑی اے
بیڑی والڑا قول سُو یاد پکا اک پلک نہ دِلوں بھُلاوندڑی اے

کہتی ہے کوئی محرم راز نہیں ملتا۔ کس کے سامنے اپنا دُکھڑا بیان کروں ؎

کوہی وانگ دن رات کرلاوندی نوں پیا وِچ کلیجڑے گھا میتوں
وارث شاہ میاں کنہوں حال دَساں محرم نہیں کوئی نظری آ میتوں

ہیر کی جُدائی میں رانجھے کا حال بھی زبوں تھا۔ وہ دیوانہ وار بیلے میں گھومتا پھرتا۔ کوئی اس کا پُرسانِ حال نہیں تھا۔ اسی حال میں ہیر کو پیغام بھیجا۔ اس میں کہتا ہے ؎

سینہ سانگ فراق نے پاڑ دتا سیریں گھا او دلبرا واسطا ئی
تیرے عشق دے ڈھولاں دی بنب بولے "دھراہ" "دھراہ" او دلبرا واسطا ئی
جان لباں تے آن کے اٹک رہی کریں فناہ او دلبرا واسطا ئی
رنگ زرد دم سرد تے نین خونی نہیں وساہ او دلبرا واسطا ئی

"دھراہ" "دھراہ" صوتی لفظ ہے۔ بنب وہ شور جو بہت سے ڈھول اکٹھے پیٹنے سے پیدا ہوتا ہے۔ بڑی خوبصورت تشبیہ ہے۔ کہتا ہے کہ شورشِ عشق نے میرے دل میں بے پناہ ہنگامہ

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پپاگر دیا ہے جیسے بہت سے ڈھول اکٹھے پیٹے جا رہے ہوں۔ ہیر رانجھے کو اپنے پیام میں کہتی ہے ۔

تیرے نام دا رات دِن ذکر کردی وانگ زاہداں لا کے جھٹیاں میں
ساری رات گذاردی ذکر اندر اک پلک یاد تھیں چھٹیاں میں
تینوں آکھیا سُو جلدی آ ماہی کاہنوں وچ فراق دے سٹیاں میں
روز ازل تھیں سجناں نال تیرے پکی جکڑ کے رب نے جُٹیاں میں

طرزِ ادا کی لطافت ملاحظہ ہو۔ کہتی ہے کہ میں رات بھر تیرا نام جپتی ہوں جیسے زاہدِ شب زندہ دار بار بار جھوم جھوم کر ذکر اذکار کرتا ہے۔ میرے پیارے میرا دامن تو روزِ ازل سے خدا نے تیرے دامن سے مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا تھا جلدی آ میں تیری جُدائی میں تڑپ رہی ہوں۔

وارث شاہ نے ہیر کے دردِ فراق اور سوزِ ہجر کو ہیر کی زبان میں ایک بارہ ماسے میں بیان کیا ہے۔ یہ بارہ ماسہ عشقیہ شاعری کا ایک بلند پایہ شاہکار ہے جس کی مثال شاید خواجہ غلام فرید کی کافیوں، میراں کے بھجنوں اور غزل الغزلات کے سوا دنیائے ادب میں کہیں نہیں ملے گی۔ عورت کی زبان سے برہا کے دُکھ اور شوقِ وصال کا بیان خالصتاً ملکی روایت ہے جو سندھی، پنجابی، بنگالی اور ہندی شاعری سے ہڑپہ اور موئن جو دڑو (یہ ترکیب پنجابی کی ہے یعنی مویاں دی ڈھیری) کے مادری نظام معاشرہ تک پہنچتی ہے۔ مصرِ قدیم کے ابتدائی دور کے مادری نظام معاشرہ میں بھی جس میں سماجی لحاظ سے عورت کو مرد پر فوقیت حاصل تھی۔ عورت ہی اظہارِ عشق میں پہل کرتی تھی۔ ایسی کئی نظمیں ہم تک پہنچی ہیں یہی حال ہڑپہ اور موئن جو دڑو کے مادری نظام معاشرہ کا تھا۔ کرشن اور رادھا کا معاشقہ اسی معاشرے سے یادگار ہے۔ سیاہ فام کرشن (لغوی معنی "کالا") بقول پروفیسر رادھا کرشنن، گورے چٹے آریاؤں کا دیوتا نہیں ہو سکتا تھا۔ شیو اور کالی دیوی کے ساتھ کرشن بھی ہڑپہ اور موئن جو دڑو کی دیو مالا سے آریائی دیو مالا میں آیا تھا۔ گیتا کا فلسفی کرشن اس دیوتا کا آریائی سروپ ہے جبکہ بندرابن کا مکھن چور

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رادھا کا محبوب اور گوپیوں کا کاہن اس کا اصل دراوڑی رُوپ ہے جو آج بھی بھارت میں باقی برقرار ہے۔ گیتا گووندا میں رادھا کرشن سے اظہارِ عشق کرتی ہے۔ میراں کے بھجنوں میں اس راجپوت شہزادی نے پرجوش انداز میں کرشن سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ مَرد سے عورت کے اظہارِ عشق میں پہل کرنے کی یہ روایت سندھی، پنجابی، بنگالی اور اکثر دکنی زبانوں میں آج تک موجود ہے۔ شاہ لطیف بھٹائی اور خواجہ غلام فرید کی کافیوں میں بھی سسّی نے پنّوں سے والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ وارث شاہ کے بارہ ماسہ میں بھی یہی روایت دکھائی دیتی ہے۔ یہ بارہ ماسہ اکسٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم صرف چند اشعار بطور نمونہ پیش کریں گے ؎

چھُری عشق دی کٹ کے وانگ قیمے گھت برہوں دی دیگ نہایاں میں
ایس ویلڑے نوں نہیں جاندی ساں ہَس ہَس کے اکھیاں لایاں میں
اونھوں شوق دے نال گل لاوندی ساں مونھوں آکھدی ساں تیری تریڑیں میں
وارث شاہ قضا جدا کیتی عمر ضیاں کیتیاں رو بہتیریاں میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ایس ماہ دے وچ سہیلیو نی میرا جی چاہے بیلے جاونے نوں
چیکے چھوڑدی نے بیلے جاوندی ساں رانجھے یار دے انگ لگاونے نوں
درد خواہ رانجھے باجھ کون ہووے بندی ہیر دی پیڑ ونڈاونے نوں
تتّی ہیر بیمار دا وید رانجھا کدوں آوسی روگ گواونے نوں
مرچلی ہاں روندڑی وتج درداں جانی میل توں درد ہٹاونے نوں
کرکے سُکھاں دی آس دل وچ بھاری اساں چکیا سی ایس چاونے نوں
سوہنا کیتے دی نظر نہ آوندا اُچیت نت چاہے دید پاونے نوں
وارث شاہ رنجھیٹے نوں نال لیکے جاندی روز جھناں تے نہاونے نوں

کیسے روز دا حسن پراہونا اے سر کسے دے وری پچھا مریئے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بُھٹھ تکنی آس بیگانڑی جی ہتھیں اپنیں خیر کما مریئے

ربے دلے دے وِچ افسوس نا ہیں یار رَج کے گلے لگا مریئے

وارث شاہ نہ ملے درگاہ ڈھوئی جے کر یار توں مُکھ بھوا مریئے

چڑھدے ہاڑ دیوِچ حیران جیتی بُل بُل اُگ سینے وِچ بھجدی اے

بات دِلے دی کھول نہ دسدی اے وانگ سیخ کباب دے بھجدی اے

سینے وِچ فراق دی سانگ رڑکے برچھی وانگ اڑیس جو بھجدی اے

ہت بھجدی پاندھیاں راہیاں نوں کوئی خبر نہ دُسدا اجھ دی اے

جب جدائی کی تاب نہ رہی تو ہیر نے رانجھے کو کہلا بھیجا کہ جوگی کا بھیس بدل کر آؤ اور مجھے ملو۔

تینوں حال دی گل میں لکھ گھلاں تُرت ہو فقیر تیں آؤ تا ئیں

کسے جوگی دا جا کے بنیں چیلا سواہ لا کے کن پڑوا تو تا ئیں

چیٹھی میں ہیر رانجھے کو اپنے حسُن و جمال سے فیض یاب ہونے کی ترغیب بھی دیتی ہے۔

اگے چونڈیاں نال ہنڈایا ئی زلف کُنڈلاں دا ہُن ویکھ میاں

گھت کنڈلاں ناگ سیاہ پلمن دیکھے اوہ جس بھلا ہے لیکھ میاں

دنداں لاں لتے لوہنر دنداسڑے نوں نیّن خونیاں دے بھرن بھیکھ میاں

حسُن دی دید کر دیکھ زلفاں خونی نیناں دے کرن پریکھ میاں

کہتی ہے کہ پہلے تو تم نے میرے کنوارپنے کے حسُن کے مزے لوٹے تھے جب میں چونڈیاں گندھایا کرتی تھی۔ اب آؤ اور زلفِ دراز اور پُرپیچ کے نظارے سے بھی لطف اُٹھاؤ۔ میں ابٹن اور دنداسہ ملتی ہوں تو میری آنکھیں جوشِ جوانی سے لال ہو جاتی ہیں جن پر میری زلفیں ناگ کی طرح لہراتی ہیں۔

دیوانہ را ہوئے بس است۔ رانجھا ٹلہ جوگیاں پہنچا۔ گرو بالناتھ سے جوگ لیا۔ گرو نے اس کے کان چھید کر اس میں بالے ڈال دیئے۔ اسے کھپری سیلا اور ناد دیئے اور نصیحت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لی کہ بیٹا پاکبازی کی زندگی گذارنا اور کسی جوان عورت کی طرف نہ دیکھنا۔ رانجھا بولا مجھے ہیر دِلا دیجئے۔ اس کے سوا مجھے کسی عورت کی چاہت نہیں ہے۔ مَیں اور ہیر آغازِ شباب سے ایک دوسرے کے ہو چکے ہیں۔ عشق کا ناگ میرے سینے میں کُنڈلی مارے بیٹھا میرا خُون چاٹ رہا ہے۔ اور جدائی کا درد میرے سراپا میں رچ بس گیا ہے۔ دوسری عورتوں سے میں ایسے ڈرتا ہوں جیسے دیا بُوا سے ڈرتا ہے۔ مجھے ہیر بخش دی جائے۔ ؎

ناگ عِشق دا بیٹھا ہے وِچ سینے کُنڈلی مار جس خُون نوں کھونڈنا ئی
وارث شاہ دا انگوں ہیر طن باجھوں ہڈ ماس ساڈا بجر چونڈنا ئی

رَل کے ہیر دے نال سی عمر جالی اساں مزے جوانی دے خوب کیتے
ہیر چھتیاں نال میں مُس بھناں اساں ووہاں نے عیش مرغوب کیتے

مینوں ہیر دی طلب ہے ہیر بخشو ہیر ہیر میرا جیو منگ دائی
نا ہتھا واؤ کولوں جیویں ڈرے دیوا تویں حور نال توں جیو سنگدائی

رانجھا جوگی بن کر ٹلہ جوگیاں سے نیچے اُترا اور مست ہاتھی کی طرح جھومتا جھامتا سیدھا رنگ پور جا پہنچا۔ بستی کے باہر ایک باغ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ آگ سلگائی اور سادھی میں بیٹھ گیا۔ اسے دیکھ کر گاؤں میں ہلچل مچ گئی۔ عورتوں کا جمگھٹ لگ گیا۔ وہ اس کے گرد حلقے میں بیٹھ کر اپنے دُکھڑے رونے لگیں اور مُرادیں مانگنے لگیں۔ جوگی کے مردانہ حُسن کے نظارے نے عورتوں کو مبہوت کر دیا، اور ہر کہیں اس کے بھرپور شباب اور مست انکھڑیوں کے چرچے ہونے لگے۔ ہوتے ہوتے بات ہیر کے کانوں تک جا پہنچی۔ جب ہیر کی سہیلیوں نے جوگی کا سراپا بیان کیا تو ہیر جان گئی کہ رانجھا اس کے کہنے کے مطابق جوگی بن کر آ گیا ہے۔ یہ سُن کر ہیر کے جذبات میں بے پناہ ہیجان برپا ہو گیا اور کہنے لگی ؎

سہتی مٹھی ایہہ گل نہ کرو بھینیاں میتاں سُندیاں ای مر گئی جے نی
تُساں ایہہ جیدڑ کہی گل کیتی کھلی تی ای میں کُڑھ بیٹی جے نی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رب جھوٹ نہ کرے جے ہوئے رانجھا تاں میں چوڑ ہویاں ملیوں پٹیا سو
اگے اگ فراق نے ساڑ سٹی سڑی بلی نوں ہیر کیوں پھٹیا سو
نالے رتن گئی نالے کن پاٹے ایس عشق بھیں نفع کی کھٹیا سو
میرے واسطے ٹکڑے پھرے کردا لوہا تا جیبھے نال چٹیا سو
خون جگر دا عشق دے کھیت اندر جھٹ غنیاں والا کے جھٹیا سو
قدم رکھدا سی وچ وانیاں دے میوں پا نکے ترنجھ وچ چھٹیا سو
ایہہ رانجھنا پھل گلاب دا سی میرے ہجر اندر روپ گھٹیا سو
تیغ عشق دی نال شہید ہویا ویکھ سیدڑا سیس دتے ڈٹیا سو
ہویا چاک پھیر مل سو خاک پنڈے لاہ ننگ ناموس نوں سٹیا سو
بکل وچ چوری چوری ہیر رووے گھڑا نیر دا جیا الٹیا سو
ظاہر نہ رووے دلوں آہ مارے اکھیں جگر دا خون پلٹیا سو
نی میں گھول گھتی سکھیا رڑا سی میرے واسطے دکھ ترٹیا سو

ان اشعار سے مفہوم ہوتا ہے کہ وارث شاہ عورت کی نفسیات کے بہت بڑے مبصر ہیں جب کوئی عورت یہ دیکھتی ہے کہ اس کا شیدائی اس کے لئے کڑیاں جھیل رہا ہے تو وہ دل جان سے اس پر فدا ہو جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اسے اپنی رسوائی کا خوف بھی ہر وقت دامن گیر رہتا ہے۔ چنانچہ اس خوف سے ہیر بھی آزاد نہیں ہے جس نے علی الاعلان رانجھے کے ساتھ اپنی محبت کا اعتراف کیا تھا۔

دوسرے دن رانجھا کھپری لے کر بھیک مانگنے کے لئے گھر گھر پھرنے لگا۔ یہ تو ایک بہانہ تھا۔ گھومتا گھامتا سیدے کھیڑے کے گھر جا پہنچا اور صدا لگائی۔ ہیر کی نند سہتی نہایت شوخ بیباک اور منہ پھٹ تھی۔ اس نے رانجھے کے خوب خوب لتے لئے اور طعنوں مہنوں سے اس کا ناک میں دم کر دیا۔ ایک مدت کے بعد چاہنے والوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو دونوں پر کیا کیا عالم

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہ گذر گئے ہوں گے لیکن دونوں نے مصلحت بینی سے کام لیا۔ جوگی ہیر سے کہنے لگا کوئی مُراد ہو تو مانگ لو۔ ہیر نے بڑے ذومعنی انداز میں اپنے غمِ فراق کا ذکر کیا ؎

ہیر آکھدی جوگیا جھُوٹھ بولیں کون رُٹھڑے یار مناوندا ئی
ایسا ملیا نہ کوئی میں ڈھونڈ تھکی جیہڑا گیاں نوں موڑ لیاوندا ئی
بھلا موئے تے وِچھڑے کون میلے ایویں جیوڑا لوک ولاوندا ئی
دُکھاں والیاں نوں گلاں سُکھ دیاں قصّے جوڑ جہان سُناوندا ئی

سہتی ایک ہی کائیاں تھی۔ وہ پیار بھری آنکھوں کی زبان سمجھتی تھی کہ خود بھی مُراد بلوچ سے پیار کرتی تھی۔ جب ہیر اور رانجھا بُت بنے ایک دوسرے کی طرف وفورِ شوق سے لرزتی نگاہوں سے دیکھنے لگے تو وہ سب کچھ بھانپ گئی۔ اور رانجھے کو خوب جلی کٹی سنائیں لیکن رانجھے نے یہ کہہ کر اسے رام کر لیا کہ وہ اسے مراد بلوچ سے ملا دے گا۔ اب سہتی اور ہیر میں ملی بھگت ہو گئی۔ اور ہیر نے رانجھے سے ملنے کا منصوبہ بنایا۔ ایک دن بناؤ سنگار کر کے وہ ایسے وقت باغ میں گئی جب وہاں خاطر بے تشویش تھا۔ جدائی کی آگ میں پھُنکے ہوئے اور نا آسودہ تمناؤں کے ستائے ہوئے عشاق جب تنہائی میں ملے تو ان کے ارمان سُلگ اُٹھے اور یارائے ضبط نہ رہا۔ وصال کا یہ منظر ہیر وارث شاہ کے حسین ترین مقامات میں سے ہے۔ ؎

گھُنڈ لاہکے ہیر دیدار دِتّا رہیا ہوش نہ عقل تھیں طاق کیتا
لنک باغ دی پری نے جھاک دیکے سینہ چاک دا پاڑ کے چاک کیتا
بھٹھ مائیاں ظالماں ٹور دِتّی تیرے عشق نے مار ہلاک کیتا
ماں باپ تے ساک بھُلا بیٹھی اساں تُدھ نوں اپنا ساک کیتا
تیرے باجھ نہ کسے نوں انگ لایا شاہد حال دا رب میں پاک کیتا
امانت اپنی دیکھ توں امن اندر سینہ ساڑ کے برہوں نے خاک کیتا

یہ کہہ کر ہیر بے اختیار آگے بڑھی ؎

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اوّل پیر پگڑے اعتقاد کر کے پھیر نال کلیجے دے لگ گئی
تواں طور تجوبے دا نظر آیا جل دیکھ پتنگ تے اگ گئی
رانجھا شوق دے نال اُٹھ کھڑا ہویا واہ عشق دی دوہاں نوں وگ گئی
جدوں یار نوں یار سی آن ملیا حرص دوہاں دی اندروں بھگ گئی
اُگے دُھواں دُھکیندڑا جوگڑے دا اگ چھوکری نال سلگ گئی
دونویں مست دیدار وچ جھولدے سُن زہر شوق دی دھا ہر رگ گئی

کہتے ہیں یہ عجیب بات ہے کہ عام طور سے پتنگ آگ پر جل مرتا ہے لیکن آج پتنگ آگ جل گئی۔ ہیر کو سینے سے لگاتے ہی جوگی کے دل میں سلگتی ہوئی آگ کا دُھواں شعلہ بن کر بھڑک اُٹھا۔ اس کے بعد حالات کی رفتار تیز تر ہو گئی۔ سہتی اور ہیر نے مل کر اپنے چاہنے والوں کے ساتھ بھاگ جانے کی تدبیر سوچی۔ ایک دن ہیر کے پیر میں کانٹا چبھو کر سہتی نے شور مچا دیا کہ ہیر کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ ہیر نے بھی آنکھیں موندلیں۔ کھیڑے "جوگی" کو بلا لائے۔ اُس نے کہا میں رات کو منتر پڑھوں گا مگر شرط یہ ہے کہ سہتی کے سوا کوئی شخص قریب نہ پھٹکنے پائے۔ کھیڑے غافل ہو کر سو گئے تو مراد بلوچ آ گیا اور رات کی تاریکی میں چاروں بھاگ نکلے۔ صبح کھیڑوں کو خبر ہوئی تو وہ تعاقب میں دوڑے اور اُنھیں جا لیا۔ مراد بلوچ کے ساتھیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور انھیں مار بھگایا۔ لیکن رانجھا پکڑا گیا۔ کھیڑے عدالت میں گئے۔ قاضی نے ان کے حق میں فتویٰ دیا۔ رانجھے نے منتر پڑھ کر شہر کو آگ لگا دی۔ راجہ ڈر گیا اور اس نے ہیر رانجھے کے حوالے کر دی۔ شومئی قسمت سے رانجھا ہیر کو اس کے باپ کے گھر لے گیا۔ چوچک اور کیدو نے بظاہر گرم جوشی سے ان کی آؤ بھگت کی اور رانجھے سے کہا کہ وہ تخت ہزارے جا کر بارات لے آئے تاکہ ہیر اسے بیاہ دی جائے۔ رانجھا چلا گیا تو کیدو نے ہیر سے کہا کہ رانجھا قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ سُن کر ہیر تیورا کر گری اور بیمار پڑ گئی۔ اسی حالت میں اسے زہر دے دیا گیا۔ رانجھے نے ہیر کی موت کی خبر سُنی تو وہ اس صدمے کی تاب نہ لا سکا اور جاں بحق ہوا۔ اس طرح یہ المیہ اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہیر وارث شاہ کے کردار

ہیر : ہیر جھنگ کے سیال جاٹوں کے ایک خوشحال گھرانے کی ناز پروردہ لڑکی تھی۔ باپ کی چہیتی، ماں کی لاڈلی۔ بچپن ہنسی چہل میں گذرا۔ جوانی قیامت بن کر آئی۔ دیکھتے دیکھتے اس اُلھڑ کھلنڈری لڑکی نے ایک جادو نگاہ حسینہ کا روپ دھار لیا۔ جھنگ کی عورتیں اپنے حسنِ قامت، تناسبِ اعضا، جسم کے زاویوں کی رعنائی اور خطوط کی دلآویزی کے لئے یگانۂ روزگار تھیں۔ وارث شاہ نے ان کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف جا بجا کی ہے۔ ہیر اس باغ کا سرو رواں اور گلِ سرسبد تھی۔

جیندے ہوٹھ نبات تے شکر پارے، گلاں وچ سواد مکھانیاں دا

اوس باغ دا سروسی ہیر جٹی شاہی باغ جو جھنگ مگھیانیاں دا

کہتے ہیں کہ وہ ہزار عورتوں میں کھڑی ہوتی تو بھی اس کا حسن نمایاں ہوتا۔ ع

گجھی رہے نہ ہیر ہزار وچوں

ہیر کا معمول تھا کہ وہ ہر روز اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں دریا کے کنارے جایا کرتی۔ ناؤ پر پلنگ بچھا رہتا اور اس پر پھولوں کی سیج سجی رہتی۔ ہیر کبھی پلنگ پر نیم دراز دریا کی سیر کیا کرتی اور کبھی دریا کے کنارے باغ میں پینگیں اور گدا ناچتی۔ اس کے حسن کا شہرہ دُور دُور تک پہنچ گیا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وہ اپنے روپ میں مست تھی اور کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔ غرورِ حسن کے ساتھ غرورِ تموّل بھی شامل تھا۔ تند مزاج ایسی تھی کہ جب اُس نے اپنے پلنگ پر ایک اجنبی کو دراز دیکھا تو لُڈن ملاح پر برس پڑی ہے

دس لُڈناں کالیا کدھناں نے کسے اساں دا پلنگ خراب کیتا

میری سیج تے کون سوالیا جے میرا کُجھ نہ ادب آداب کیتا

وہ رانجھے کو مارنے کے لئے آگے بڑھی۔ شوق و آرزو سے لرزتی ہوئی ایک نگاہ سے پیار کا وہ معجزہ رونما ہوا جس نے ہیر کے غرورِ حسن کو عاجزی میں، الھڑپنے کو سنجیدگی میں، تکبر کو دردمندی میں، شوخی کو حیرت میں، غصے کو پشیمانی میں اور تُند خوئی کو نرم روی میں بدل دیا۔ لاڈلے اور خوبصورت لوگ اوّل تو کسی سے پیار ہی نہیں کرتے لیکن پیار کریں تو دل و جان سے کرتے ہیں۔ کہ بھرپور پیار وہی کر سکتا ہے جس سے بھرپور پیار کیا گیا ہو۔ ان کے پیار کی کوئی حد و غایت نہیں ہوتی۔ اور ان کی سپردگی والہانہ ہوتی ہے۔ جولیٹ رومیو سے کہتی ہے :

میری بخشش سمندر کی طرح ناپیدا کنار ہے

میرا پیار سمندر ہی کی طرح گہرا ہے

میں جتنا تم سے پیار کرتی ہوں اتنا ہی وہ بڑھتا ہے۔

کیونکہ پیار کی نہ کوئی حد ہے نہ غایت ۔ "

حُسن کی دیوی وینیس اپنے محبوب ادونِس سے کہتی ہے :

" سر جھکائے کیوں بیٹھے ہو۔ سر اٹھا کر میری آنکھوں کی پتلیوں میں دیکھو۔

جہاں تمہارے حسن کا عکس پڑتا ہے۔

جب نگاہ سے نگاہ ملے تو ہونٹوں کو ہونٹوں سے مل جانا چاہیئے

وقت نہ گنواؤ، ان لمحات کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

کھلے ہوئے خوبصورت پھول چُن نہ لئے جائیں تو وہ جلد ہی مرجھا کر فنا ہو جاتے ہیں . . .

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میرے بوسوں سے تمہارا دم گھُٹ جائے گا لیکن تمہارے ہونٹوں کی پیاس بھڑک اٹھے گی۔ آرزو کی شدت سے کبھی تمہارے ہونٹ سرخ ہو جائیں گے اور کبھی پیلے پڑ جائیں گے میرے دس بوسے ایک بوسے کی طرح مختصر اور ایک بوسہ بیس بوسوں جتنا طویل ہوگا۔"

ہیر بناؤ سنگار کر کے رانجھے سے ملنے باغ میں جاتی ہے۔ ؎

ہیر آکھیا جائیکے کھول بُکل اوہدے دلیس نوں پھوک دکھاونی ہاں
اوہدے پیراں دی خاک ہے جان میری جیو جان تقیں گھول گھماونی ہاں
مویا پیا اے نال فراق جوگی عیسیٰ وانگ میں دیکھ جواونی ہاں
وارث شاہ پتنگ نوں شمع اُتے اگ لائیکے دیکھ جلاونی ہاں

پھر کہتی ہے ؎

آکے جوبنے اج بہار دتی جیویں بوٹا پانی تے جھگ دائی
کھُل کھُل جاندے بند چولڑی دے اج گلے میرے کوئی لگدا ئی

بیلے کے خارزار میں چاہنے والوں کو جنت عدن مل گئی۔ وہ شباب اور پیار کے ریلے میں بہہ گئے۔ تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ انھوں نے اپنی پیار کی دنیا سب سے الگ بسا لی جس میں سوائے محبوب کے کوئی بار نہیں پا سکتا۔ جس میں معاشرے کی رسموں اور پابندیوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جس میں حرص و غرض کے بجائے ایثارِ نفس کارفرما ہوتا ہے لیکن ایسے سماج میں جہاں ہر بات کو سود و زیاں کے پیمانے سے ناپا جاتا ہے جہاں حُسن و شباب بھی جنسِ بازاری بن جاتے ہیں جہاں ذاتی املاک کا تصور سچی محبت، خلوص، بے نفسی اور خود فراموشی کا استحصال کر دیتا ہے عُشاقِ صادق پر طرح طرح کی آفتیں نازل ہوتی ہیں وہ پیار سے سماج کی آہنی گرفت کو توڑ چھوڑ دیتے ہیں۔ جس کیلئے سماج اُنھیں کبھی معاف نہیں کرتا۔ سماج میں ننگ و ناموس کے نام پر ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے مرد عورتوں کو بالجبر بیاہ دیا جاتا ہے اور پیار کرنے والوں کی راہ میں سنگین دیواریں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔ ہیر کا نکاح ایک بڈھے کھوسٹ سے جابر

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے لیکن اسے اپنے منسوب و محبوب سے بیاہنا باعثِ ننگ و عار ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جونہی لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے کہ فلاں نوجوان اور لڑکی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو اُن کے خلاف ہر طرف نفرت اور غصّے کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور انھیں ایک دوسرے سے جدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس نفرت کی تہ میں ذاتی محرومی کا تلخ احساس کارفرما ہوتا ہے جو عُشّاق کے خلاف حسد اور جلن کی آگ بھڑکا دیتا ہے۔ مرد اپنے آپ سے کہتے ہیں کہ آخر اس لونڈے میں کیا خوبی ہے کہ ایسی خوشرو لڑکی اس سے پیار کرتی ہے۔ عورتیں سٹپٹا جاتی ہیں کہ ہم اس لڑکی سے زیادہ خوبصورت ہیں اس نگوڑی میں کون سے چار چاند لگے ہیں کہ ایسا وجیہہ نوجوان اس پر جان چھڑکتا ہے۔ ہر ایک یہی سمجھتا ہے کہ چاہنے والوں نے آپس میں پیار کر کے مجھے نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ جو مرد عورتیں بے کیف ازدواجی گذار رہے ہوتے ہیں انھیں یہ بات کھلتی ہے کہ چاہنے والوں کو پیار میں وہ خوشی کیوں میسّر آجائے جس کے لئے وہ عمر بھر ترستے رہے ہیں۔ سمون دی بووا[1] نے اس بات کی توجیہہ کی ہے کہ صدیوں کی غلامی سے عورتوں میں یہ احساس محکم ہو گیا ہے کہ انھیں اپنے آپ کو کسی مرد کے حوالے کرنے کا معاوضہ ملنا چاہیئے چاہے وہ شوہر عمر بھر کے لئے ادا کرے یا تماش بین ایک ساعت کے لئے۔ جب وہ دیکھتی ہیں کہ کوئی عورت محض پیار کی خاطر اپنے آپ کو کسی مرد کے سپرد کر دیتی ہے تو وہ سمجھتی ہیں کہ اُس نے ساری ملّتِ نسواں سے غدّاری کی ہے۔ اس طرح وہ تمام عورتوں کی قدر و قیمت گھٹا دینا چاہتی ہے لہٰذا گردن زدنی ہے۔ چنانچہ دوسرے عشاق صادق کی طرح ہیر اور رانجھے کو بھی پیار کا تاوان غم و الم، حسرت و ارمان، سرد آہوں اور گرم آنسوؤں کی صورت میں دینا پڑا۔ جب ہیر نے سُنا کہ کیدو کے اُکسانے پر اس کے ماں باپ اسے سیدے سے بیاہ رہے ہیں تو وہ غم سے نڈھال ہو گئی۔ کیا وہ اس صریح ظلم کے آگے جھک جائے گی۔ کئی دوسری عورتوں کی طرح اپنے ہاتھوں اپنے پیار کا گھونٹ دے گی اور ساری زندگی ایسے شخص کے بچے جننے میں بتا دے گی جس کے چھونے

---

[1] The Second Sex

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہی سے اسے گھن آتی ہے۔ یا وہ اس جبر کے خلاف اُٹھ کھڑی ہو گی۔ اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ ان حالات میں لاڈلے بچوں کی خودسری اور ہٹ دھرمی ثابت قدمی کی صورت اختیار کر لیتی ہیر نے اپنی ماں اور بھائی سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں رانجھے کو دغا نہیں دوں گی۔ یاد رہے کہ چوچک نے رانجھے سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ ایک معیّنہ مدت تک اس کے ڈھور ڈنگر چرائے گا تو ہیر اسے بیاہ دی جائے گی۔ ہیر اب تک اسی خیال میں مگن تھی کہ رانجھے سے میرا بیاہ طے ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ کھلّم کھلّا اس سے پیار کرتی تھی۔ لڑکیاں دل ہی دل میں اپنے ہونے والے دولہا سے — اگر وہ ان کی پسند کا ہو — پیار کرنے لگتی ہیں اور اسے اپنے خوابوں میں بسا لیتی ہیں۔ ہیر نے ماں کی سرزنش کا جواب تُرکی بہ تُرکی دیا۔ اس کے اندر وہ لاڈلی اور سرکش لڑکی جسے عشق نے عاجزی اور دردمندی کا سبق دیا تھا۔ پھر سے جاگ اُٹھی۔ اس نے ماں سے کہا ؎

رانجھے نال لے قول قرار پکّا تولوں پھراں تے ہوواں مَردُود بے نی
مینتاں رانجھے نوں چھیڑاں نہ مول مائے جچر جان وچ جسم موجود بے نی

ماں سے کہتی ہے مائیں تو بیٹیوں کی غم خوار ہوتی ہیں۔ ایک تم ہو کہ گولنی کی طرح بے رحم ہو ؎

کر کے نال ایمان اقرار پہلے نیت بدل کے ہُن کیوں ڈولنی ایں
ماواں دھیاں دیاں ہوندیاں درد خواہاں اِک توں بیدرد گولنی ایں

ہیر تڑپتی رہ گئی اور کھیڑوں کی بارات باجوں گاجوں کے ساتھ آن پہنچی۔ ایسے موقعوں پر ہارے دیہات میں نوجوان اپنی محبوبہ کو بھگا لے جاتا ہے۔ ہیر نے رانجھے سے کہا بھی کہ آؤ دونوں تخت ہزارے بھاگ جائیں۔ مجھے رسوائی کی پروا نہیں۔ میں غم کے مارے ساری رات نہیں سو سکی اور میری حالت اس کونج جیسی ہے جسے باز کے حوالے کیا جا رہا ہو۔ ؎

باز مٹھ دوالڑے کونج شوہدی سانوں شرم دی ماپیاں پائی پھاہی
میرا وس نہ چلدا مول ایتھے جنج بوہے بیٹھی بنج گئی وائی
تیری جان دی اساں نوں قسم بیبا مینوں رات نوں مول نہ نیند آئی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چل اُٹھ ہزارے نوں نس جائیے بھانویں جگ ڈیو دج ہووے رسوائی

رانجھا نہ مانا۔ لیکن آخری تدبیر ابھی باقی تھی۔ ہیر جانتی تھی کہ جب تک اپنی رضا مندی کا اظہار نہ کرے۔ شرع کی رو سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ جب قاضی ایجاب و قبول کے لئے آیا تو اس نے نکاح سے صاف انکار کر دیا۔ لیکن قاضی نے چوچک سے مل کر اس کی رضا مندی کے بغیر نکاح پڑھ دیا اور عورتوں نے دھکیل کر اسے پالکی میں بٹھا دیا۔ اس مجبوری کے عالم میں بھی ہیر کے عزم و استقلال میں فرق نہ آیا۔ اس نے اپنے آپ سے عہد کیا کہ سسرال والوں کو جی بھر کے رسوا کروں گی اور سیدے کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دوں گی۔ ؎

نال ساہوریاں اساں اجوڑ کر کے گل گل اندر او ہناں بھنڈ نائیں

میلی نظر تکے جیکر میاں سیدا د ہنگ دا تری او سنوں چھنڈ نائیں

یہی عہد رانجھے سے بھی کیا ؎

مینوں بابلے دی قسم رانجھیا وے مرے ماں جے تدھ تھیں مکھ موڑاں

تیرے باجھ طعام حرام مینوں تدھ باجھ نہ نیں نہ انگ جوڑاں

ایسی مجبوری کی حالت میں عام طور سے عورتیں راضی برضا ہو کر صبر کر لیتی ہیں لیکن ہیر تو ہیر ہی تھی اس نے اپنی کشمکش جاری رکھی۔ اس نے سسرال سے رانجھے کو کہلا بھیجا کہ جوگی کا بھیس بدل کر آؤ اور مجھ سے ملو۔ جب رانجھا رنگ پور پہنچ گیا تو سہتی سے مل کر سازش کی اور رانجھے کے ساتھ بھاگ گئی۔

ہیر، وارث شاہ کا سب سے جاندار کردار ہے۔ وہ شروع سے آخر تک داستان پر چھائی گئی ہے۔ وہ دوسرے رومانی نسوانی کرداروں سوہنی، اردسی، کوراں، سسی، دمینتی وغیرہ سے مختلف ہے۔ بے شک یہ سب ایثار و عطا کی پتلیاں تھیں لیکن ہیر کے کردار میں جو شکوہ، دبدبہ اور طنطنہ ہے وہ ان میں دکھائی نہیں دیتا۔ ہیر بڑی سے بڑی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتی اور نا مساعد حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے۔ اس میں دیس پنجاب کی دیہاتی عورت کی سمجھ بوجھ اور ہوش مندی ہے۔ جو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

صرف بھوری مٹی سے وابستہ رہنے والوں کو میسّر آتی ہے۔ اس کی ہوشمندی کا ایک دلچسپ ثبوت اس وقت ملتا ہے۔ جب وہ پیار دلاسے سے اپنی رُوٹھی ہوئی نند سہتی کو منا لیتی ہے اور اُسے سازش میں شریک کر لیتی ہے۔ سہتی جیسی اُلٹی کھوپڑی اور بے ڈھب عورت کو منانے کے لئے ہیر کہتی ہے ؎

ہیر دھیر کر کے آئی کول سہتی مُونہوں آکھدی میری اُپتّے نی
مونھ جوڑ کے اوسدے نال مُونھ ڈے کرے گل اک گھِن کے پیتّے نی
نال بہت پیار دے موہ کے تے آکھے سائیں پیار دیئے بھیتّے نی
مہربان ہو کے چیت نرم کر کے ساڈے نال توں پا بھریتّے نی

ہیر کی ٹھوس حقیقت پسندی اس وقت آشکار ہوتی ہے جب وہ سہتی سے کہتی ہے کہ حسن و جوانی چار دن کے مہمان ہیں۔ کیوں نہ میں اور تم مل کر اپنے اپنے دوستوں کے وصال سے شاد کام ہوں۔ کب تک فراق کی آگ میں جلتے رہیں گے۔ ؎

ایہہ جوبنا ٹھگ بازار دیائی سر کے محبوب دے تھیتّے نی
کاہنوں پیاں ترسایئے سجناں نوں کاہنوں آپ وچ ہجر تڑپیّے نی
کر کے کوششاں سجناں نال ملئے جڑ ہجر فراق دی کپیّے نی
مل کے سجناں نال نجات پایئے ایویں کاسنوں پئے کلپیّے نی

وہ شیرنی کی طرح دلیر اور بے باک ہے۔ جب کیدو رانجھے کو دھوکا دے کر چوری لے جاتا ہے تو وہ اس سے چوری چھین لینے کے لئے جھپٹ کر آتی ہے ؎

ملی راہ وچ دوڑ کے جا ڈھی پہلے نال فریب دے چھٹیا سُو
نیڑے آن کے شیہنی وانگ گجی اکھیں روہ دا نیر پلٹیا سُو

جب اس کے پیار کا راز فاش ہو گیا اور لوگ طعنے دینے لگے تو ہیر نے بے باکی سے کہا ؎

خلقت جگ اُلاہنڑے بہت دیسی نہیں احمقاں تھیں بھلا مُول مُڑنا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دینا جان کے بیس وچ اوکھلی دے اتے دھمکاں توں پھر کیہا ڈرناں

جاہل عاشقاں نوں ایویں دین طعنے جیویں کلب کملے لگے مگر ہرناں

وارث شاہ اک رب دی مہر باجھوں ناہیں عاشقاں آسرا ہور پرناں

ہیر مہر و وفا کی پتلی ہے اس کا عشق سرزمینِ پنجاب میں ضرب المثل بن چکا ہے بقول وارث شاہ

عشق سیالاں دی زمین دے وچ اگیا افضل عشق سب بھتیں جتی ہیر دائی

وہ سراپا اخلاص ہے۔ محبت کی خاطر سب کچھ قربان کر دیتی ہے۔ وہ بڑی بے رحمی سے سماج کی ریاکاری کا پردہ چاک کرتی ہے اور کٹھ ملاؤں کی دکان آرائی کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑتی ہے۔ نام و ناموس کے بتوں کو پاش پاش کر دیتی ہے اور ثابت کر دکھاتی ہے کہ نیکی سماج کے جامد رسم و رواج کی پابندی سے حاصل نہیں ہوتی خلوص اور پیار سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے خیال میں جو شخص سچا پیار کرتا ہے وہ کوئی برائی کر ہی نہیں سکتا۔ عشق انسان کے ذہن و قلب سے خود غرضی کی پھپھوندی کو دور کرکے اسے سچی مسرت سے ہمکنار کرتا ہے۔ ہیر دیس پنجاب کی انٹی گونی ہے۔ انٹی گونی شاہ ایڈیپس[۱] کی بیٹی تھی۔ جس نے اپنے نابینا باپ کا آخر تک ساتھ دیا تھا۔ جب کریون نے تھیبس فتح کرکے انٹی گونی کے بھائی پولی نیسس کو قتل کر دیا تو یہ حکم دیا کہ پولی نیسس کی لاش گھورے پر ڈال دی جائے اور کوئی اسے دفن نہ کرنے پائے جو ایسا کرے گا موت کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ انٹی گونی نے اس جابرانہ حکم کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے بھائی کی لاش بڑے احترام سے دفن کی۔ اس جرم کی پاداش میں اسے دیوار میں زندہ چنوا دیا گیا۔ اس وقت سے انٹی گونی عورت کی بغاوت کی علامت بن گئی ہے۔ کیونکہ اس نے جان پر کھیل کر مرد کی غلامی کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا تھا۔ ہیر کا کردار انٹی گونی کی طرح جدید عورت کے لئے تحریک و فیضان کا باعث بنتا رہے گا۔ بیسویں صدی کی جو عورتیں مرد کی غلامی سے نجات پانے کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں ہیر ان کی پیش رو ہے۔ وہ برملا کہتی ہے کہ مجھے بھی خوش رہنے کا حق حاصل ہے اپنی پسند کے مرد سے پیار کرنے

---

۱ شاہ ایڈیپس از سوفوکلیز

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا حق حاصل ہے۔ اپنے محبوب سے فیض یاب ہونے کا حق حاصل ہے۔ ہیر کا کردار جدید عورت کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ جب عورت اپنا کھویا ہوا مقام پا لے گی، اس وقت ہیر کے کردار کی اصل عظمت آشکار ہو گی۔

رانجھا : دھیدو عرف رانجھا اپنے باپ چوہدری موجو کا محبوب بیٹا تھا۔ جس کے باعث رانجھے کے بھائی اس سے نفرت کرتے تھے اور اسے ایذا پہنچانے کے درپے تھے۔ ؎

باپ کرے پیار تے ویر بھائی ڈر باپ دے بتیں پئے سنگدے نیں
بھنے مار کے گجھڑے سپ وانگوں اوہدے کالجے نوں پئے ڈنگدے نیں
کائی گل جے کرے ہیے وچ بھائیاں اوہدی گل نوں چا الٹگدے نیں
پا تیوڑیاں متھے تے گل کردے بولن بول اولڑے جنگدے نیں

لاڈلے نوجوانوں کی طرح رانجھا بھی کھیتی باڑی کے کام سے جی چراتا تھا۔ سر کے پٹے مکھن سے چپڑ کر ریشمیں چیرا باندھے گلی کوچوں کے چکر لگایا کرتا تھا یا درختوں کے نیچے بیٹھ کر ونجھلی بجایا کرتا۔

باپ کے مرنے کے بعد اس کے بھائیوں اور بھابیوں کی زبانیں کھل گئیں۔ بھابی نے کہا ؎

اٹھکھیلیا اہلی دیوانیا وے تھکاں موہڈیاں دے اتوں سٹنا ئیں
چیرا ہتھ کے بھنڑے وال چوپڑ وچ ترنجناں پھیریاں گھتنا ئیں

بھائی بولا ؎

منہ چنڈ جو آرسی نال ویکھیں تیہاں ڈھنگ کیا ہل واہنائی
ہنڈا پال کے چوپڑے پٹے جنہاں کسے رن کی اوسنوں چا ہنائی

کہتا ہے جو مرد تن آسان ہو اور ہر وقت اپنے سنگار میں کھویا رہے عورتیں اس سے پیار نہیں کرتیں۔ یہ اس کی بھول تھی نوخیز لڑکیاں رانجھے جیسے چھیلے البیلوں پر مرتی ہیں۔ جیسا کہ رانجھے کی بھابی کو معلوم تھا۔ ؎

لسکندڑا دیہڑیاں وچ پھردا رناں ہنڈ دیاں تدھ بھرمایاں نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سانوں چھیڑیا، کہتے نہ بہن جوگا لیکاں تریج کے اساں نوں لایاں نے

بھابی نے طنزاً کہا کہ بیکار رہنے اور چنگا چوکھا کھانے سے رانجھا مستی کا شکار ہو گیا تھا ؎

کریں آکڑاں کھائیکے دُدھ چاول ایہہ رجّ کے کھانے دیاں مستیاں نے
جھڑے آکڑے بکرے وانگ بوہو اوڑک دیکھیاں اُنھاں نے پستیاں نے

ایک بھائی نے کہا ؎

ویرے میٹھ واڑ گذار دیندا اساں واہی وسے وچ ایہہ بھاہنا ئی
گلیاں ویہڑیاں دیوچ لٹے بھوندا جیویں پھرے کوئی جیکلی راہنائی

رانجھا نہایت خوبصورت جوان تھا اور غالباً اسی لئے اپنے بھائیوں کا محسود تھا۔ اپنی خوبصورتی کے باعث جہاں بھی جاتا عورتیں اس پر لوٹ ہو جاتیں۔ رنگ پور کی عورتوں نے اسے دیکھا تو بے اختیار کہنے لگیں ؎

سوہنا چھیل گلاب معشوق نڈھا را جیوت تے سگھڑ سجان ہے نی
دھن ماں سُہاگن نے جنیاں کوئی حسن خزانے دی کان ہے نی

ایک بولی ؎

خونی بانکیاں نیتے دے نال بھریاں اکھیں کھیویاں سانگ چڑھایاں نے
جنھاں سوہندیاں چھیل اس نڈھڑے نوں جیویں چند اُتے گھٹاں چھایاں نے

جو کوئی اسے دیکھتا اسے یقین ہو جاتا کہ یہ کسی سردار کا بیٹا ہے۔ ؎

سوہنا خوبصورت کوئی چھیل نڈھا پیا جاپدا پُت سردار ہیرے
اگے نہیں ڈٹھا ایہدے وانگ جوگی نرم طبع تے نرم گفتار ہیرے

اور تو اور بالناتھ بھی اس کا حسن و جمال دیکھ کر حیران رہ گیا اور غالباً اسی لئے رانجھے کو سب سے پہلے جوگ دے دیا۔ سچ ہے کہ حسن خاموش سفارش ہوتا ہے ؎

ناتھ ویکھ کے بہت ملوک چنچل اہل طبع تے چوکھڑا چھیل منڈا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کوئی حسن دی کان اشناک سُندر حاکم جا پڑائی قلعہ گو لکنڈا

لُڈن ملاح کی عورتیں رانجھے کے پاؤں دابنے لگیں اور لُڈن افسوس کرنے لگا کہ میں نے اسے پار کیوں نہیں اتارا یہ تو میری عورتوں کو بہکائے گا۔ ؎

لُڈن ناہ لنگھایا پار اُسنوں اس ویڑے نوں پچھوں تاوندائی
یارو جھوٹھ نکرے خدا سچّا رناں میریاں ایہہ کھسکاوندائی

یہ بگڑا ہوا لاڈلا نوجوان بھائیوں بھابیوں کے طعنے سُن سُن کر گھر سے بیزار ہو گیا۔ ایک دن بھابی کو کھری کھری سنائیں اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ ؎

منہ بُرا دسیندڑا بھابیے نی ڈِیلا اکھ دا پئی بھگارنی ایں
جھوٹی بوُمسری وانگ اڑاکے تے ناساں ٹڈکے نک اُبھارنی ایں

رات مسجد میں گذاری تو وہاں کے مُلّا سے جھڑپ ہو گئی۔ رانجھا اسے کہنے لگا۔ ؎

داہڑی شیخ دی عمل شیطان والے کیہا راہیو راہیاں جاندیاں نوں
چہرہ نوری تے منہ محراب میاں کیوں بولیوں کفر اگاہیاں نوں

ان باتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ ہیر سے ملنے سے پہلے رانجھا ایک خودسر نوجوان تھا اور کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ عورتوں کا دل موہ لینے میں طاق تھا۔ جب بھابی نے طعنہ دیا کہ ایسے ہی چھیلے بنتے ہو تو ہیر سیال بیاہ لاؤ، تو وہ نہایت اعتماد کے ساتھ جھنگ کی طرف روانہ ہوا۔ اسے اپنی مردانہ کشش پر پورا بھروسہ تھا۔ جب ہیر سے اس کا آمنا سامنا ہوا تو وہ اس کے حُسن کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا اور اسے دل دے بیٹھا۔ لیکن یہ شکست فتح کا پیش خیمہ تھی۔ یہ معلوم کرکے اسے چنداں حیرت نہیں ہوئی کہ ہیر بھی اس پر فریفتہ ہو گئی ہے۔

رانجھے کی زندگی کا دوسرا اہم مرحلہ وہ ہے جب وہ چوچک کے ڈھور ڈنگر چرانے پر مامور ہوا۔ پنجاب کے دیہات میں ایسے چاک یا چاکر کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ عام طور سے وہ لوگ دوسروں کے ڈھور ڈنگر چراتے ہیں جو قلاش ہوتے ہیں اور جن کی املاک نہیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوتی۔ ایک معزز چوہدری کے بیٹے کے لئے کسی کے گھر چاکر بن کر رہنا باعث ننگ و عار سمجھا جاتا ہے۔ رانجھے کی ذاتی سیر حاصل املاک تھی۔ جسے اس نے محض تن آسانی کے باعث چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ ہیر کی خاطر ڈھور چرانے لگا۔ ملکی اور کیدو اس کا ذکر نہایت حقارت سے کرتے ہیں۔ اور یہ بات ہیر کی رسوائی کا باعث بن جاتی ہے کہ وہ ایک چاکر سے پیار کرتی ہے اور اس سے ملنے بیلے کو جاتی ہے۔ ؎

فتنہ ہوئی ایہہ گل وچ شہر سارے ہیر دوستی چاک دے نال لائی

بیلے جاوندی یار ہنڈھاوندے نوں جگوں شرم حیا نہ کرے کائی ،

چنانچہ رانجھا شدید احساس کمتری کا شکار ہوگیا۔ اس احساس نے اس کی حوصلہ مندی اور بے باکی کو سلب کرلیا۔ ہر طرف سے طعنوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی اور ہر کوئی اسے حقیر و ذلیل سمجھنے لگا۔ کیدو کے اکسانے پر چوچک نے ہیر کی منگنی سیدے کھیڑے سے کر دی تو ہیر نے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ لیکن رانجھے نے چوچک سے کہا تو یہی کہا کہ تم نے ہیر کا لالچ دے کر مجھ سے خدمت کروائی ہے۔ ہیر تو تیرے گھر ہی رہی اور مجھ سے مفت کی بیگار لی۔ جیسے بنیا سُود لیتا رہتا ہے اور اس کا اصل زر بحال رہتا ہے۔ ؎

دُہی کھتری دی رہی کھتری نے تے ڈُدھ گیا لیکھا کاڑ کاڑ میاں

تیری دھی رہی تیرے گھر بیٹھی جھاڑا مفت دا لیائی جھاڑ میاں

طمع ہیر دا دیکے ٹھگیوئی پچھوں بھنیوں خوب مُہتاڑ میاں

مینوں آکھدا سئیں گھر بار تیرا دیکھیں اج نہ اکھڑ اُکھاڑ میاں

لیکن اس قسم کی دلیلیں تو وہی دیتے ہیں جو کمزور اور کوتاہ ہمت ہوں۔ پنجاب کے دیہات کا دستور ہے کہ اگر کسی کی منگیتر کوئی دوسرا بیاہ کرلے جائے تو غیور و جسور جاٹ جان پر کھیل جاتے ہیں مارتے ہیں اور مرجاتے ہیں عیالی نے رانجھے کو یہی طعنہ دیا تھا کہ تمہاری منگیتر دوسرے بیاہ کر لے گئے اور تم چپ چاپ تماشا دیکھتے رہے تم میں غیرت ہوتی تو ڈوب مرتے یا ہیر کو بھگا لے جاتا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تھا یا اس کے دروازے پر لڑ مرنا تھا۔ یہ بوجھ تمہاری سکت سے زیادہ تھا تو اٹھایا کیوں تھا۔ ہیر کو جان سے مار دیتے یا خود مر جاتے۔ تمہاری منگیتر سیدا کھیڑا بیاہ کر لے گیا۔ اس کے بعد تجھے پنچایت کے سامنے اپنی ڈاڑھی منڈوا دینی چاہیے تھی۔

ہُن ہیر گوائیکے ہیریا او پیا رونائیں اسرائیل وانگوں
ایس غیرتوں سجے کدے ڈُب مرّوں نک ڈوب کے مرد اصیل وانگوں

پھر کہتا ہے ؎

لیکے ہیر نائیں کتے تُبھ جاندوں ایڈی، دُھم کی مُورکھا پاؤنی سی
مر جاونا سی دریار دے تے مُڈھوں سمجھ کے پنڈا ایہہ چاونی سی
اِکّے ہیر ای مار مکاؤنی سی اِکّے اپنی جان گواؤنی سی
وارث شاہ جاں منگ لے گئے کھیڑے داڑھی پر ہے دیوچ مُناونی سی

رانجھا اصیل تھا لیکن چاکری کی ذلت نے اسے غیرت اور مردانگی سے عاری کر دیا تھا۔ ہیر کا بیاہ سیدے سے رچایا گیا تو اس نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ ایسا ہوتا ہی آیا ہے۔ طاقتور کمزوروں کے رشتے چھین لیتے ہیں۔ بے بسی میں مُردہ سانپ کی طرح اندر ہی اندر وِس گھولتے رہتے ہیں اور اسی کشش و پنج میں رہتے ہیں کہ ماریں یا مر جائیں۔ ؎

ساک ماڑیاں دے ڈاہڈے کھوہ لیندے آن بُجدے مُنہ نہ کھولدے نے
وِس چلے نہ مول نتانیاں دا موئے سپ وانگوں وِس گھولدے نے
کدی آکھدے ماریئے آپ مریئے پئے اندروں باہروں ڈولدے نے
گُٹ ماڑیاں دے سبھے ربّ وِچ ماڑے ماڑیاں تے دُکھ پھولدے نے

رانجھا گومگو کے عالم میں رہا اور ہیملٹ کی طرح کوئی راہِ عمل متعین نہ کر سکا۔ اس کے اندر کا غیّور جاٹ بار بار اسے کہتا رہا کہ مارو یا مر جاؤ۔ لیکن جب اس نے اپنے آپ کو ماڑا اور نتانا تسلیم کر لیا تو اقدام کی جرأت و مبادرت کہاں سے آتی۔ شادی کے موقع پر ہیر پر احسان دھرتے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہنے لگا کہ تیرے پیار کی خاطر میں نے سب مصائب برداشت کئے ہیں اور لوگوں کے طعنے سنے ہیں ۔

بُچھے مجھیں دے رات دن پھر دیاں دے پیراں نازکاں دیوچ پے چھالے
میری جان تے جگر نوں ڈنگ گئے تیرے زہر والے گیسو ناگ کالے
سڑکے عشق دی اگ وچ بھسم ہویا اجے برہوں الّنبڑے ہتھ بالے
وارث لا کے نیہوں حیران ہویا لگدے طعنیاں دے سانوں تیر بھالے

ہیر نے رانجھے سے کہا آؤ بھاگ چلیں لیکن رانجھے نے سُنی اَن سُنی کر دی اور عورتوں کی طرح اُلٹا طعنے مہنے دینے لگا ۔

جے کر پیار دی چاہ نہ ہوئے اندر اویں کاسنوں کھوہے نوں گیڑئیے نی
ثابت ہوئیے عشق تے قائم رہیئے دامن ناہ آلودا لبیڑئیے نی
جیتاں منتروں کیلناں نہ آوے ستے ناگ نہ مول دریڑئیے نی
وارث شاہ پیاس نہ ہوئے اندر شیشے شربتاں دے ناہیں چھیڑئیے نی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

کوتاہ ہمت لوگوں کا شیوہ ہے کہ وہ اپنے قصور کا الزام دوسروں پر دھرتے ہیں۔ ہیر کی ثابت قدمی اور پاس وفا کا یہ عالم ہے کہ وہ ماں باپ کی عزت و حرمت کو بالائے طاق رکھ کر اس کے ساتھ بھاگ جانے کو تیار ہے اور رانجھے کو اسے لے جانے کی جرأت نہیں ہوتی۔ متردد خود ہے اور طعنہ ہیر کو دیتا ہے کہ ثابت قدم نہیں رہنا تھا تو پیار کیوں کیا تھا اور ہیر ہی کو الزام دیتا ہے کہ میں نے تیرے لئے چاکری کی لیکن تو میری پروا نہیں کرتی اور سیدے جیسے بڈھے کھوسٹ کے ساتھ سر جوڑ لیا ہے ۔

خاطر تے نہ اساں نوں اج لیاویں ہوئے چاک بھی بدل کے بھیس اڈیئے
بڈھے کھیڑے دے نال سر جوڑیائی ہو کے بالڑی عمر دریس اڈیئے

یہ زیادتی ہے۔ ہیر نے تو نکاح سے انکار کر دیا تھا اور قاضی جی نے جھوٹ موٹ کا نکاح

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پڑھ دیا تھا۔

سسرال جانے کے بعد ہیر نے رانجھے کو پیغام بھیجا کہ جوگی کا بھیس بدل کر آؤ اور مجھ سے ملو۔ یہ سنتے ہی رانجھا ٹلہ جوگیاں کی طرف چل پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہیر اسے قدم قدم پر سہارا دیتی رہی ہیر نے بلا بھیجا تو وہ ہر قربانی دینے پر مستعد ہو گیا۔ جوگ کی تیاری کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

کنگھی وانگ ہن چیر کے آپ تائیں ذرا زلف محبوب دی واہ لئیے
اُگے جھنگ سیالاں دا سیر کیتا جھوک کھیڑیاں وَل جھکا لئیے

ایک چھیل چھبیلے کے لئے اس سے بڑی قربانی کیا ہو سکتی تھی کہ بالائی سے پالے ہوئے پٹے منڈوا دیتا اور کانوں سے سونے کے بندے اتار کر انھیں مندریں ڈالنے کے لئے پھڑوا دیتا۔ ؎

پٹے وال ملایاں دے نال پالے وقت آیا سو رگڑ منا دتے دا
بندے سونے دے لاکے چا چڑھیا کن پاڑ کے مندراں پا دتے دا

اب وہ آزاد تھا، چاکری کی ذلت سے آزاد۔ چاکری سے آزادی ملی تو اس پر اپنی ذات کا انکشاف ہوا۔ اس کی حوصلہ مندی، جرأت اور شجاعت عود کر آئی۔ اب وہ چاکر اور ماڑا نہیں تھا جس کی منگیتر کھیڑے بیاہ کر لے گئے تھے اور وہ چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا تھا۔ اب ایک مردِ آزاد تھا۔ جس نے اپنی محبوبہ کو حاصل کرنے کا عزم کر لیا تھا۔ اب دوبارہ اسکو اپنے چودھری ہونے کا احساس ہونے لگا۔ جب گرو بالناتھ نے اسے کہا کہ دیکھو کبھی جوان عورت کی طرف نگاہ نہ کرنا اور عورت ذات سے بچ کر رہنا تو رانجھا بولا مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تو مجھے پیار کرنے سے منع کرے گا تو میں تخت ہزارے کا چودھری ہو کر کان کیوں پھڑواتا اور بدن پر بھبوت کیوں ملتا ؎

جے میں جاندا عشق تھیں منع کرنا تیرے ٹلے تے دھار نہ دھار دا ئیں
کاہنوں کن پڑوا کے سواہ ملدا ہو کے چودھری تخت ہزار دا ئیں

اس کے ساتھ اس کے آغازِ شباب کا لاابالیانہ پن بھی بحال ہو گیا اور اس نے گرو سے صاف صاف کہہ دیا کہ ناتھ جی! آپ کی یہ نصیحت تو میرے جی کو نہیں لگی کہ عورت کے قریب

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہ پھٹکتا ہے

تیری بند پسند نہ اساں ناتھا رکھ اندرے ہی بھاری ٹھوکری نوں
تیری مت دی اساں نہ لوڑکائی کا نوں اگریں پیا پھٹوکری نوں
اساں بدھی توں ماں ای جانناں ای رن جانسائی چھوٹی چھوکری نوں
جھجے نفرآ دے کوئی رن موٹی ناہیں چھڈناں کلیاں ٹھوکری نوں

یہ سن کر بالناتھ افسوس کرنے لگا کہ میں نے کیسے غلط آدمی کو جوگ دے دیا اور رانجھے سے کہنے لگا تم نے مجھے دھوکا دیا ہے ؎

پچھوں تاونیاں ہاں کیتی مورکھی توں لکھتیں ہتھ نہ آوندا اوہ ویلا
کتنیں الیسدے منددراں پا بیٹھا ہویا ٹھگ دا آن کے ایہہ میلا

رانجھا کہتا ہے کہ یہ جاٹ بڑے مکار ہوتے ہیں اور غرض براری کے لئے مکر و فریب سے کام لیتے ہیں۔ ہٹ کے بھی کچے ہوتے ہیں۔ اب میں سیدھا رنگ پور جاؤں گا اور سیالوں اور کھیڑوں کی ناک استرے سے رگڑ کر کاٹوں گا ؎

اسیں جٹ ہاں مطلبی یار پورے داؤ ڈھنگ کر کے ویلا کڈھناں ای
بھاویں جان دا پیا نقصان ہووے ہٹ ڈلے دا مول نہ چھڈناں ای
گرو پیر تے رب دا ناں لیکے جھنڈا جا وچ رنگ پور گڈناں ای
وارث نک سیالاں تے کھیڑیاں دا لیکے استرا گھر کے وڈھناں ای

اور جب وہ ٹیلے سے نیچے اترا تو اس کے سینے میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی ؎

جویں سید بے نے ساڈیاں لباں لیاں سر اوسدا تویں میں مونڈناں ای
جویں کھیتیاں اُجیاں لین لا پر تویں سہتی دی گت مروڑناں ای

اپنے مقصد کے حصول کے لئے وہ ہر قسم کا مکر و فریب کرنے کی تیاری کرتا ہے اور جھوٹ موٹ کا وہ بن بیٹھتا ہے ؎

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رانجھے تڑدیاں ہویاں تجویز کیتی کوئی ہور فریب بنائیے جی

ہٹ بُوٹیاں جتّے دیاں پا ٹنگلی وِچ رکھ کے چانگلا ئیے جی

وِرس یار سیاپے دا دکھنے نوں دیداں جوگیاں دا ویس لائیے جی

وارث یار دا تدوں دیدار پائیے جدوں اپنا آپ گولئیے جی

یہ جوگی وہ رانجھا نہیں تھا جسے چاکری نے کم ہمت اور بزدل بنا دیا تھا۔ یہ وہ رانجھا تھا جو پورے اعتماد کے ساتھ ہیر کو بیاہ لانے کے لئے گھر سے روانہ ہوا تھا۔ رنگ پور پہنچ کر اس نے سہتی اور ساتھیل باندی کی خوب کندی کی۔ جب ہیر سانپ کے ڈسنے کا بہانہ کر کے بیمار ہوئی اور سیدا جوگی کو علاج کے لئے بلانے باغ میں گیا تو رانجھے نے مار مار کر اس کا بُھرکس نکال دیا۔ ہیر اور سہتی نے ایک ساتھ بھاگ جانے کا منصوبہ بنایا تو اب کے رانجھا متردد نہیں تھا بلکہ نہایت دیدہ دلیری سے اُسے لے بھاگا۔

رانجھے کے کردار کے مطالعے سے وارث شاہ کی نفسیاتی ژرف نگاہی کا ثبوت ملتا ہے۔ ہر عظیم شاعر اور تمثیل نگار کی طرح وارث شاہ بھی فطرتِ انسانی کے رمز شناس ہیں اور انسانی کردار پر جذباتی مجبوریوں اور خارجی ماحول کے اثرات کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔

کیدو: کیدو ہیر وارث شاہ کا وِلن ہے۔ وِلن کا کام بالعموم یہ ہوتا ہے کہ وہ دو چاہنے والوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے انھیں جُدا کر دیتا ہے۔ بعض اوقات اس کا کردار اُس ناکام عاشق کا ہوتا ہے جو کسی حسینہ کی محبت کو جیتنے میں ناکام رہتا ہے اور اِس کا انتقام اُس شخص سے لیتا ہے جس سے وہ پیار کرتی ہے۔ اُس کا پیار نفرت میں اور خلوص کینے میں بدل جاتا ہے۔ وِلن کی ایک قسم زیادہ خبیث ہوتی ہے۔ یہ لوگ ایک دوسرے کو محبت کرتے دیکھ کر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ان سے خدا واسطے کا بَیر رکھتے ہیں اور ان میں کھنڈت ڈال کر منفی تسکین محسوس کرتے ہیں۔ انسانی فطرت کا یہ پہلو عجیب و غریب ہے کہ بعض لوگ جنھیں خوشی میسر نہیں آسکتی۔ وہ اُن لوگوں کو ناخوش کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ جو مسرت سے بہرہ وَر ہیں گویا وہ دوسروں کو خوشی سے محروم کر کے ہی خوش رہ سکتے ہیں۔ ان کا حسد شکسپئیر کے مشہور وِلن ایاگو کے بقول:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"وہ سبز چشم عفریت ہے جو اپنے شکار کو نگلتے وقت اس کا مذاق بھی اُڑاتا ہے۔"

اس حسد کی تہ میں ذاتی محرومی کا تلخ احساس کارفرما ہوتا ہے۔ سی ای ایم جوڈ نے کہا ہے:

"وہ مرد جو کوتاہ ہمتی کے باعث جنسی حظوظ سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتے اور وہ عورتیں جو بدصورتی کے باعث کسی مرد کے لئے کشش کا سامان نہیں رکھتیں ان لوگوں کو بُرا بھلا کہنے میں پیش پیش ہوتے ہیں جو زیادہ باہمت اور زیادہ خوبصورت ہونے کے سبب حظ اندوز ہوتے ہیں۔"

کیدو اسی دوسری قسم کا ولن ہے۔ وہ ایک بدصورت لنگڑا ہے۔ پنجابی دیہات کی ایک کہاوت ہے۔ "کانڑے تے لنگے دی اک رگ ودھ ہوندی اے"۔ اسی لئے وہ ہمیشہ شرارت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ وارث شاہ کیدو کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

وارث شاہ میاں ویکھ ٹنگ لنگی شیطان دی کلا جگاوندی اے

چالاں بھیڑیاں تیریاں لنگیا او محل چاڑھ کے پوڑیاں چھپاوناں میں

جس شخص میں کوئی ظاہری جسمانی نقص ہوتا ہے وہ شدید احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور نارمل آدمی کی طرح امن و عافیت سے زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس کی کوشش دوگونہ ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ لوگوں کی توجہ اپنے جسمانی نقص کی طرف سے ہٹائے اور دوسرے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جائے۔ یہ عذابِ دوگونہ اس کے اندرون میں نفسیاتی کشمکش کا باعث ہوتا ہے جو اُسے ساری دنیا کے خلاف برسرِ پیکار ہونے پر آمادہ کرتی ہے۔ مثلاً جب کوئی کانا یا لنگڑا شرارت کرتا ہے تو لوگ اس کی شرارت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے اس کے کانے پن کو بھول جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بدصورتی کے سبب وہ جس کشش سے محروم ہوتا ہے اسے جذب کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وارث شاہ نے کیدو کی کردار نگاری میں گہری نفسیاتی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ کیدو اپنے جسمانی نقص کا انتقام دوسروں سے لیتا ہے۔ اپنی محرومی کے باعث جب وہ کسی

ے اخلاق کا مستقبل۔

لے لائق کی فارسی مثنوی "ہیر رانجھا" میں کیدو کو بجا طور پر "بلائے لیلیا" کہا گیا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کو پیار کرتے دیکھتا ہے تو حسد اور رشک سے جل بھن کر کباب ہو جاتا ہے۔ احساسِ کمتری نے اس کے جذبۂ حسد میں زہرناک تلخی پیدا کر دی ہے اور لوگوں کی جذبِ توجہ کے لئے وُہ ہمہ وقت شرارت پر آمادہ رہتا ہے۔ پوچاک کے بقول وہ چوروں اُچکوں کا ساتھی ہے۔ فتنہ پرداز ہے۔ لگائی بجھائی اور اشتعال انگیزی کا ماہر ہے۔ ؎

چوچاک آکھیا لنگیا! جاہ ایتھوں تینوں ول ہے جھگڑیاں جھیڑیاں دا
سرِھار ہیں چوراں اُچکیاں دا سوہا جیٹھا ہیں سا ہویاں بیڑیاں دا
تیرے وسب نے سب معلوم سانوں لتھڑ وڈ ایں لگ لبیڑیاں دا
آپے چور تے آپ ہی بنے کھوجی مال تاڑناں دور تے نیڑیاں دا
تینوں صلح سلوک دا ول ناہیں ول آوندا دکھ نکھیڑیاں دا
بدھا گیڑ دا کل جہان کھوہا تینوں ول ہے اُلٹیاں گیڑیاں دا
ہیں عقل تینوں یاتا سیونے دی جانے ول توں خوب اُدھیڑیاں دا
کا ہنوں کھوجیاں نال کنواریاں دے پایو مزہ ہے ودساں توں چھیڑیاں دا

ہیر بھی اپنے چچا کو خوب جانتی پہچانتی ہے۔ کہتی ہے ؎

جھوٹھی سچیاں گلاں نوں میلدا ای وانگ لاگیاں کوڑیاں نایاں دے جی
ذرا گل دی جا ودھان کرسی مرچیاں لون دی چاٹ لگا ئیکے تے
ہیر آکھدی میرا چنڈال چاچا ہتھیں لاوندا پیریں بجھا وندائی

کیدو بھنگ پینے اور ناچنے کا بھی شغل کرتا ہے ؎

ایہہ جنگل جہان دا مگر لگا فقر جاندے ہو نال سیلیاں دے
کدی نال ملاریاں بھنگ گھوٹے کدی جا نچے نال تیلیاں دے

جیسا کہ لڑکیوں کی شکایت سے ظاہر ہے کیدو چھیڑ چھاڑ سے باز نہیں آتا اور موقع ملے تو اپنی ہوس کی تسکین بھی کر لیتا ہے لیکن ریا کاروں کی طرح دوسروں کے اخلاق کا محافظ بن بیٹھتا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے۔ اور خاندانی ناموس کے نام پر ہیر اور رانجھے کے خلاف سازش کا جال پھیلاتا ہے۔ ہیر سے متعلق کہتا ہے ؎

چاک نال اکلڑی جائے بیلے اَج ، کَل کوئی ٹھیک لگا وندائی

ہیر کی ماں ملکی سے کہتا ہے ؎

کیدو آکھدا دھی ویاہ ملکی دروہی رب دی مُن لے سائیںنی
انکے مارکے وڈھ کے کریں بیرے بس منہ بھن نال چوائینی
ویکھ دھی دا لاڈ کی دند کڈھیں انت جھوریں رنے قضائینی
انکے بھن کے تے بھورے چا گھتو لنب ڈانگ بھڑے وڑے آئینی

جو سزائیں وہ ہیر کے لئے تجویز کرتا ہے ان سے اس کی ایذا رسانی آشکار ہو جاتی ہے۔ کہتا ہے کہ ہیر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ لکڑی سے اس کا سر منہ توڑ دو۔ ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے تہ خانے میں ڈال دو، اور باہر سے دروازہ بند کر دو۔

وارث شاہ نے کیدو کو بے رحم سماج کے جابر رسم و رواج کے محافظ کے بطور پیش کیا ہے۔ اور سماج کی اس کھوکھلی ریاکاری کی طرف توجہ دلائی ہے جس سے خلوص و محبت کو کچلنے کا کام لیا جاتا ہے۔ ریاکاری اور خلوص جذبہ کی کشمکش میں آخری فتح ریاکاری ہی کی ہوتی ہے کیدو ہیر کو زہر دے دیتا ہے۔ ہیر کو جان سے مار کر کیدو نے وہی اذیت پسندانہ شیطانی خوشی محسوس کی ہوگی۔ جو ایاگو نے ڈیسڈ یمونا کے قتل پر محسوس کی تھی۔

سہتی : سہتی کا کردار وارث شاہ کی ایک اچھوتی تخلیق ہے۔ زندگی اور ادبیات میں بدمزاج اور تند خو عورتوں کی کمی نہیں۔ رتن ناتھ سرشار کی الف لیلہ میں مخمورہ اپنے شوہر معروف نوچی سے کبابوں کی فرمائش کرتی ہے :

"خدا سے یا نہ دے مجھے نہ خدا سے بحث ہے نہ روپے سے میں تو تم کو جانتی ہوں اور کسی کو نہیں پہچانتی ہوں۔ اگر نہ لائے تو تم جانو اور تمہارا کام تب مخمورہ میرا نام کہ تم سے ابھی بدلہ لوں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور جہاں کے ہووہیں پہنچاووں۔ مرچی عاری ہوگیا اشک جاری ہوگیا۔ کہ آخر میں کہاں سے لاؤں لا
کس کے اس چوری کرتے جاؤں۔ اس پر مخورہ آگ ببھوکا ہو کے بولی ہٹ تیرے ٹوکا
لگاؤں۔ تیرا حلوہ کھاؤں اسے مردود ابھی لا کے دے نہیں تو تیری بوٹیاں نوچوں گی۔"

شاہ لیئر کی بیٹی گانیرل اپنے باپ کو وہ جلی کٹی سناتی ہے کہ وہ پاگل ہو جاتا ہے لیکن نشتر زبان سہتی کا کوئی جواب نہیں۔ اس کی زبان بچھو کے ڈنک سے بھی زیادہ زہریلی ہے اور جب وہ چھڑ جاتی ہے تو شیطان بھی اس سے پناہ مانگتا ہے۔

شیطان نے آن سلام کیتا سہتی جتیاں تے اساں ہاریاں
افلاطون دی ریش مقراض کیتی وارث قدرتاں دیکھ کے واریاں

مکار ایسی ہے کہ شیخ سعدی کے بھی کان کترتی ہے ۔

شیخ سعدی دے نال نوں خبر نائیں جیہا روکے نند چلاوندی اے
تل بیٹھ انگیار رکھائیکے تے اُتوں بہت پیار کراوندی اے

سہتی خود بھی فخریہ کہتی ہے ۔

فیلسوف جہاں دیاں اسیں رناں اساں مکر دے جال وچھاونے وے

وہ دکھتی رگ چھیڑنے اور زخم کریدنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ جب رانجھے سے اس کی تکرار ہوتی ہے تو اس کا ناک میں دم کر دیتی ہے۔

رجے سائیں داگوں لُدی مار نائیں گائیں ویکھ جیویں ماردا بڑھک ہے وے
اگے کتاں نوں لیک لوایائی ہن نک نوں لیک لگاؤں گی وے
خشکی بھنگ تتیں ننگھ بھرڑاوندائی اہدے وچ کلام نہ مٹھ ہے نی
تیری چپڑ چیڑ کدی جیبھ ایویں جیویں جتیاں مرکدیاں سایاں دیاں
اوہناں کھوتیاں نوں راتب کون دیندا جیہڑے کھان کوڑے لکھ نوڑیاں وے

سہتی جوگی سے کہتی ہے کہ مفت خوروں کی طرح لوگوں کے دروازوں میں جھانکتے پھرتے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہو جیسے رشتہ کرانے والی مکار عورتیں گھر گھر پھرتی ہیں۔ چاہیئے تو یہ کہ تو محنت مشقت کر کے خود کماتے اور اپنی حلال کی کمائی سے دوسروں کو خیرات بھی دے۔ ؎

کر کے محنتاں کھا کجھ دے ہتھوں پوَن پوریاں نیک کمایاں دیاں
چسکے خور بُوہے پھریں بھوندا پچھے کتیاں جویں کُڑمایاں ڈیاں

جب سہتی غصّے میں آجاتی ہے تو تیکھے وار طعنوں مہنوں کی بوچھاڑ کر دیتی ہے ؎

لوتھڑا بوتھڑا سن مسنیا دے کسے سُنج مکان دیا جندیا دے
اوبجڑا بوبجڑا کھنڈیا گُنڈیا وے سِدھی آری دیا ونگیا ونڈیا دے
مُونہوں اُوت گھتوتیاں واہ ناہیں ذرا ٹھاک زبان نوں گندیا دے
رناں وِچ وھناں کیہا لیسر بیٹھوں جھوٹے وانگ دے چمیں ڈے کھنڈیا دے

رانجھا کچھ دیر تو اسے ترکی بہ ترکی جواب دیتا ہے لیکن داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے ؎

باہروں گھوڑے اندروں لوٹے نیں نال رمز دے سخن الاونی ایں
سخن بُڈھیاں وانگ پکونڈ تیر نے اکھیں نال کُجھا دتاں پاونی ایں

اندازِ بیان کی طرفگی قابلِ لحاظ ہے۔ سہتی سے کہتا ہے کہ تو اپنی آنکھوں سے پہیلیاں بجھاتی ہے۔

سہتی سے جھگڑا کر کے رانجھے پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی ـــــ یہ حقیقت تمام مَردوں پر واضح ہو جانی چاہیئے ـــــ کہ عورت سے بحث کرنا سراسر حماقت ہے۔ عورت کی منطق نرالی ہوتی ہے۔ اور وہ بقول وارث شاہ افلاطون کی داڑھی بھی کتر دیتی ہے۔ سہتی نہایت بیباک اور تُند خُو ہے لیکن ساتھ ہی بڑی زیرک اور اداشناس بھی ہے۔ جب رانجھا جوگی بن کر آیا اور ہیر کو خبر ملی تو بناؤ سنگار کر کے اُس کا انتظار کرنے لگی۔ سہتی سوچنے لگی کہ خلافِ معمول یہ سنگار کس کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اور جب رانجھا ہیر کے سامنے آیا اور دونوں نے ایک دوسرے کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھا تو سہتی سب کچھ بھانپ گئی اور ہیر سے کہنے لگی ؎

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کجل پُوچھلا گھت کے وِچ نیناں زُلف کُنڈلاں دار بناوندی ایں

نیویاں پٹیاں مُکھ بلیما زُلفاں پچھلے گھت کے رنگ وٹاوندی ایں

ٹھوڈی گلھ تے پا کے خال خونی راہ جاندڑے مرگ پھساوندی ایں

کِنہاں نخریاں نال بھرماوندی ایں اکھیں پا سُرمہ مٹکاوندی ایں

نواں ویس تے ویس بناوندی ایں چالاں پھیریاں نال گھمکاوندی ایں

چونک پا کے سِر تے قہر والا تُو بُتاں یار نوں پئی دکھاوندی ایں

نال جوگی دے اکھیاں مار کے تُں ساڈے نال توں پئی چھکاوندی ایں

نال جوگڑے دے تُوں تاں رل گئیں اکھیں نہریاں نال بھرماوندی ایں

کیا خوب کہا ہے کہ جوگی سے آنکھیں لڑاتی ہو اور ہمیں آنکھیں دکھاتی ہو۔

رانجھے نے ہیر کی طرف ذومعنی انداز سے دیکھا تو سہتی بول کر یہ جوگی تو آنکھوں میں چُٹکی لیتا ہے

جو منڈیاں اکھیاں دے وچ دُودھ لیندا راز جاندا اکھ دی جھیت دائی

لیکن یہ تنگ مزاج، منہ پھٹ، زبان دراز لڑکی عشق کے ہاتھوں مجبور اور بے بس ہو گئی۔ وہ مراد بلوچ سے پیار کرتی تھی اور اس کے فراق میں تڑپ رہی تھی۔ رانجھے نے اس سے کہا کہ میں تجھے مراد بلوچ سے ملا دوں گا۔ یہ سنتے ہی سہتی رام ہو گئی۔ اس کی تند خوئی عاجزی میں بدل گئی۔ اس نے رانجھے کے آگے اپنی محبت کا اظہار کر کے اس سے استمداد کی ؎

آتش ہجر بلوچ دی جگر پھوکا کریں مہر سائیاں تتی مرنیاں میں

نال عاجزی عجز نیاز پیرا مُڑ مُڑ آکھنی ہاں تیری ہرنیاں میں

بھر رہی آں عشق دی وچ کملی ہا دے خاص محبوب دے بھرنیاں میں

ایس عشق دے روگ نے ہڈ گالے بودی کندھ وانگوں وچوں کھُرنیاں میں

اب وہ رانجھے کو اپنا پیر و مرشد ماننے لگتی ہے اور کہتی ہے خدا کے لئے مجھے مراد سے ملا دو۔ میں ہیر کو تمہارے پاس بھیجتی ہوں۔ ؎

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہتنے سوہنی موہنی ہنس رانی ہرگ موہنی جا کے کھسکنی ہاں
تیریاں پیریاں عظمتاں ویکھ کے میں بانوی ہوئیکے کھڑاندوں چلنی ہاں
مینوں ملے مراد تے جیونی ہاں کرو مہر تا میں ایتھوں ہلنی ہاں
مینوں میل مراد بلوچ سایاں تیرے پیریں جھٹس کے ملنی ہاں

سہتی کے کردار میں وارث شاہ نے اس نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ پیار تیز مزاج، تند خُو اور لڑاکا عورتوں کو بھی "سدھا" لیتا ہے

چُوچک : ہیر کا باپ چُوچک بڑا جہاں دیدہ اور کائیاں جاٹ ہے۔ جب ہیر رانجھے کو چاکر رکھوانے کے لئے اس کے پاس لاتی ہے تو چوچک ایک نظر اسے سر سے پاؤں تک دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لڑکا ڈھور کیسے چرائے گا۔ اس کا بدن تو چھونے سے میلا ہوتا ہے۔ یہ تو کسی سردار کا بیٹا معلوم ہوتا ہے اور ماں باپ کا لاڈلا ہے۔ اس کے ہاتھ چنار کے پتے کی طرح نرم ہیں اور یہ محنت مشقت کا عادی نہیں ہے

باپ ہس کے پچھیا کون ہُندا ایہہ منڈا کسے سرکار دا ئی
ہتھ لایاں پنڈے تے داغ پیندا ایہہ نہیں ڈھے نہیں کار دا ئی
جاپے لاڈلا باپ تے ماں سندا ایہدا طور جیوں طور شکھیار دا ئی
کرے ناز لڈکیاں سب گلاں پلیا ہویا ایہہ لاڈ پیار دا ئی
ایہدے ہتھ وچ گھاسیاں نہیں پیاں پنجہ ایسدا برگ چنار دا ئی
وارث شاہ دسے واننگ مکر ورجاپے بہہ کے دہلیاں وقت گذار دا ئی

ہیر کے اصرار پر چوچک اسے چاک رکھ لیتا ہے اور اس سے عہد کرتا ہے کہ تو نے کچھ مدت ڈھور چرائے تو میں تجھے ہیر بیاہ دوں گا۔ جب ہیر اور رانجھے کے پیار کا راز فاش ہوتا ہے تو رانجھے

مے۔ اس لفظ کا استعمال شکسپیر کی Taming of the Shrew کی رعایت سے کیا گیا ہے۔ شکسپیر کی کیتھرینا کو وحشت زدہ کر کے سدھایا جاتا ہے جب کہ سہتی پیار کے سامنے سپر انداختہ ہے۔ سہتی کا کردار زیادہ جاندار ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کو سخت سرزنش کی جاتی ہے۔ رانجھا ڈھور چرانے سے انکار کر دیتا ہے۔ بھینسیں جو رانجھے کی ونجھلی سے مانوس ہو چکی تھیں چرنا چھوڑ دیتی ہیں تو چوچک پریشان ہوتا ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہے کہ اب بھینسوں کا کیا بنے گا۔ اگر رانجھا میری بیٹی سے پیار کرتا ہے تو کیا ہوا۔ پیار سے ہیر کا کیا بگڑ جائے گا۔ کیوں نہ مکر و فریب سے کام لے کر رانجھے سے خدمت کرائی جائے۔ وقت آنے پر ہیر کا بیاہ کہیں اور کر دیں گے اور اسے نکال باہر کریں گے۔ کہتا ہے۔ ؎

ایس جگ مکّار دا کم ایہو کوئی مکر فریب بنا ئیے
ساڈی دھی دا کجھ نہ لاہ لیندا سبھا ٹہل ٹکور کرا ئیے
جدوں ہیر ڈولی پا ٹور دیئے اوس ویلے جواب تاں چا دیئے
وارث شاہ میاں جٹ سدا کھوٹے جٹکا فند ایتھے اک لائیے

وارث شاہ کہتے ہیں کہ جاٹ دغاباز ہوتے ہیں ان کا قول ناقابلِ اعتماد ہوتا ہے۔ پہلے رشتہ دیتے ہیں بعد میں توڑ دیتے ہیں اور الزام نائیوں پر دھرتے ہیں۔

دغا جٹ دا بڑا مشہور یارو اجے وہن نہ ٹھیں جرایاں دا
یارو جٹ دا قول منظور ناہیں گوز شتر دا قول ستایاں دا
منہ آکھ کڑمایاں کھوہ لیندے مونھہ کرن کالا پچھوں نائیاں دا
وارث شاہ ایہہ ترے ہی جھوٹھ جانوں قول جٹ سنیار قصائیاں دا

چوچک اپنے بھائی کیدو کی فتنہ پردازی سے پوری طرح آگاہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود کیدو کے بہکاوے میں آجاتا ہے۔ اور اس کے اکسانے پر ہیر کا بیاہ سیدے سے رچا دیتا ہے۔ کیدو آخر تک اس کے ذہن و دماغ پر حاوی رہتا ہے۔ جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ سوجھ بوجھ رکھنے کے باوجود اس کی شخصیت کمزور ہے۔

سیدا کھیڑا : سیدے کھیڑے کا کردار افسوس ناک حد تک قابلِ رحم ہے۔ یہ بڈھا کھوسٹ ایک سادا لوح دیہاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ احمق نہ ہوتا تو جوانی ہی میں اس کا بیاہ ہو گیا ہوتا۔ وہ بڑا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خوش تھا کہ ہیر جیسی خوبصورت دلہن اسے مل گئی ہے۔ لیکن یہ خوشی گریز پا ثابت ہوئی۔ شبِ زفاف کو ہیر نے اس کی خوب گندی کی اور پاس نہیں پھٹکنے دیا۔ اس کے بعد بیچارے سیدے کو ہیر کے قریب آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے باوجود اسے اس بات پر فخر تھا کہ ہیر اس کی بیوی ہے۔ جب ہیر نے ظاہر کیا کہ مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے، اور سیدا رانجھے کو علاج کے لئے بلانے باغ میں گیا، تو رانجھے نے اسے پکڑ کر دہ مارا اور وہ ٹھنیاں دیں کہ سیدے کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا ہوگا۔ وارث شاہ نے سیدے کو عمداً سیدھا سادہ اور کمزور دکھایا ہے کہ اس کے بغیر اس قصّے کے داخلی تقاضے پورے نہیں ہوسکتے تھے۔

ان کرداروں کے علاوہ ملکی، اجّو، عیالی، سہتی، نائن، قاضی، مُلّا، راجہ کے ذیلی کردار ہیں جن کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں۔ ملکی ایک سخت گیر ماں ہے۔ سہتی نائن ہیر کی ہمراز ہے اور ہیر اور رانجھے کی ملاقاتیں چوری چھپے اپنے گھر کراتی ہے۔ وہ عشق و محبت کے راز بھی کھول کر بیان کرتی ہے۔ یہ سب کردار دیس پنجاب کی بھومی[1] کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں اور دیہات کی زندگی سے لئے گئے ہیں۔ ان کے مثیل آج بھی اپنی اپنی حسرتوں، ارمانوں، مایوسیوں، خوشیوں، تمناؤں، نفرتوں اور محبتوں کے ساتھ دیہات میں چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں +

---

[1] زمین، جنم بھومی، کی بھومی اسی کی بدلی ہوئی صورت ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زبان و بیان

وارث شاہ پہلے عظیم شاعر ہیں جن کے کلام میں پنجابی زبان اپنی پوری تابناکی، وسعت، لچک اور رعنائی کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ہے۔ وارث شاہ کے پاس الفاظ و تراکیب کا ایک لازوال ذخیرہ ہے۔ جس میں عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت، بھاشا کے الفاظ موجود ہیں لیکن اس بے ساختگی کے ساتھ استعمال میں آئے ہیں کہ غریب اور نامانوس معلوم نہیں ہوتے اور پنجابی کی اصل لطافت اور شگفتگی برقرار رہتی ہے۔ ہیر وارث شاہ کے مطالعے سے پنجابی زبان کے تمول کے ساتھ اس کی قدامت کا احساس بھی ہوتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پنجابی دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے۔ بعض لوگ پنجابی زبان و ادب کا آغاز عبدی کی نظم اور جعفر زٹلی کے خرافات سے کرتے ہیں۔ دوسرے بابا فرید کے چند جملوں میں، گورو نانک کے ملفوظات میں اس کی ابتدا کا کھوج لگاتے ہیں۔ اس ضمن میں پنجاب کے فارسی گو شاعر مسعود سعد سلمان کے گم شدہ دیوان کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے لیکن بات اتنی سادہ و سہل نہیں ہے۔ پنجابی کو شمال مغربی پراکرت پیشاچی یا اپ بھرنش کا روپ قرار دینے سے بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا[1]۔ یہ موضوع ایک مستقل تالیف کا متقاضی ہے۔ یہاں ہم مختصراً پنجابی کی قدامت کے بارے میں کچھ عرض کریں گے۔

---

[1] آریائی زبانیں از سید ھیشور ورما۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پنجاب کی سرزمین میں آریائی قبائل ۱۵۰۰ ق م اور ۲۰۰۰ ق م کی درمیانی صدیوں میں وارد ہونا شروع ہوئے۔ آریا اجڈ اور وحشی تھے جو گھوڑے پالتے تھے۔ اور اپنے دیوتاؤں اِندر، اگنی، وایو وغیرہ کی ستائش میں منتر پڑھتے تھے۔ ان کی بولی جسے بعد میں ویدک کہا گیا، سنسکرت کی ابتدائی صورت تھی اور مجوسیوں کی اوستا کی زبان سے ملتی جلتی تھی۔ آریاؤں کے ورود کے وقت پنجاب اور سندھ میں دراوڑی تمدن کی نشوونما پر کم از کم ایک ہزار برس گذر چکے تھے۔ موئن جو دڑو اور ہڑپہ کے تمدن اور سمیریا کے تمدن میں معاصرت کے علاوہ حد درجہ مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ ابھی تک آثارِ قدیمہ کے علماء یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ قدامت کی رُو سے ان دونوں میں کس تمدن کو اوّلیت دی جائے۔ موئن جو دڑو اور ہڑپہ کے کھنڈروں سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دراوڑ بڑے سلیقے اور اہتمام سے منصوبہ بندی کر کے اپنے مکان تعمیر کرتے تھے۔ شہروں کے گلی کوچے کشادہ رکھتے تھے۔ نہانے کے تالاب بناتے تھے۔ پانی کے نکاس کے لئے زمین دوز نالیاں نکالتے تھے۔ اور غلّے کے ذخیرے کیلئے گودام تعمیر کرتے تھے۔ وہ کھیتی باڑی کے ماہر تھے۔ بار برداری کے لئے چھکڑوں میں بیل جوتتے تھے۔ دودھ اور مکھن کے لئے بھینسیں پالتے تھے۔ برتن بنانے، زیور گھڑنے اور کپڑا بُننے کے فن جانتے تھے۔ ان کے مذہب میں سانپ کی پوجا اور درختوں کی پوجا شامل تھی۔ وہ ایک ناچنے والے دیوتا اور کالی دیوی کی پرستش کرتے تھے۔ بعض مجسموں سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ یوگیوں کی طرح سمادھی میں بھی بیٹھتے تھے۔ لی بان کے خیال میں پنجاب اور سندھ کے یہ قدیم باشندے تورانی الاصل تھے۔ اور ان کی بولی تورانی بولیوں کے زمرے سے تعلق رکھتی ہے لیکن یہ محض قیاس آرائی ہے۔ بہر حال دراوڑوں نے قلعہ بند ہو کر آریاؤں کا مقابلہ کیا لیکن ہر کہیں شکست کھائی۔ آریاؤں نے نہایت سفاکی سے ان کا قتلِ عام کیا، اور ان کے شہروں کو قبرستانوں میں تبدیل کر دیا۔ بقیۃ السیف کچھ جنوبی ہند کی طرف بھاگ گئے اور جو پنجاب میں رہے انھیں غلام (شودر) بنا لیا گیا۔ فاتحین نے جہاں دراوڑوں سے فصلیں اُگانے، برتن اور زیور بنانے کے ہنر سیکھے وہاں قدرتاً ان کے مذہب اور زبان سے بھی متاثر ہوئے۔ یاد رہے کہ موئن جو دڑو اور ہڑپہ میں مادری نظام معاشرہ قائم تھا۔ یعنی عورت معاشرہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا محور سمجھی جاتی تھی اور بچے اسی کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ اس کے برعکس آریائی قبائل کا عائلی نظام پدری اصول پر مبنی تھا۔ یعنی مرد ہر لحاظ سے عورت پر فائق تھا اور عورت کے ساتھ اپنی اولاد پر بھی پوری طرح متصرف تھا۔ آریاؤں نے دوسرے فاتحین کی طرح ہزاروں دراوڑی عورتیں گھروں میں ڈال لیں۔ جس سے اُن کے مذہب، اخلاق، معاشرے اور زبان پر گہرے اثرات ثبت ہوئے۔ جدید تحقیق کی رُو سے شِو دیوتا، اس کی زوجہ کالی دیوی جیسے دُرگا، بھواتی، اُما بھی کہا جاتا ہے۔ اور کرشن (لغوی معنیٰ 'کالا') دراوڑی مذہب سے آریائی مذہب میں داخل ہوئے۔ یوگا، ویدانتا اور بھگتی کا ماخذ بھی دراوڑی مذہب ہی کو سمجھا جاتا ہے۔ جہاں تک ادب و شعر کا تعلق ہے عورت کے مرد سے اظہارِ عشق کی روایت بھی دراوڑوں کے مادری نظام معاشرہ سے لی گئی تھی۔ اس ادبی روایت نے ہندوؤں کی شاعری کو روح کی گہرائیوں تک متاثر کیا۔ بنگالی اور ہندی کی عاشقانہ شاعری سے لے کر بھگت شعرا، کے عارفانہ کلام تک ہر کہیں اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ سورداس، چنڈی داس، میراں، گوبندا اس روایت کے مشہور ترجمان سمجھے جا سکتے ہیں۔ پنجاب کے لوک گیتوں، خاص طور سے ماہیئے کے بولوں میں آج تک یہ روایت زندہ ہے۔ ان بولوں میں عورت اپنے ماہی یا ڈھول کو مخاطب کر کے اپنے جذبۂ محبت کا بے ساختہ اظہار کرتی ہے۔ ہیر وارث شاہ کے بارہ ماسے میں ہیر، اور خواجہ غلام فرید کی کافیوں میں سسی اپنے دردِ فراق کا اظہار دل دوز پیرائے میں کرتی ہیں۔

آریا فاتحین نے اپنے آپ کو سانولے رنگ کے دیسیوں سے ممتاز رکھنے کے لئے ذات پات کی تمیز قائم کی۔ ذات کے لئے وہ ورن کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ جس کا معنیٰ ہے "رنگ" پہلے پہل رنگ کی بنا پر ہی آریائی معاشرے میں طبقاتی تفریق پیدا ہوئی۔ جسے بعد میں برہمنوں نے اپنا تفوق جتانے کے لئے ایک مستقل ادارہ بنا دیا۔ یہاں اس امر کی طرف خاص طور سے توجہ دلانا ضروری ہے کہ وادیٔ گنگ و جمن کی طرف اقدام کرنے سے پہلے آریا صدیوں تک پنجاب میں مقیم رہے۔ اسی دیس میں انھوں نے راجدھانیاں قائم کیں۔ ویدک بولی کو سنسکرت کے قالب میں ڈھالا،

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رگ وید کو مرتب کیا، اور مفتوحین کے نظمِ مملکت کا طریقہ اپنایا۔ متمدن دراوڑوں کی زبان نو وارد آریاؤں کی بولی سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھی۔ اس لئے ویدک بولی کا اس سے متاثر ہونا قدرتی امر تھا۔ رہس ڈیوڈز جو پالی اور سنسکرت کی عالمہ ہیں اور جنھیں بدھ مت پر سند مانا جاتا ہے لکھتی ہیں:[1]

> آریائی زبان کی طویل تاریخ کے دوران میں دراوڑی بولیاں بولی جاتی تھیں اور ہم اس خیال کے اظہار کی جرأت کرتے ہیں کہ شمال میں یہ بولیاں اس رقبے سے زیادہ وسیع حدود اور زمانے سے زیادہ مدت تک بولی گئیں جو عام طور پر فرض کی جاتی ہے۔ ویدی بولی نمبر ۲ باعتبارِ لب و لہجہ اور باعتبارِ لغت دراوڑی اثر کی بہت کچھ شرمندۂ احسان ہے۔ آریائی بولیوں اور تمام علمی زبانوں میں پالی، سنسکرت اور پراکرت میں اول سے آخر تک دراوڑی اثر کی اس سے کچھ کم آمیزش نہیں ہے جتنی کہ ہندوستان کی مختلف اقوام میں بحیثیت حسب و نسب اور قرابتِ قریبی غیر آریائی عنصر کی آمیزش ہے۔"

ویدک بولی کو سنسکرت زبان بننے تک کم و بیش پانچ سو برس کا عرصہ لگا اور یہ محض قیاس آرائی نہیں ہے کہ اس کے دوران میں وہ دراوڑی زبان سے بہت زیادہ متاثر ہوئی تھی۔ بدھ مت کی ترویج کے ساتھ برہمنوں کی مذہبی اور لسانی اجارہ داری کا خاتمہ ہوگیا۔ بدھ اور اس کے بھکشو پالی زبان میں وعظ کہتے تھے اور اسی میں تصنیف و تالیف کرتے تھے۔ پالی[2] کو شمالی ہند میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔ رہس ڈیوڈز کہتی ہیں کہ "پالی کی کتبِ شریعت کا مقامِ تصنیف شمالی ہند ہے نہ کہ سیلون" پالی اور دوسری پراکرتیں سنسکرت کی پیداوار نہیں جیسا کہ ہندوؤں کا ادعا ہے بلکہ یہ وہ دیسی اور مقامی بولیاں تھیں جو آریاؤں کی آمد سے صدیوں پہلے پنجاب اور سندھ میں بولی جاتی تھیں اور جن کے سیکڑوں الفاظ سنسکرت میں بھی نفوذ کر گئے تھے۔ نو وارد آریا کھیتی باڑی، سفال سازی، زرگری

---

[1] Budhist India

[2] پالی اور پنجابی میں کئی الفاظ مشترک ہیں۔ مثلاً دُدھ (دودھ) دی (بھی) اگے (آگے) چم (چمڑا) ڈِٹھا (دیکھا) سنگ (سینگ) وغیرہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

معماری، نجاری وغیرہ فنون سے ناواقف تھے۔ اس لئے بامرِ مجبوری انھوں نے ان پیشوں سے متعلق دراوڑی زبان کے الفاظ اپنی زبان میں شامل کئے۔ میکس ملر اور مونیر ولیمز نے ان الفاظ کے اصل ماخذ سے صرفِ نظر کرا انھیں سنسکرت ہی کے الفاظ تسلیم کر لیا۔ اور دوسری بولیوں میں ان کے دخل و تصرف پر بحثیں کرنے لگے۔ قبطی، سمیری، بابلی، فنیقی جیسی قدیم زبانیں ناپید ہو چکی ہیں۔ لیکن ان کے دسیوں الفاظ دنیا بھر کی زبانوں میں آج تک مروج ہیں۔ بعینہٖ مرورِ زمانہ سے دراوڑی یا پنجابی اور سندھی زبانوں کے الفاظ سنسکرت میں بھی بار پا گئے۔ بعد میں برہمنوں کے ادعا کے مطابق سنسکرت کو ہندوستان کی قدیم ترین زبان تسلیم کر لیا گیا اور پالی اور پراکرتیں جو قدیم دراوڑوں کی بولیوں سے یادگار تھیں اور سنسکرت سے کہیں زیادہ قدیم تھیں سنسکرت کی "بگڑی ہوئی صورتیں" بن کر رہ گئیں۔ ہندو جنھیں تاریخ نویسی سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ تفاخرِ بے جا کے سبب آریاؤں کو دنیا کی قدیم ترین نسل مانتے ہیں اور سنسکرت کو دنیا کی قدیم ترین زبان منوانے پر اصرار کرتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ بعض مستشرقین بھی برخود غلط برہمنوں کے چکر میں آ گئے اور سنسکرت پر دراوڑی زبان کے اثرات کی تحقیق کرنے کے بجائے پالی اور دوسری پراکرتوں کو سنسکرت ہی کی بگڑی ہوئی فروع سمجھنے لگے۔ رہس ڈیوڈز نے اس غلط فہمی کا پوری طرح ازالہ کر دیا ہے۔ تاہم ماقبل آریائی زبانوں کے خلاف آج بھی پرانا تعصب باقی و برقرار ہے اور اسی کے تحت پنجابی اور سندھی جیسی قدیم زبانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

آریا حملہ آوروں نے مفتوحین کو غلام بنا لیا اور انھیں اپنی دیوبانی سیکھنے یا بولنے کی سخت ممانعت کر دی۔ اس لئے زیریں طبقے کے لوگ بدستور ملکی بولیاں بولتے رہے۔ شمالی ہند میں وہ جو بولی بولتے تھے اسے پنجابی زبان کی قدیم صورت سمجھا جا سکتا ہے۔ پنجابی آریاؤں کے ورود سے لے کر آج تک کسی نہ کسی صورت میں پانچ دریاؤں کے دیس کی زبان رہی ہے۔ یہی زبان مسلمان فاتحین کے ساتھ ہجرت کر کے دلی پہنچی وہاں سے تغلقوں اور خلجیوں کے ساتھ دکن گئی۔ جہاں اسے دکنی کا نام دیا گیا۔ بعد میں اس کی صفائی کر کے اسے اردو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے نام سے پکارا گیا۔ شوکت سبزواری صاحب نے اُردو اور پراکرتوں کے چند الفاظ کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ الفاظ درج ذیل ہیں۔

پراکرت	اُردو	پراکرت	اُردو
پچھ	پُوچھ	دُدھ	دودھ
ست	سات	پُت	پُوت
بُھکھ	بھُوک	اُچ	اُونچا
		میٹھا	میٹھا

شوکت سبزواری صاحب[1] نے جن الفاظ کو پراکرت کے الفاظ کہا ہے وہ صریحاً پنجابی کے الفاظ ہیں۔ شوکت سبزواری صاحب فرماتے ہیں کہ دکنی کے یہ اجنبی الفاظ ٹکسال باہر قرار دیئے گئے۔ دِسنا (نظر آنا) سٹنا (ڈالنا) کاڈنا (نکالنا) لڑنا (کاٹنا) لوڑنا (طلب کرنا) نسنا (بھاگنا)۔ یہ تمام مصادر پنجابی کے ہیں انھیں دکنی قرار دینا صحیح نہیں۔ جس زبان کو دکنی کا نام دیا جاتا ہے اس کا کینڈا صاف پنجابی کا ہے۔ اور وہ اصلاً پنجابی ہی کی ایک شاخ ہے۔ جس طرح پنجابی کو لاہوری، سرائیکی، ملتانی، لہندا، پوٹھوہاری، ہندکو، ڈوگر، ماجھی وغیرہ کے نام دے کر انھیں علیحدہ زبانوں کا درجہ دینے کی کوشش کی جاتی ہے اسی طرح پنجابی کی ایک فرع کا نام دکنی رکھ کر اسے مستقل زبان تسلیم کر لیا گیا ہے حالانکہ اس کے صرف کا ڈول پنجابی کا ہے۔ اسماء صفات پنجابی کے ہیں یہ بات قدرے تفصیل طلب ہے۔

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ عربی، فارسی اور ترکی کا قدیم بولیوں کے ساتھ اختلاط محمد بن قاسم کے سندھ پر حملے اور آل غزنہ کے پنجاب پر حملوں کے وقت عمل میں آیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان پہلوی اور مقامی بولیوں کا یہ اختلاط پانچویں صدی قبل از مسیح سے شروع ہو چکا تھا جب ہخامنشی خاندان کے ایرانی بادشاہوں نے پنجاب، کشمیر، بلوچستان اور سندھ کے کچھ

---

[1] اردو زبان کا ارتقاء

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

علاقوں کو فتح کر کے اپنی مملکت میں شامل کر لیا تھا۔ جب خشیار شیا ہخامنشی نے یونان پر چڑھائی کی تو اس کی فوج میں پنجابیوں اور سندھیوں کے دستے بھی موجود تھے۔ سکندر کے حملے تک کم و بیش دو سو برس ایران کا یہ تسلط قائم رہا۔ اس عرصے کے دوران میں سیکڑوں ایرانی خاندان کشمیر اور پنجاب میں آ کر آباد ہوئے۔ آج بھی پنجاب اور آزاد کشمیر کے دیہات میں ارجاسپ، لہراسپ فرامرز، خداداد، مہرداد، نوزداد، گوہرداد وغیرہ خالصتاً ایرانی نام رکھے جاتے ہیں۔ پنجاب کا مشہور شاہی قبیلہ گکھڑ اپنے آپ کو کیانی بتاتا ہے۔ غوریوں اور غزنویوں کے ساتھ پنجاب میں مسلمانوں کا ورود ہوا۔ مسلمان حملہ آوروں نے اپنی ابتدائی بستیاں پنجاب اور سندھ ہی میں قائم کی تھیں۔ غزنویوں نے کم و بیش ایک سو ستر برس پنجاب پر حکومت کی اور یہی وہ زمانہ ہے جب مسلمانوں اور پنجابی ہندوؤں کا میل جول شروع ہوا۔ پنجابی میں ترکی اور فارسی کے الفاظ کا شمول ہو گیا اور ایک نئی زبان کی داغ بیل ڈالی گئی۔ یہ نئی زبان ظاہراً پنجابی کی وہ صورت تھی جس میں فارسی کے اسماء صفات شامل ہو گئے۔ جب قطب الدین ایبک نے دلّی کو اپنا دارالخلافہ بنا لیا تو اس کے لشکر کے ہزاروں پنجابی سپاہی اور کارندے دلّی کی طرف ہجرت کر گئے اور وہیں آباد ہو گئے۔ غزنوی سلاطین پنجاب کے شجاع اور حوصلہ مند جوانوں کو بڑے شوق سے اپنی فوج میں بھرتی کرتے تھے۔ محمود غزنوی نے ہندو پنجابیوں کا ایک مستقل لشکر مرتب کیا تھا جو زابلستان میں قیام پذیر ہوا۔ جب پنجاب کے ہندو جاٹ، گوجر اور راجپوت مسلمان ہو گئے تو مسلم فاتحین کے لشکروں میں جوق در جوق بھرتی ہوئے اور ہندوستان کی تسخیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

غیاث الدین تغلق نے پنجاب سے دلّی کا رخ کیا تو اس کے لشکر میں ہزاروں پنجابی جوان تھے۔ اسی طرح سید خضر خاں جسے امیر تیمور نے پنجاب کی صوبہ داری عطا کی تھی پنجابی تھا۔ جب اس نے دلی پر چڑھائی کی تو اس کی فوج میں ساٹھ ہزار پنجابی سپاہی تھے۔ لودھی پٹھانوں کا خاندان بھی ملتان میں آباد تھا۔ بہلول لودھی نے دلّی پر یلغار کی تو اس کا لشکر پنجابیوں ہی پر مشتمل تھا۔ محمد تغلق نے دلّی کو چھوڑ کر دولت آباد کو اپنا دارالسلطنت بنایا تو پنجابی سپاہیوں کا لشکر اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی قیادت میں تھا۔ اس طرح لاکھوں پنجابی دِلّی اور دکن پہنچے اور وہیں بود و باش اختیار کی۔ ان کی زبان پنجابی تھی جس میں حسب ضرورت عربی، فارسی اور تُرکی کے الفاظ شامل کر لئے گئے تھے۔ جس دُور کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں پنجابی کو لاہوری یا ملتانی کہا جاتا تھا۔ بعض لوگوں نے پنجاب کے مغربی حصے کی زبان کا نام لہندا رکھا اور اسے علیٰحدہ زبان سمجھا لیکن پنجابی اور لہندا ایک ہی زبان کے دو نام ہیں۔ پنجابی پانچ دریاؤں کے دیس کی زبان ہے۔ پنجاب کے مختلف حصّوں کی بولیوں میں لب و لہجہ کے اختلاف سے اس زبان کی وحدت مجروح نہیں ہوتی۔ جس طرح آئرلینڈ، اسکاٹ لینڈ، اتحاد متحدہ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ کی زبان کو لب و لہجہ کے اختلاف کے باوصف انگریزی ہی کہا جاتا ہے۔ بہرحال دکن میں پنجابی لشکریوں کے ساتھ جو زبان پہنچی اسے دکنی کہا جانے لگا۔ یہ زبان اصل پنجابی سے قدرے مختلف صورت اختیار کر گئی تھی لیکن اس کا ڈول پنجابی ہی کا تھا۔ بہمنی خاندان دکن میں دو سو برس تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بادشاہوں میں محمد قلی قطب شاہ عبداللہ قطب شاہ شاعر تھے۔ ان کی زبان پنجابی کی وہی صورت ہے جسے غلطی سے دکنی کا نام دیا گیا۔ اس بات کی وضاحت کے لئے ہم چند مثالیں دیں گے۔

مُلّا نصرتی دکن کا مشہور شاعر تھا جس نے اپنی مثنوی "گلشنِ عشق"[1] میں منوہر اور مدماتی کی داستانِ محبت نظم کی ہے۔ یہ مثنوی ولی سے کم و بیش ساٹھ برس پہلے لکھی گئی تھی۔ اس میں پنجابی زبان کا ذخیرہ ملاحظہ ہو :

اُتاول (بے قراری) اجو۔ اجے (ابھی تک) انپڑنا (اُپڑنا پہنچنا) انت (انتہا) اُتاہلا (بے قرار۔ جلد باز) بست (چیز بست) بھار (بوجھ) بھنجن (بھنجن۔ ٹوٹنا) بھوئیں (زمین۔ اراضی) پاڑنا (پھاڑنا) توائی (بربادی) جداں (جب سے) ڈونگا (گہرا) سٹیا (ڈال دیا) سرس (بہتر۔ برتر) سُک (خشکی) سنگ (ہمراہ) سیوا (خدمت) گالنا (پگھلانا) گشتی (آوارہ عورت)

---

[1] مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لاب (لابھ۔فائدہ) ڈسنا (ڈسنا) نال (ساتھ) نجھایا (غور سے دیکھا) نوا (نواں۔نیا) نیڑے (نزدیک) ناٹھنا (نٹھنا۔بھاگنا) ہور (اور)

مثنوی "من لگن"[1] قاضی محمود بحری نے لکھی تھی اس میں پنجابی کے چند الفاظ ملاحظہ ہوں:

دھسنا (سمانا) دیوا (چراغ) کوڑ (ناقص۔جھوٹ) بوتا (اونٹ کا بچہ) مول (اصل) اُبچ (بلند) اگھے (آگے) ماس (گوشت) کرڑا (سخت۔کڑا) آکھے (کہے) ناڑا (ازاربند) بانھ (بازو) تونبڑا (خشک کدو) چوکھنڈ (چار دیواری) چغتہ (چغتائی۔مغل) دوس (قصور۔الزام) سانگ (برچھی) سجن (دوست) سرس (زیادہ۔بڑھ کر) گھیو (گھی) نیڑے (نزدیک)

"پھول بن کی" مثنوی ابن نشاطی کی تالیف ہے۔اس میں بھی پنجابی کے الفاظ کی کثرت ہے۔

نِت (ہمیشہ) دیتا (دیا) کیتا (کیا) سٹیا (ڈالا) آپی (آپ ہی) جیوں (جس طرح) نئیں (نہیں) مُوں (چہرہ) دیکھن کوں (دیکھنے کو) دسیا (نظر آیا) کدھیں (کبھی) سٹ کر (چھوڑ کر۔پھینک کر) انجھواں (آنسوں۔آنسو) اُدلالی (اودلیل۔جوش) اوچا (اونچا) تجھ باج (بانجھ۔تیرے بغیر) کاند (دیوار) اولگنا (پھلانگنا) ماندا (بیمار۔خستہ) نوے (نئے) چکڑ (کیچڑ) جناور (جانور۔پرندہ) ترت (فوراً) اُتم (عمدہ ترین)

"سب رس" وجہی میں بھی پنجابی کے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔مثلاً لوڑیا (تلاش کیا) اُساس (آہ) چیٹ (لالچ) دڑی مارنا (چپ کر جانا) ریجھ (شوق۔ولولہ) سوں (قسمیں) کاند (دیوار) کنتے (پاس) کدھاں (کب) لوڑنا (تلاش کرنا) لیایا (لے آیا) ناہوسی (نہ ہوگا) منابی (منافقت) وغیرہ۔

دلّی اور لکھنؤ میں صفائیِ زبان کے نام پر پنجابی کے الفاظ اور روزمرّہ یکسر خارج کر دیئے گئے۔ پنجابی روزمرّہ اور محاورہ کے بجائے سیکڑوں فارسی محاورے حرف بہ حرف ترجمہ کر کے اخذ کئے گئے۔ پنجابی کے اسماء و افعال کے اخراج کے ساتھ ملکی تلمیحات سے بھی قطع نظر کرلی گئی۔اس

---

[1] مرتبہ محمد سخاوت مرزا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"صفائی" کے بعد جو زبان صورت پذیر ہوئی اس پر فارسی کی تشبیہات، تلمیحات اور اسالیب کا پیوند لگایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس غیر فطری عمل سے اردو سے ملکی بو باس اور مٹھاس غائب ہوگئی۔

حافظ محمود شیرانی بجا فرماتے ہیں :

"اردو اور پنجابی کی صرف کا ڈول تمام تر ایک ہی منصوبہ کے زیر اثر طیار ہوا۔ ان کی تذکیر و تانیث اور جمع افعال کی تعریف کا اتحاد اس ہی ایک نتیجے کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ اردو اور پنجابی زبانوں کی ولادت گاہ کا ایک مقام ہے۔ دونوں نے ایک ہی جگہ تربیت پائی ہے اور جب سیانی ہوگئی ہیں تب ان میں جدائی واقع ہوئی ہے ان زبانوں جو اختلاف دیکھا جاتا ہے۔ وہ اکثر اس وقت واقع ہوا ہے۔ جب اردو کی پرورش شعرا اور تعلیم یافتہ طبقے نے دہلی اور لکھنؤ میں شروع کی ہے۔ انھوں نے اپنی دانست میں اردو کی اصلاح کی ہے مگر اکثر موقعوں پر دیکھا جاتا ہے کہ ان کی اصلاح اور ترمیم کے اصول نے ایک صرفی کے نقطۂ نظر سے زبان میں ابتری اور برہمی پیدا کردی ہے۔ قدیم اصول، جن پر زبانوں کی تعمیر ہوئی تھی، جامع، مفید اور کارآمد تھے۔ پرانی جمع کے قاعدے کو انھوں نے بالکل بے کار اور باطل کردیا۔ اقلیم زبان سے حرفِ علت اور نون غنہ کے اخراج میں ہم ان سے متفق ہو سکتے ہیں۔ لیکن افعال و اسماء سے جمع مونث کو ترک کردینے میں ہرگز ہرگز حق بجانب نہیں۔ اس نے زبان سے موسیقیت اور خوش آہنگی کے ایک بڑے عنصر کو برباد کردیا ہے۔" (پنجاب میں اردو)

ہم حافظ شیرانی مرحوم سے اس بات میں اختلاف کرنے کی جسارت کریں گے کہ نون غنہ کے اخراج نے بھی اردو زبان کی موسیقیت کو مجروح کیا ہے جس طرح آجکل مغربی پنجاب میں نون غنہ اور "ڑاں" کے اخراج سے پنجابی کے صوت و آہنگ کو مجروح کیا جا رہا ہے۔ بہرحال جیسا کہ شیرانی مرحوم نے فرمایا ہے اس نام نہاد اصلاح اور صفائی کے باوجود اردو اور پنجابی میں ساٹھ فیصد الفاظ مشترک ہیں۔ یاد رہے کہ "صفائی" اور "اصلاح" کا یہ عمل ناسخ پر ختم ہوا تھا جب

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس نے سیکڑوں پنجابی کے اسماء و افعال کو ٹکسال باہر کیا. لیکن درمیانی دور کے اُردو شاعروں خاص طور سے سودا، میر تقی میر، انشاء، اور نظیر اکبرآبادی کے کلام میں پنجابی کے الفاظ کثرت سے دیکھنے میں آتے ہیں. ان شعراء نے پنجابی روزمرے اور محاورے کو بھی آزادی سے برتا ہے. یہاں ہم میر تقی میر کے کلام سے مثالیں دیں گے .

منظور ہو نہ پاس ہمارا تو حیف ہے
آئے ہیں آج دُور سے ہم تجھ کو تاڑ کر[1]

کس کس کو میرؔ ان نے کہہ کر دیا ہے بوسہ
وہ ایک ہی مغتنق یوں ہی تُچّا رہے

دل لے کے لونڈے دِلّی کے کب کا پچا گئے
اب ان سے کھائی پی ہوئی شے کیا وصول ہو

فرہاد و قیس ساتھ کے سب کب کے چل بسے
دیکھیں نباہ کیونکہ ہو اب ہم چھڑے رہے

سنگِ بالیں میرؔ کا جو باٹ کا روڑا ہوا
سخت کرجی کو گیا اس جا سے وہ بچور کیا

جب سر پٹکنے نے تاثیر کچھ نہ کی
ناچار میرؔ منڈکری سی مار سو رہا

باقی نہیں رہا کچھ گھسٹے ہی گھسٹتے ہم میں
بیماریٔ دلی نے چنگا بہت بنایا

وہ تو ہی ہے کہ مرتے ہیں سب تیرے طور پر
جھروکے کو جان کے کب ہیں دوال ہم

تیرِ ستم کا تیری ہدف کب تلک رہوں
آخر جگر ہے لوہے کا کوئی توا نہیں

ڈھایا جنوں نے اس کو ان پر خرابی آئی
جانا گیا اسی سے دل بھی کسو کا گھر ہے

اے غیر میرؔ تجھ کو گر جوتیاں نہ مارے
سیّد نہ ہووے پھر تو کوئی چمار ہووے

نکہتِ خوش اسکے پنڈے کی سی آتی ہے مجھے
اس سبب گُل کو چمن کے دیر میں نے بُو کیا

تازہ جھمک تھی شب کو تاروں میں آسماں کے
اس آسیا کو شاید پھر کر کسو نے رانا

کیا تم کو پیار سے وہ اے میرؔ منہ لگا وے
پہلے ہی چومے تم تو کاٹو ہو گال اُس کا

مت ان نمازیوں کو خانہ سازِ دین جانو
کہ ایک اینٹ کی خاطر یہ ڈھاتے ہیں کتنے مسیت

---

[1] اقبال کا ایک مصرع ہے ؎ بھری بزم میں اپنے عاشق کو تاڑا۔ اس پر اہلِ زبان مجھے تعریض کی تھی کہ تاڑنا پنجابی کا لفظ ہے اس لئے غیر فصیح ہے. خدا معلوم وہ میر تقی میر کے 'تاڑ کر' کو کیا کہیں گے.

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہ گئے منہ تنھوں سے نوچ کے ہم
گر ہوس ہے اسی قدر ہے بس

کیا پچھتے کا فائدہ جو شیب میں چیتا
سونے کا سماں آیا تو بیدار ہوا میں

جوں دود عمر گذری سب پیچ و تاب ہی میں
اتنا ستا نہ ظالم ہم بھی جلے بلے ہیں

ہر چند جائیں جاتی ہیں پہ تیغ جور سے
تم کو ہمارے سر کی سوں تم ہاتھ مت اٹھاؤ

چھپ مک کے بام و در سے گلی کوچے میں سے میر
میں دیکھ لوں ہوں یار کو اک بار ہر طرح

بھر دی تھی چشم یار میں یارب کہاں کی مے
مجلس کی مجلسیں نظر اک کرتے چھک گئیں

تنگ پوشی تنگ درزی اس کی جی میں کھب گئی
کیا ہی وہ محبوب خوش ترکیب خوش پوشاک تھا

اڑاتا گڈی وہ باہر نہ آوے
مبادا مجھ کو بھی گڈا بنا دے

بیکسانِ عشق تھے ہم غم میں کھپ سارے گئے
بازخواہِ خوں نہ تھا مارے گئے ملے گئے

یاں پلیتھن نکل گیا واں غیر
اپنی تکی لگائے جاتا ہے

کوئی عمامہ لے بھاگا کنھوں نے پیرہن پھاڑا
بہت گستاخیاں یاروں نے کیں واعظ کی خدمت میں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

برسوں میں کبھو ایدھر تم ناز سے آتے ہو
پھر برسوں تئیں پیارے جی سے نہیں جاتے ہو

ہیں جزوِ خاک ہم تو غبارِ ضعیف سے
سر کھینچنے کا ہم کنے سامان ہی نہیں

ایک رباعی: یکسو یہ کہ عیش و کامرانی کریے
یا خوب طرح سے زندگانی کریے
سگ کا، نہ ہوا ہمیں تو رتبہ حاصل
تا کوچے کی اس کے پاسبانی کریے

انشاء اللہ خاں انشاء کے ہاں بھی پنجابی کے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں ؎

ہے بندھا مینھ کے تار کا جھولا
کیوں نہ لے جھونٹے یار کا جھولا

اب کسی موذی کو جڑتا ہوں پھر اک بگ گھونٹا
ہو مدد حق ہو مدد ہو ہو مدد ہا ہا مدد

جس سے کہ چلبلے چپکے لاگیں لگایاں ہوں
لازم ہے یہ کہ منہ پہ اس کی رکھائیاں ہوں

لیس فی جبتی سوا اللہ کا
پرتوا ان میں جد نہ تد دیکھیو

ہزار طرح کی فکریں خراب کرتی ہیں
غرض نہ پوچھو کہ انسان کس تاذم ہے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رہا ہے ہوش کچھ باقی اسے بھی اب نبیڑے جا — یہی آہنگ اے مطرب لیے ٹک اور چھیڑے جا
کیا بھلا شیخ جی تھے دیر میں تھوڑے پتھر — کہ چلے کعبہ کو تم دیکھنے دوڑے پتھر
باجی کی باس میں جو رچی اک چنبے کی باس — تو ٹھیک ٹھیک ہو گئی دلہن بنے کی باس

میر اثر کی مثنوی 'خواب و خیال' سے بھی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :

مرد کی ذات بے وفا ہیگی — ان کے ملنے میں سب دغا ہیگی
وہ ترا واشگاف ہو جانا — پھر وہ لڑ بھڑ کے صاف ہو جانا
ہتھا پائی سے ہانپتے جانا — کھلتے جانے میں ڈھانپتے جانا
وہ ترا منہ سے منہ بھڑا دینا — وہ ترا جیبھ کا لڑا دینا

پنجابی کا نفوذ دکن تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ راجستھان میں بھی اس کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ میراں کے بھجنوں میں کثرت سے پنجابی کے الفاظ پائے جاتے ہیں چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

— سُرت کی کچھنی کاچھوں گی
— ایسی ہے کوئی پریم سنیہی تُرت سنیہا لاوے
— تم بلیاں بن پران دھرت نہیں دھیر
— چانچ کٹاؤں پپیہا رے اوپر کالو رے لون
— اب چھوڑت نہیں ہے پربھو جی
— ہنس کر تُرت بلاؤ
— پیو پیو میں رٹوں رات دن دُوجی سدھ بدھ بھاگی
— دھرتی روپ نوا نوا دھریا اندر ملن کے کاج
— اودھی بدیسی اجوں نہ آئے

ناسخ اور اس کے متبعین نے اردو شاعری سے پنجابی کے اسماء، افعال اور روزمرہ کو خارج کر دیا لیکن نثر سے ان کو خارج کرنا اُن کے بس کی بات نہیں تھی۔ چنانچہ اردو کے صاحب

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

طرز انشا پردازوں اور قصہ نویسوں کے یہاں کثرت سے پنجابی کے الفاظ ملتے ہیں رتن ناتھ سرشار لکھنؤ کے مشہور قصہ نویس تھے۔ ان کی کتابوں سے ہم پنجابی کے الفاظ پیش کرتے ہیں:

خدائی فوجدار: پرائے پھٹے میں پاؤں ڈالنا۔ کورے کا کورا رہا۔ میرے پیٹ میں بات پچتی نہیں۔ ہم تمہیں چنگا کر دے گا۔ اُپلے پاتھ رہی تھی۔ ایک گبرو جوان ادھر سے گذرا۔ عقل کے پیچھے سونٹا لے کر دوڑتے ہو۔ گیڑیاں کھیلیں گے۔ زمین پولی رکھی کہ مخالف گر جائے۔ نہ جاتا تو اس وہاڑے کو کاہے کو پہنچتا۔ کھری مزدوری چوکھا کام۔ جلتے بلتے انگاروں میں جھونک دیا۔ عورت اس پر ریجھ گئی۔ اس سودائی سے جان کھپی کرنی پڑی۔ دھوپ میں چونڈا سفید نہیں کیا۔ مکان ڈھے گیا۔ لون لگے نہ پھٹکڑی رنگ چوکھا آئے۔ بچے دور پہاں سے۔

فسانۂ آزاد: پیر مرد کھانگتے کھونگتے آن کھڑے ہوئے۔ جھلنگے سے باہر نکلے۔ چوٹے اٹھائی گیرے۔ اس کی سات پیڑھیوں پہ احسان کیا۔ دونوں بہنیں سیانی تھیں۔ روح کی چول چول ہلا ڈالی۔ مجھے الہنا دیا۔ نک چڑھی اس لڑکی کو گانٹھ لے۔ یہ بادل بھڑی کا پیش خیمہ ہے۔ آپ کے گھنے پن سے جلتی ہوں۔ منہ پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے۔ پوتڑوں کے رئیس ہیں۔ تکڑا آدمی ہے۔

جام سرشار: کسی سے پوچھا نہ گچھا۔ پھٹے منہ۔ پھٹے حال۔

محمد حسین آزاد جیسی اُردو کس نے لکھی ہوگی۔ ان کی "دربارِ اکبری" سے مثالیں دی جاتی ہیں:

مارے خوشی کے چک پھیریاں لیا کرتا تھا۔ ملا روٹی توڑ شروے چٹ۔ ہاتھی لانگتے پھلانگتے چلے جاتے۔ بڑا سرتا سیانا تھا۔ ہانڈی میں جو ہوتا ہے وہی ڈوئی میں آتا ہے۔ ایک لپ بھر اشرفیاں دیں۔ دل میں کھوٹ کپٹ کچھ نہیں۔ سونے چاندی کے باسن دینے۔ میں بے گنے لوگوں کے پتے دیتا ہوں۔ باتوں سے بھلاوے میں ڈالا۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

برف کے ڈھیمے۔

قصص ہند : ٹکور۔ ٹھنڈے ہوئے۔ کھڑاک۔ پر چتے پرچاتے۔ گھوڑے کی ایل۔ ننگے بچے۔

مولوی نذیر احمد دہلوی روزمرّے اور محاورے کے بڑے رسیا تھے۔ ان کے اس شوق کے باعث پنجابی کے الفاظ کثرت سے ان کی کتابوں میں دکھائی دیتے ہیں "المحصنات" سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

چونّوں لونّوں کی طرح۔ پنڈے پر ہاتھ نہیں دھرنے دیتا۔ سخی سے سوم بھلا جو ترت دے جواب۔ ہتّے سے اکھڑا ہوا تھا۔ کنّی اس کی للّو پتّو میں لگی رہتی ہے۔ تم کو اسی کا پِتنا پڑا رہتا ہے۔ آدمی آنکھوں پر ٹھیکری دھر لے۔ چاپن چپیڑ کرنا۔ گھر کی چیز بست دھرے اٹھائے۔ تڑا تڑ آٹھ دس لتیڑے رسید کئے۔ ہتوفی (نکھٹو)۔ گجی مار (گھنّی مار)۔ بوہنی کراؤ۔ آلکسی (سستی)۔ ادوان۔ بھلنگا۔ کڑک مرغی۔ کنّی دینا۔

پیارے لال آشوب نے "من سکھی سندر سنگھ" کا قصہ ۱۸۶۸ء میں لکھا تھا وہ بھی بے تکلف پنجابی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں :

سائیں کے بھنڈار میں کوئی کمی نہیں۔ تیرے چاچا نے تو کتّے کے برابر بھی آدر (تواضع) نہ دیا۔ لڑکی تو کانڑی ہے۔ اس کی آنکھ میں پھلّی ہے۔ کھارا (تیلیوں کا ٹوکرا)۔ لڑکی سندر ہے اور اسی گھر جوگ ہے۔ عورت جاگی اور بہت دوَلا کیا۔ چھوری ایسی جیسے گنڈیرے کا ٹکڑا۔ چھوری کا توم تھلّا۔

اصلاح اور صفائی کے باوجود پنجابی کے سیکڑوں الفاظ آج بھی اُردو میں موجود ہیں۔ اُردو والے پنجابی سے ناواقف ہونے کے باعث انھیں پراکرت، دکنی یا بھاشا کے الفاظ سمجھتے رہے ہیں۔ یا من مانے معنی پہناتے رہے ہیں۔ اس ضمن میں مثنوی من لگن کے مرتب نے ایک لطیفہ بیان کیا ہے۔ محمود بحری کا شعر ہے ؎

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سُل ہے منجے جو دانت کی ہور زلف کی تری　　اس سین کو سرن ہے ہو اس لام کو سلام

سُلنا پنجابی کا مصدر ہے جس کا معنیٰ ہے سوراخ کرنا۔ ابواللیث صدیقی صاحب پنجابی نہیں جانتے۔ سُل بالفتح کو بالکسر پڑھا اور مزاحاً لکھا کہ کسی عاشق کو سِل کا مرض نہیں دیکھا تھا۔ اُردو میں پنجابی کے کئی الفاظ ایسے بھی ہیں جنھیں پنجابی سے ناواقفیت کے باعث تابع مہمل سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً کَھلا بلا، لڑ بھڑ، چھُپ لُک، چپ چپاتے، دن دہاڑے، ہلنا جلنا، برتن بھانڈا، گورا چِٹا، بھلا چنگا، موٹا جھوٹا، سنڈا مسٹنڈا۔ میں ہر دوسرا لفظ پنجابی کا بامعنی لفظ ہے تابع مہمل نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ پنجابی زبان کی قدامت، وسعت اور ہمہ گیری کو اجاگر کیا جائے۔ وارث شاہ نے اس قدیم اور مُتموّل زبان میں ہیر رانجھے کا قصّہ لکھا اور ٹھیٹ پنجابی کے ایسے سیکڑوں الفاظ، تراکیب، محاورے اور ضرب الامثال ہمارے لئے محفوظ کر لئے جو شاید "ہیر" کے بغیر مٹ مٹا کر رہ جاتے۔ ان محاوروں اور ضرب الامثال میں اظہار و بیان کی شگفتگی، لوک بت کہاؤ کی فطری تازگی اور کسانوں کی دانش و خرد کا لطیف امتزاج ہوا ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

فند لانڑاں (دھوکا کرنا) سُتّیاں کلاں جگانڑاں (فتنۂ خوابیدہ کو بیدار کرنا) تھال وِچ چِدنڑاں (ناشکری کرنا) دُدھ وِچ اَک چونڑاں (رنگ میں بھنگ ڈالنا۔ مرچاں لون دی چاٹ لگانڑاں (نون مرچ لگانا) پِیڑ ونڈانڑاں (غم خواری کرنا) مُکھ بھوانڑاں (بے رخی کرنا) یار ہنڈانڑاں (دوست کے وصل سے شادکام ہونا) چادناں چُکناں (ذمہ لینا) بیج نتارناں (بات کی تہ تک پہنچنا) شرم دی لوئی مُکھ توں لاہنڑاں (بے حیائی کرنا) کھیسہ کھانڑاں (جھک مارنا) جیت بھرمانڑاں (دل موہ لینا) پوریاں پونڑاں (بامراد ہونا) پَنڈ چاونڑاں (ذمہ لینا) بھِجّ وِچ چھٹناں (رسوا کرنا) دوھ بعبت ہونڑاں (رشتہ خلطی ہونا) دکھ ترٹناں (تکلیف اٹھانا) تُل بیٹھ انگیار رکھناں (دھوکا دے کر مارنا) ہُنڈھ کرنا (حوصلہ کرنا) بیال کرنا (مکر کرنا۔ جھگڑا کرنا۔ سودا کرناں) مُوت وِچ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

چھتیاں پھڑناں (کمینہ پن کا اظہار کرنا) سنڈا چونڑاں (ناممکن کو ممکن کر دکھانا) لیڑے لاہ لینڑاں (لوٹ لینا) لکھاں وچ انگلیاں رکھناں (راز چھپانے کی ناکام کوشش کرنا) گھول گھماوناں (قربان ہونا) کھوہ اُٹھا گیڑناں (الٹی بات کرنا) بُجھے وانے بیجناں (سعی رائیگاں کرنا) چن چڑھناں (خوش ہونا) گُلھاں اُتے بھنبیریاں اُڈناں (حسن وجمال کا دکھنا) باندر ہتھیلیاں دا راکھا۔ بکریاں دا راکھا گدڑ۔ جواں دا راکھا کھوتا (ایسا محافظ مقرر کرنا جو حفاظت کرنے کے بجائے نقصان پہنچائے) جھاڑا جھاڑناں (ٹھگ لینا) ٹہل ٹکور کرانڑاں (خدمت لینا) جبٹ تے بھپٹ بدھے قابو آوندے نیں۔ بھیڈاں وچ اُٹھ چھپانڑاں (احمق ہونا) ونڈیاں بلکناں (منت کرنا) دل دی گنڈھ کھولناں (کدورت کا باقی نہ رہنا) تھال وچ لُون بھنناں (احمقانہ حرکت کرنا) لوہا تا کے جیبھ نال چٹناں (عذاب جھیلنا) ڈور بھور ہونڑاں (حواس باختہ ہوناں) اکھیاں وچ چوہنڈی وڈناں (آنکھ سے ذومعنی اشارہ کرنا) دِل ڈولانڑاں (مائل ہونا) ڈول ڈالناں (ڈیرہ ڈالنا) جیڈ تے کھڑکدیاں رہناں (بیکار بیٹھے رہنا) درلاپ کرناں (فریاد کرنا) کھد بھوانڑاں (بے اعتنائی کرنا) موہڈیاں اُتوں تھکاں سُٹنا (جوانی کی بدمستی کرنا) لوک چرانڑاں (سب کو دھوکا دینا) کواردیاں چونڈیاں کھولناں (ازالۂ بکارت کرنا) رتّے ساہن وانگوں اُڈّی مارناں (خرمستی کرنا) رنّاں وَلاوناں (عورتوں کو ورغلانا) جُتیاں ہتھ کرنا (بھاگ کھڑا ہونا) جیبھ ساں تے چڑھانڑاں (زبان درازی کرنا) مَتّا پکانڑاں (صلاح مشورہ کرنا) بوہے بوہے پھرناں (آوارہ پھرنا)۔

کھواڑے کول اگ ڈیناں (خطرہ مول لینا) اولڑے بول بولنڑاں (الٹی باتیں کرنا) نیہوں لگاوناں (پیار کرنا) دل دی گھنڈی لاہناں (غصہ دور کرنا) بُرکیاں گنناں (خسیس ہونا) چیتر وجاوناں (خوش ہونا) ہچا جالناں (عذاب جھیلنا) دِس کھولناں (قہر درویش برجانِ درویش) چوبارے چاڑھ کے پوڑھیاں چانڑاں (دھوکا دینا) پیڑھیاں پُننناں (گالیاں دینا) چور اُچکا چوہدری گنڈی رن پردھان۔ بولیاں مارناں (طعنے دینا) لیک لانڑاں (بدنامی کا باعث ہونا) کھسماں دا سر کھانڑاں (لعنت بھیجنا) ہت لاہ لینڑاں (بے عزت کرنا) لپّوں جھناں (ہاتھ سے دے بیٹھنا)

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پہاڑ تولناں (بہت بڑا جھوٹ بولناں) جوانیاں مانڑاں (جوانی کے مزے لوٹنا) جھولی اڈناں (خیرات مانگنا) ڈھاک مروڑناں (عورت کا کولھا پکڑ کر چلنا) ریجھ لاہنڑاں (شوق پورا کرنا) ۔ بھُوسے ہونڑاں (گستاخی کرنا) کھتے پینڑاں (بیچ جھاڑ کر پیچھے پڑنا) مُتھا ڈاہناں (مقابلہ کرنا) یُبھ جانڑاں (تھک کر چور ہونا)

ہیر وارث شاہ میں ہزاروں الفاظ ہیں جو خالصتاً پنجابی کے ہیں اور کسی دوسری زبان سے ماخوذ نہیں ہیں۔ یہی بات ہم اُردو یا ہندی سے متعلق نہیں کہہ سکتے۔ بدقسمتی سے ابھی تک دراوڑی تحریریں پڑھی نہیں جا سکیں۔ اس لئے ہم حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ پنجابی میں فلاں فلاں لفظ دراوڑوں کے عہد سے یادگار ہیں۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ مردہ زبانوں کے الفاظ بھی کسی نہ کسی جدید زبان میں پائے جاتے ہیں تو ہم وراثتاً کہہ سکتے ہیں کہ پنجابی کے وہ الفاظ جو ترکی فارسی، عربی، سنسکرت، بھاشا کسی زبان میں بھی نہیں ملتے وہ اصلاً ماقبل آریائی دور سے ہم تک پہنچے ہیں۔ مصر قدیم، سمیریا، بابل، اشور، فنیقیہ وغیرہ قدیم تمدن فنا کے گھاٹ اتر گئے اور ان کے ساتھ ان کی زبانیں بھی مُرمِٹ گئیں لیکن پنجابی تمدّن کا تسلسل سیاسی انقلابات کے باوجود باقی و برقرار رہا ہے۔ شہروں اور قصبوں میں ان انقلابات کے باعث غیر ملکی تمدّنوں اور زبانوں کا یقیناً نفوذ ہوا لیکن پنجاب کے دور افتادہ دیہات کے معاشرے اور زبان تک یہ اثرات کم پہنچے۔ آریاؤں کی آمد سے پہلے پنجاب اور سندھ میں زرعی معاشرہ قائم تھا جس میں ایسے الفاظ و تراکیب مستعمل تھے جو کھیتی باڑی سے خاص ہوتے ہیں۔ حملہ آوروں میں آریا گڈریے تھے۔ ہُن اور سیتھین صحرائی تھے۔ پٹھان اور مغل کوہستانی تھے اس لئے ان کی آمد اور آبادکاری کے باوجود وہ تراکیب و اصطلاحات جو قدیم زرعی معاشرے میں وضع کی جا چکی تھیں اپنی اصلی صورت میں باقی رہیں۔ مثال کے طور پر وارث شاہ نے جو گھاس کی قسمیں گنائی ہیں ان کے متعلق ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان کے نام وہی ہیں جو زمانہ قدیم میں تھے۔ مثلاً لبلی، سرالا، گرہم، سیجر، وٹل، مُرک، کھبل، دھامن، چوراں، لُونک، سوانک، ڈبھ، کاہی، اِتّھی

طرح بھینس بھی ما قبل آریائی دور سے پنجاب میں پالی جا رہی ہے۔ پنجاب کے زرعی معاشرے میں اسے جو اہمیت حاصل رہی ہے دنیا کے کسی زرعی معاشرے میں نہیں رہی۔ چنانچہ وارث شاہ نے بھینس کی جو قسمیں گنائی ہیں ان کے نام ہندوستان اور پاکستان کی کسی قدیم و جدید زبان میں نہیں ملیں گے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ دیہاتی بھی کیا جانتے ہوں گے۔ ان ناموں اور قسموں سے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی ما قبل آریائی دور سے چلے آ رہے ہیں نام اور قسمیں درج ذیل ہیں:

ڈھیلیاں، موریاں، بوریاں، کیلیاں، کنڈھیاں، مٹیلیاں، لنڈیاں، روڑیاں، کرُیلیاں، کھیپلاں، منسیاں، ہررو، ہائیاں، سوُن، پھڑاں، لکھ، نگواں، ڈوکلاں، بھتیلیاں، ڈھڈلاں، ڈاگاں۔

وارث شاہ کی ہیر میں ہزاروں الفاظ ایسے ہیں جو خالصتاً پنجابی کے ہیں ان میں چند اسمار صفات، افعال، مصادر درج ذیل ہیں:

اسماء وغیرہ: ارلی، سیاڑ، سیّیں، جھوٹی (نوخیز بھینس)، کٹی، کٹا (بھینس کے بچے) چاڑے یا پاڑے (ہل چلاتے وقت جو کھیت میں خلا رہ جاتے ہیں) لدھا، گواہنڈ، بھا، واہ (اختیار) لیڑا، رولا، پنڈ، ہک، مجّھ (بھینس) جھجھّ (کمر) جیبّی، تاون، ہبلکا، پڑ، چھوڈا (دنداسہ) وہڑلیبا، چول، ڈور، منگو، کھانگڑ، اٹریں، جھوک، شبھ، ٹنگھ، نیڑے، کنگ، ستراٹراں، نتراٹراں، پاکھڑی، پلاکڑی، ساکڑی، بھتاڑ، بوبا، دھرکونا، گھواں، سبھتی، نخبٹھ، چوپنڈی بڑھک، جیٹھ، دھسکل، وہڑ، ٹاترا، ٹیر، اوت گھتوتی، کھنگل، پھوکڑی، سوکڑی، توکڑی، تیلا (ایک کیڑا جو فصل کو نقصان پہنچاتا ہے) لانچڑنا، روڑی، ڈھڈ، وچول، درلاپ، روڑ، آہر، اواگھت، ادھول، اوکڑ، اناکھڑی، باہرلی، بونتر، بھوہا، پڑانڑاں، پلاکی، بھپر، بھنڈ، بھتڑہ، ڈوہنی، ٹنیس، جلی، مجھڈو، جھوراٹھ (لڑکا) چھڑ، لونّاں (احمق) کولیکھ، مرکھت، ملّا، مسکھ، انابری، رنجھ (برا آدمی) نیانڑاں، موتبح (دبدبہ) ڈنگی، وڈیل، ہنٹھ، ہلتھ، ویر، ہوڑ، ہیک، گمیو وغیرہ

مصادر: کھدیڑناں، داگناں، وتجاپناں، ڈسکناں، ٹرکناں، مچرکناں، جھڑناں، چھوہناں لیٹرناں، رہتناں، سلاہناں، گھتناں، اچھّباں، گھپتاں، جالناں، دسرناں، جھونڑاں، چوہکناں،

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ڈاہنڑاں، ترھنتاں، اڑانڑاں، بلیانڑاں، گھمکاونڑاں، کڑناں، جھبناں، لوڑناں، گھوکانڑاں، اُلنگناں، الکانڑاں، گیڑناں، کھوترناں، رڑکناں، دُوھاناں، اُساریاں، چوبڈناں، کھیہناں، اُلاریاں، چنڈنڑاں، کھونڈناں، بھڑ ھتھو ماریاں، اوسیاں پانڑاں، وِرکناں، چانڑاں، کلاوناں، ترٹناں، ونگاریاں، اگھاڑیاں، باہوڑیاں، یُوڑناں، بوہکناں وغیرہ۔

مصر، سمیریا، پنجاب اور سندھ میں تاریخِ عالم میں سب سے پہلا مادری نظام معاشرہ قائم ہوا۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں اس معاشرے میں عورت کو مرکزی حیثیت دی جاتی تھی۔ پنجابی زبان کے ڈانڈے اسی معاشرے سے جا ملتے ہیں۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ صورت شکل، قدو قامت ڈیل ڈول، عادات و خصائل کے لحاظ سے عورت کی جتنی قسمیں پنجابی زبان میں دکھائی دیتی ہیں شاید ہی دنیا کی کسی دوسری زبان میں ملیں۔ عربی زبان میں تلوار اور گھوڑے کے لئے ایک ایک سو الفاظ پائے جاتے ہیں۔ "ہیر" میں عورت کے لئے ایک سو سے زائد الفاظ موجود ہیں۔ ان میں سے چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں:

اناکھڑی (کنواری)، اول سنولی (سب کچھ ہڑپ کر جانے والی)، باندر نکی (بندر کی ناک والی)، اودھل (اغوا ہونے والی)، سودھل (بیاہتا)، بودلی (احمق)، بوسری (موٹی)، بانگڑ بلی (جس کا چہرہ جنگلی بلی جیسا ہو)، بھیڑ بختی (بدکار)، بھیڑ مجھتی (بدشکل)، پٹاکی (شوخ و شنگ)، پدیڑی (زیادہ پاد نے والی)، پنڈولی (سخت بدن والی)، پھینی (چپٹے ناک والی)، تمدے لاہتی (چالاک)، بڑبولی (شیخی خوری)، باہگی (بھینگی)، پھپھے کٹنی (مکار)، تھالب گلھی (موٹے رخساروں والی)، ٹھکر ٹھلی (موٹی تازی)، پھنیری (غصیلی)، ٹوہنی (چھیڑ چھاڑ کرنے والی)، ٹھٹھولی (مذاق کرنے والی)، جھوکی (واہیات)، چھتر نکی (چپٹے ناک والی)، چپری (ٹیڑھے منہ والی)، جلتھی (کاہل)، جوٹھ (بدکار)، چیپتی (چھوٹی آنکھوں والی)، چھیل چھبیلی (بے شرم)، چوڑناسی (گستاخ)، ٹونے ہاری (بے رحم)، ڈاری (ظالم)، بھیڑو کاری (لڑاکا عورت)، کباڑی (ضدی، اجڈ)، چھٹ (ہٹ دھرم)، چبھاڑی (زبان دراز)، دیجولی (دلالہ)، ہوچھی (کمینی)، مونہہ پھٹی (بکواس کرنے والی)، گھنولی (گھی کھا کر پلی ہوئی، مجرب)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لبوچڑی (موٹی) لسّڑی (خوش مزاج) گھوکل کنّی (جان بوجھ کر بات نہ سننے والی) مِلیِنی (بظاہر مسکین لیکن بہ باطن چالاک) مِتّیلی (فریفتہ کرنے والی) گھرڑگھسی (بدکار) توّنی (احمق) کوکڑی (اجڈ) کھڑدنبی (فاحشہ) گربھ گیلی (بڑے پیٹ والی) کھیوی (بدمست) میل منولی (منانے والی) لٹ باؤلی (نخریلی) گل پھٹہری (ابھرے ہوئے رخساروں والی) وٹ مُنّھی (بد مزاج) دھکّل (فربہ) چترگھسی (زانیہ) چھینچرہاری (شوخ و شنگ) تجّیال (بدکار) ڈھاک مروڑی (کولھا پھڑکا کر چلنے والی) سوئن چڑی (مالدار) کجّی (پھوہڑ) کدّو گلّھی (موٹے رخساروں والی) چھیر چھڈّی (بدکار) دھریل (داشتہ۔ بے نکاحی) کنت بڑولی (جسے شوہر نے چھوڑ دیا ہو)۔ کھیڈ کھڈّہی (ہنسی میں ٹرخانے والی) کیری (اگر بہ چشم) سنس منتی (شوہر کو منانے والی) لوتری (گستاخ) لل دلّی (احمق) موموں ٹھگنی (میٹھی باتوں سے رام کرنے والی) ہُڑنکی (چپٹے ناک والی) گینٹڑیں (پستہ قد) گُتّی (بے عزت، لڑاکا) پچھ پیری (منحوس) چھجاڑی (زبان دراز) کباڑی (ضدی۔ احمق) گھوٹنی (چھوٹے قد والی موٹی تازی) انگ جھبیڑی (بدن سکیڑنے والی) پھپھیڑی (کنجوس) دوکھی (کینہ پرور) ڈھگڑ دھیل (بہت ہی موٹی) سج سجیڑی (بناؤ سنگار کرنے والی) سچجّی (سلیقہ شعار) لوہے لاکھی (غصیلی) مَتَدھرمَٹّی (بہت چھوٹے قد والی) ہستنی (جو اکثر مسکراتی رہے) کپڑ جھجری (بے عزت) سنول (صلح کرانے والی) نک ٹھوکی (موٹے ناک والی) مٹھڑی (فریفتہ) چھانگی (جس کے ہاتھوں میں چھ انگلیاں ہوں) اچاہتی (گستاخ) ہرہاری (ہرجائی) نڈھی (نوخیز) مٹیار (جوان عورت) سوانی (شریف) مان متی (اپنے حسن پر غرور کرنے والی) ٹھگنی (موہ لینے والی) ۱۰۱

لطفِ بیان : وارث شاہ کا کلام سراپا انتخاب ہے۔ ہیر کو کہیں سے بھی پڑھنا شروع کیجیے اظہار و بیان کی تازگی ایک نفس میں آپ کو مسحور کر لے گی۔ وارث شاہ نے ابتدائے عشق کی وارفتگی، وصال کی شادکامی اور خود سپردگی، درد فراق کی سوزناکی، چاہنے والوں کی والہانہ شیفتگی، امید و بیم کی آویزش، شادی بیاہ کی رسوم، عورتوں کی نوک جھونک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دیور بھابیوں کی طنز و تعریض ۔ دیہاتی زندگی کی وصف نگاری ، قدرتی مناظر کی تصویر کشی ، دیہاتیوں کے اوہام ، معاشرے کے مختلف طبقوں کے افراد کا طرزِ گفتگو جیسے متنوع مضامین پر استادانہ چابک دستی سے قلم اٹھایا ہے ۔ یہ خلوصِ جذبہ کا کرشمہ ہے اور دقتِ مشاہدہ کا کمال ہے کہ ہیر کو پڑھنے والا بے اختیار اپنے آپ کو اس سحرِ حلال کے سپرد کر دیتا ہے ہم نے گذشتہ اوراق میں جو اشعار نقل کئے ہیں ان سے وارث شاہ کی قادر الکلامی کا روشن ثبوت ملتا ہے تاہم قارئین کی ضیافتِ طبع اور خود اپنی حظ اندوزی کے لئے ہم چیدہ چیدہ اشعار درج کریں گے جو وارث شاہ کے اعجازِ فن کے شگفتہ نمونے ہیں :

چاہنے والا کہتا ہے ۔ اے میرے محبوب ہم آنکھ کی پتلی کی طرح تجھے اپنی آنکھوں میں جگہ دیں گے ۔ ؏

ساڈیاں اکھیاں دے وچ وانگ دھیری ڈیرا گھت یوہ ہل نہ سجناں او

عشق کا بار کندھوں کو شکستہ کر دیتا ہے لیکن عشاقِ صادق اسے اٹھا کر منزلِ مقصود تک پہنچ ہی جاتے ہیں ؏

عاشق چلک کے عشق دی پنڈ سر تے کٹھ منزلاں پار اُتار دے نے

سہتی رانجھے سے کہتی ہے تو مجھے ورغلا نہیں سکے گا میں دوسری جٹیوں کی طرح دل پھینک نہیں ہوں ؏

ہوراں جٹیاں وانگ میں نہیں کچی کی لینائیں چیت بھرمائیکے دے

سہتی رانجھے سے کہتی ہے کہ تیری زبان ایسے چلتی ہے جیسے زمائش پر بنوائے ہوئے جوتے چرا چر کرتے ہیں ۔ تشبیہ خالص دیہاتی ہے اور خوب ہے اس میں طنز کی ایک دنیا آباد ہے ؏

تیری چرا چر پھر کدی جیبھ ایویں جیویں جُتیاں مُرکدیاں سایاں دیاں

رانجھا کہتا ہے کہ دولت مندوں کے سبھی دوست ہوتے ہیں بات تو یہ ہے کہ کسی غریب سے پیار کیا جائے ؏

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دولت منداں نوں جاندا سب کوئی ہنوں نال غریب دے پالیئے نیں

صحبتِ ناجنس کا ذکر کرتے ہوئے رانجھا کہتا ہے ؎

نال بھوریاں ریشماں میل کیہا ساتھ اُن دے میل کی پونیاں نے
شتر نال روباہ اہوئیں سجھ سعتی جیویں نال شہباز چوبنیاں نے

ریشم اور بھورے (بالوں سے بنتا ہے) اُون اور سوُت، اونٹ اور لومڑی، شہباز اور چونے (ایک ننھی سی چڑیا) کا کیا میل؟

وارث شاہ کہتے ہیں کہ دنیا میں جو چیزیں سچا حظ و لطف بخشتی ہیں وہ ہیں:

دھاراں لکھانگڑاں دیاں جھوکاں ہاتھیاں دیاں گھول کواریاں تے مزے یاریاں دے

ایک ہی مصرعے میں فلسفۂ حظ و مسرت سمو دیا ہے۔

گدڑیا رانجھے سے ہیر کے حسن و جمال کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

موجاں ماردا حسن دریا جتا اُتے بُوبَاں آوندا جھگ دائی
چہرہ سرخ گلاب دے پھل والا وانگ کولیاں شوخیوں مگھ دائی

ہیر کے حسن کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس کے پستان ایسے ہیں جیسے گرداب پر جھاگ کا گالا اُبھر آتا ہے۔ اس کا چہرہ گلاب کے پھول کے مانند سرخ ہے اور انگاروں کی طرح دہک رہا ہے۔

لڑکیوں کی نشتر زبانی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

کڑیاں بولیاں پھیر اکٹھ کرکے جیبھاں سان تے چا چڑھایاں نے

گدڑیا رانجھے سے کہتا ہے کہ

بن ہیر گوا کے ہیریا او جیہا رووناہیں اسرائیل وانگوں

ہیرا اور ہیریا میں رعایتِ لفظی کا لطف ملاحظہ ہو۔

رانجھے جوگی کا ذکر کرتے ہوئے وارث شاہ کہتے ہیں ؎

کدی سنگلی سٹ کے شگن واچے کدی سواہ تے اودسیاں پایاں نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کدی کنگ وجا ئیکے کھڑار ودے کدی ہُنکے ناد گھوکائیاں نے

اس شعر کے تصویری پیکر Image اس قدر اچھوتے اور انداز بیان ایسا انوکھا ہے کہ اس کا مفہوم کسی زبان میں منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا مصرع خاص طور سے لاجواب ہے۔

صُوفیہ وُجودیہ کا عقیدہ ہے کہ کائنات کی تکوین ذاتِ مطلق کی صفات سے ہوئی اور صفات ذات سے جدا نہیں ہیں۔ وارثؔ شاہ کہتے ہیں ؎

رانجھے آکھیا خیال نہ پَو میرے سپ شینہہ فقیر دا ویس کیہا
کونجاں وانگ ممولیاں دیس چھڈے اساں ذات صفات تے بھیس کیہا

جس طرح کونجیں اور ممولے موسم کی تبدیلی پر ترکِ وطن کرتے ہیں اسی طرح صفات ذات سے جدا ہوئیں لیکن جدا بھی نہیں کیونکہ ترکِ وطن کے باوجود کونجیں اپنے دیس سے وابستہ ہیں کہ لوٹ کر وہیں آتا ہے۔

رانجھا سہتیؔ سے کہتا ہے ع

بدّل گڑدے وانگ کیوں گجنی ایں اُڈ گیا ای شرم وحیا موتیّے

جو بادل اولے برساتا ہے اس کی کڑک بڑی ہولناک ہوتی ہے۔ سہتیؔ کے شور و غل کو اس بادل سے تشبیہ دی ہے کہ غصیلی عورت کی گرج اس سے کم نہیں ہوتی۔

کہتے ہیں کہ دُور کے ڈھول کی آواز اور سامنے کھڑے ہوئے محبوب کا دیدار اچھا ہوتا ہے۔

اُگّے نظر دے مزہ معشوق دا ئی اُتے ڈھول سہاوندا دُور جیہا

ملکیؔ اپنی بیٹی ہیرؔ سے کہتی ہے کہ لڑکیوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ جوان مسٹنڈوں سے چھیڑ چھاڑ کرتی پھریں ع

نال ساہناں دے پھریں دن رات کھیہندی تیرا حال ایہوا ٹھّے پہر ہے نیں

یہ مصرع بھی انہی سے منسوب ہے اگرچہ مجھے ہیرؔ میں دکھائی نہیں دیا ع

وارثؔ شاہ میاں جھوٹی گڑھی جاسی جیہڑی کھیہڑدی اے نال سنڈیاں دے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وصال کا منظر جب ہیر بے اختیار جوگی کے گلے لگ جاتی ہے ؎

بارو وگی انھیری عشق والی، اُٹھ شرم حیا دی تپگ گئی
وارث شاہ رب جوڑ وا جوڑیاں نوں کھب جھاپ اندراج تگ گئی

جب عشق کا طوفان پھٹ پڑے تو شرم کیا اور حیا کیسی۔ یاد رہے کہ زور کی آندھی آئے تو سر سے پگڑی اڑا کرلے جاتی ہے۔ دونوں عشاق بغل گیر ہوئے گویا نگینہ انگشتری میں جڑ دیا گیا۔

ہیر سہتی سے کہتی ہے کہ میں رانجھے کے فراق میں اور تو مراد کی جدائی میں تڑپ رہی ہے۔ کیوں نہ ہم دونوں اپنے اپنے عشاق کے وصال سے شاد کام ہوں اور بچھڑے ہوئے دوستوں کو جی بھر کے گلے لگائیں ؎

تینوں ملے مراد تے اساں ماہی دونویں اپنے یار ہنڈھائیے نی
ہووے میل جو چریں وچھنیاں دا یار رج کے گلے لگائیے نی

یار ہنڈانڑاں ایسا محاورہ ہے جس کا مفہوم کسی دوسری زبان میں ادا کرنا ناممکن ہے۔

ہیر کی ساس اپنی بہو کو چپ چاپ اور اداس دیکھتی ہے تو کہتی ہے۔ ؏

کوئی گھبڑا روگ ہے ایس دھانا آ بین نال ایہ کدھدی ساہ گھٹیئے

اور اس تمنا کا اظہار کرتی ہے کہ ہیر ؏

دلوں گنڈھ کھولے مونھوں ہس بولے کلی دلے دی خاص شگفتہ ہووے

"گھبڑا روگ" اور "دلوں گنڈھ کھولے" میں جہانِ معانی پوشیدہ ہے۔

جب ہیر نے بہانہ کیا کہ اُسے سانپ نے ڈس لیا ہے وہ بلی کے بچے کے مانند نحیف آواز میں بولنے لگی ؏

بدل ہیر دی گئی آواز زہروں سہجے بولدی بچیں بلونگڑا ئی

تشبیہ خالص دیہاتی ہے اور نہایت موزوں اور اچھوتی ہے۔

جوان لڑکیوں کی چال ڈھال اور زلفِ سیاہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کنگی پا ئیکے لنگدی چال چلن نال چادڑاں چھیل چھبیلیاں نے
زلفاں کالیاں ناگناں گھڑے تے کسی باندی منتراں کیلیاں نے

شوخ و شنگ لڑکیاں ناز و ادا سے مستانہ وار اٹھلا اٹھلا کر قدم اٹھا رہی ہیں۔ ان کے چہروں پہ سیاہ زلفیں یوں لگتا ہے جیسے ناگنوں کو منتر پڑھ کر مسخر کر لیا گیا ہو اور وہ چلتی چلتی تھم گئی ہوں۔

رانجھا طنزیہ سہتی اور رابیل باندی سے کہتا ہے ؎

کیہیاں چندریاں لگیو اج متھے اکھیں بھکھ دیاں بھون بھنبیریاں نے

"بھ" کی تکرار نے لطفِ بیان کو اجاگر کر دیا ہے۔

بالترتیب کہتا ہے:

تنیں جٹ اک جھٹ وچ پٹ سٹ دے گھراں وسدیاں گھت پتھاڑیاں نوں

صوتی کیفیت قابلِ داد ہے۔

سہتی رانجھے کہتی ہے: ؎

ہاتھی وانگ ننگاں تیرا ڈھڈ کیا اتے سری جاپے صورت ڈٹ دی اے

کسی فربہ اندام شخص پر اس سے زیادہ بھرپور طنز نہیں کی جا سکتی۔

رانجھے کے سامنے شکایت کرتے ہوئے کھیڑوں نے کہا ؎

اہدیاں سیلیاں ویکھ کے بھل ناہیں اہنوں بھیس اے رناں بھسکا وَنیڈا

یعنی اس کے جوگی کے بھیس کو نہ دیکھئے یہ عورتوں کو ورغلانے کا بڑا شوقین ہے۔

وارث شاہ کہتے ہیں کہ عشق کا ذائقہ سخت کڑوا ہوتا ہے لیکن عشاق کے لئے شرابِ طہور ہے۔

مزہ کوڑا ای عشق دا وانگ تمے جاپے عاشقاں آبِ طہور دا اے

نکتہ پردازی ملاؤں کی سرشت میں ہے ؎

وارث شاہ میاں پنڈ جھگڑیاں دی پچھوں ملاں مسیت دا آیا اے

ملا کو "پنڈ جھگڑیاں دی" کہنا نہایت بلیغ اندازِ بیان ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ملکی ہیر کو سرزنش کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ہم نے تیری ہر طرح ناز برداری کی لیکن تو نے ہمیں رسوا کیا اور خاندان کی عزت برباد کی۔ ؎

نک وڈھہ کے کوڑماں گالیو ای ایہہ نفع لے لاڈ لڈاوتے دا

'کوڑماں گالناں' کے محاورے کا استعمال نہایت برمحل ہوا ہے۔

جب ہیر اور رانجھے کے پیار کا راز کیدو نے فاش کیا تو چوچک نے رانجھے کو ڈانٹ پلائی۔ رانجھے نے کام چھوڑ دیا۔ بھینسیں جو اس سے مانوس ہو چکی تھیں بے قابو ہو کر ادھر اُدھر بھاگنے لگیں، چوچک سخت پریشان ہوا اس نے ملکی کو رانجھے کے پاس بھیجا کہ اسے منا لائے۔ ملکی رانجھے سے کہنے لگی۔ ؎

ملکی آکھدی لڑیوں جے نال چوچک کوئی سخن نہ جیو تے لیاو نائیں
کیہا ماپیاں پتراں لڑن ہندا تساں کھٹناں تے اساں کھاونائیں
چھڑاں دے نال میں گھول گھتی مال سانبھ دا تیں گھر لیاو نائیں
کڑی کل دی تیرے توں رس بیٹھی تو تھیں اوسنوں آن مناونائیں

کہتی ہے ماں باپ اور اولاد کی بھی بھلا کوئی رنجش ہوتی ہے۔ اولاد کماتی ہے ماں باپ کھاتے ہیں۔ جاؤ ڈھور ڈنگر سنبھالو۔ ملکی پوری 'پھپھے کٹنی' ہے۔ کہتی ہے کہ ہیر کل سے تجھ سے روٹھی بیٹھی ہے جاؤ اور اسے منانے کی تدبیر کرو۔ یہ سن کر رانجھا بھلا کیا عذر کر سکتا تھا۔

ہیر کی سہیلیوں نے انتقاماً کیدو کی جھونپڑی کو جلا دیا۔ اس کی چیزوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ اسے خوب پیٹا، تو وہ شکایت لے کر چوچک کے پاس گیا اور پکار کر کہنے لگا ؎

مینوں مار کے اودھلاں منج کیتا مجھگی لا سوا تڑا ساڑیا نیں

اودھل وہ عورت ہوتی ہے جسے آسانی سے ورغلایا جا سکے۔ پنجابی میں گالی ہے۔ کہتا ہے کہ ان نابکاروں نے مار مار کر مجھے "منج کر دیا ہے"۔ منج کو بڑی مشقت سے کوٹ کوٹ کر باریک کیا جاتا ہے۔ نہایت موزوں تشبیہ ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وارث شاہ کہتے ہیں کہ جوانمرد راز فاش نہیں کیا کرتے ؎

بھیت وسنا مرد دا کم ناہیں مرد سوئی جو ویکھ دم گھٹ جاوے
وارث شاہ نہ بھید صندوق کھلے بھانویں جان دا جندرا ٹٹ جاوے

کہتے ہیں کہ خواہ جان کا تالا ٹوٹ جائے بھید کا صندوق نہیں کھلنا چاہیئے۔ یعنی راز راز رہے خواہ جان چلی جائے۔

لڑکیاں نووارد جوگی کے رُوپ سے متاثر ہو کر پوچھتی ہیں ؎

سُنیں جوگیا گبھرو چھیل بانکے نین کھیویا مست دیوانیاں وے
ایس عمر کی وانڈہ پیا تینوں کیوں بھوں نائیں دیس بیگانیاں وے

پہلے مصرع میں رانجھے کی مست جوانی کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔

سہتی جوگی سے کہتی ہے ؏

گدھے وانگ جاں رجیوں کریں مستی کھیاں سنگھنائیں رناں پرایاں ڈیاں

کہتی ہے کہ غیر عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہو جیسے گدھا پیٹ بھر راتب کھالے تو خرمستی کرنے لگتا ہے۔ "کھیاں سنگھنائیں رناں پرایاں دیاں" طنز کے زہر میں بجھا ہوا جملہ ہے۔

عشق کا شعلہ بھڑک اُٹھے تو اُسے چھپایا نہیں جا سکتا۔ ؏

لاٹ رہے نہ جیوں سے وِچ ٹکی ایہہ عشق النبرا اگ دا ای

معلوم ہوتا ہے کہ وارث شاہ کے زمانے میں بھی ہندوؤں اور مسلمانوں میں منافرت پائی جاتی تھی۔ کہتے ہیں ؏

وارث شاہ جیوں سنکھیا چوہیاں نوں سنکھ مُلاں تے بانگ براہمناں نوں

سنکھیا چوہے کے لئے زہر ہے کہتے ہیں کہ یہی اثر سنکھ کی آواز مُلا پر اور اذان برہمن پر کرتی ہے۔

سہتی رانجھے سے کہتی ہے ؎

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مگر تیتراں دے اُنھاں باز چھٹا جا چڑے دا ندیتیاںواں نوں
گھلیا پھل گلاب دا توڑ لیاویں جا چڑے توت سنبھالواں نوں

طنز میں بے پناہ نشتریت آگئی ہے۔ کہتی ہے تیری مثال اس اندھے باز کی سے جسے تیتر پکڑنے کے لئے اُڑایا جائے اور وہ کسی بیل کے خصیتین سے جا کر چمٹ جائے۔ یا کسی کو گلاب کا پھول توڑنے کے لئے بھیجا جائے اور وہ توت کے درخت کا رُخ کرے۔

ان جستہ جستہ مثالوں سے کلامِ وارث شاہ کے محاسن کا احاطہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی نازنین پری تمثال کے چاک گریباں سے اس کے بدن کی گوناگوں لطافتوں کا اندازہ لگانا یا رخنۂ دیوار سے کسی باغِ رشکِ جناں کی رنگینیوں کو سمیٹنے کی کوشش کرنا۔ ہیر وارث شاہ میں غواصی کئے بغیر اس سے کماحقہٗ لطف اندوز ہونا از قبیل محال ہے کہ اس کے ایک ایک شعر میں حظوظ و معانی کی ایک دنیا آباد ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وارث شاہ کا علم و فضل،

وارث شاہ جامع کمالات تھے۔ 'ہیر' کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ و سیر پر عبورِ کامل تھا۔ تصوف و عرفان کے اسرار و رموز پر گہری نظر رکھتے تھے۔ طب، علمِ نجوم اور موسیقی سے بہرہ ور تھے۔ عربی، فارسی، ہندی اور پشتو[1] جانتے تھے۔ یوگ ویدانت، پرانوں اور ہندو دیومالا کا وقوف رکھتے تھے۔ ہیر میں کثرت سے ملکی تلمیحات دکھائی دیتی ہیں، جو اس امر پر شاہد ہیں کہ وارث شاہ لوک بت کہاؤ۔ لوک کہانیوں اور لوک سنگیت سے بخوبی واقف تھے۔ اس پہلو سے 'ہیر' گنجِ شائگاں سے کم نہیں۔ جس میں پورے عہد کے دیہاتی اور عوامی کلچر کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔ شاعر کے لئے عالم و فاضل ہونا ضروری نہیں ہے لیکن جب ملکۂ شعر گوئی کے ساتھ علمیت و تفکر مشمول ہوں تو شعر میں بیش از بیش وسعت اور گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔ نظامی گنجوی، عمر خیام، دانتے، گیٹے، ملٹن، ٹی ایس ایلیٹ وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ ان کے کلام میں تلمیحات کی فراوانی ہے۔ لیکن اس سے شعر کی تاثیر میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ بلکہ اس کی کشش میں اضافہ ہوا ہے۔ وارث شاہ کا شمار بھی اسی زمرے میں ہوگا۔ ان شعراء کو بعض اوقات یہ دقت درپیش ہوتی ہے کہ ان کی شاعرانہ آمد، اظہار کی بے ساختگی اور علمیت ایک دوسرے کے معارض ثابت ہوتے ہیں علمی تبحر اظہار کی بے ساختگی کو مجروح کرتا ہے اور

---

[1] ہیر وارث شاہ میں پٹھان عورتیں پشتو اور ایرانی عورتیں فارسی بولتی ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شاعرانہ آمد علمیت کی ثقاہت کو برقرار نہیں رہنے دیتی. جو شعراء اس مشکل پر قابو پا لیتے ہیں وہ فن کی انتہائی بلندیوں کو چھو لیتے ہیں. وارث شاہ کی علمیت میں شعر کی رنگینی پیدا ہو گئی ہے. اور علمیت نے شاعری کو توانائی بخشی ہے. وارث شاہ کو خود بھی اپنی علمیت کا احساس تھا اور وہ اس پر فخر بھی کرتے ہیں کہ

وارث شاہ میاں تیرا علم ہویا مشہور وِچ جن تے انس طیریں

کہتے ہیں کہ میں نے بخیلوں کی طرح اپنا علم سینت سینت کر نہیں رکھا بلکہ اس دولت کو بر سر عام لٹا دیا ہے. ؎

حسد بخل نہ کسے دے نال کیتا جیو کسے دا نہیں ستایا ئی

علم اپنے دا حصہ ونڈ دِتا نا ہیں شوم کنجوس سدایا ئی

سب سے پہلے ہم وارث شاہ کی تلمیحات کو لیں گے. وارث شاہ نے اُن تلمیحات کا ذکر کیا ہے جو فارسی شاعری کے واسطے سے اُردو، سندھی، بلوچی، پشتو اور پنجابی شاعری میں نفوذ کر گئیں. ان کے یہاں بھی شیریں فرہاد، لیلےٰ مجنوں، عذرا وامق، زلیخا مثالی عشاق ہیں. جو اپنی زندگیاں عشق و محبت کی بھینٹ کر دیتے ہیں. اس کے ساتھ وہ ملکی عشاق کا ذکر بھی احترام اور عقیدت سے کرتے ہیں. ان میں سوہنی مہینوال، نل دمینتی، سسی پنوں خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں. بعض تلمیحات ایسی بھی ہیں جو آجکل کے قارئین کے لئے بعید از فہم ہیں. ان میں سے چند ایک کا ذکر ہم ذیل میں کریں گے.

۱. امیر بائی : بائی بلوچستان کے ایک سردار مصری خاں کی بیوی تھی جس پر امیر خاں عاشق ہو گیا. بائی بھی اس سے پیار کرنے لگی. اس معاشقے کا انجام فرحیہ ہوا.

۲. جام کوراں : ایک بلوچ احمد نامی کا معاشقہ ایک ہندو عورت کوراں سے ہوا. دونوں کا انجام دردناک ہوا.

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

۳۔ ڈھول ماروآں : ڈھول ایک شہزادہ تھا جس نے اپنی منگیتر ماروآں کو دھتا بتا دی ماروآں کا انجام دردناک ہوا۔

۴۔ روڈا جلالی : علی گوہر عرف روڈا شاہِ بلخ کا بیٹا تھا جو ہندوستان آیا اور ایک لوہاری جلالی پر فریفتہ ہوگیا۔ راز فاش ہوا تو لوہاروں نے روڈا کو جان سے مار دیا۔ جلالی اس کے فراق میں تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہوئی۔

۵۔ کامروپ کام لتاں : کامروپ ایک راجکمار تھا جو کام لتاں پر عاشق ہوا۔ بڑے بڑے مصائب جھیلنے کے بعد حصولِ مراد میں کامیاب ہوا۔

۶۔ کیما ملکی : مرزا اتور علی بیگ عرف کیما ایران کا ایک سوداگر بچہ تھا جو چنیوٹ کے ایک قصاب کی بیٹی ملکی پر عاشق ہوگیا۔ ملکی بھی دل و جان سے اسے چاہنے لگی اور دونوں چھپ کر ملنے لگے۔ راز فاش ہونے پر قصابوں نے کیما کو ذبح کر دیا اور ملکی کو زہر دے کر مار ڈالا۔

۷۔ معیار چندر بدن : معیار ایک سوداگر بچہ تھا جو راجکماری چندر بدن پر عاشق ہوگیا اور اس کی جدائی کی تاب نہ لاکر راہگرائے عالم بقا ہوا۔ چندر بدن بھی اسکی جدائی میں مرگئی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

اِن کے علاوہ گل صنوبر، بدرِ منیر بے نظیر، گل بکاؤلی، پنج پھول رانی، شاہ پری بہرام، وغیرہ افسانوں کی تلمیحات ملتی ہیں اور ایسے مشاہیر کا ذکر آتا ہے جن سے قصے کہانیاں وابستہ ہیں۔ مثلاً بہلول دانا (عہد ہارون الرشید) بلعم باعور (عہد نامہ قدیم) گورکھ ناتھ جو بالناتھ کا گرو تھا۔ وشوامتر (ایک کھتری جو یوگی بن گیا) بھرتری (راجہ بکرماجیت کا بھائی جو شاعر تھا) بھگت کبیر، راجہ رسالو (پورن بھگت کا بھائی) رانی سندراں (پورن سے ناکام پیار کرنے والی) شیخ صنعان (ان کا قصہ شیخ عطار نے نظم کیا ہے) ستھرا (پیرو بابا نانک) جو شاعر بھی تھا (اس کا ایک مصرع ضرب المثل بن گیا ہے۔ ع (کوئی مرے کوئی جیوے ستھرا گھول پتاسے پیوے) وارث شاہ نے مختلف اقوام کے پیروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ راجہ نل (دمینتی کا عاشق) جواریوں کا پیر ہے۔ لال شہباز ملنگوں کے۔ شاہ مدار مداریوں کے۔ شیخ ٹیر (اصل نام ظہیر) موچیوں کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ماگھی تراسیوں کے۔ علی رنگریز رنگریزوں کے۔ سلیمان[1] نائیوں کے۔ رشو مالی کشمیریوں کے۔ جمّو تیلیوں کے۔ گگلو کمہاروں کے۔ ناما دھوبیوں کے پیر ہیں۔ وارث شاہ نے ہندوؤں کی کتب پُران وغیرہ پڑھی تھیں جن کے حوالے سے انھوں نے چوراسی بدھ (نیک لوگ)، باون پیر چونسٹھ جوگنی (بلائیں)، چھ جتی (پاکباز) دس رس (پانچ حواس ظاہری پانچ باطنی)۔ پنج بھوت (عناصر) وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

وارث شاہ نقلی و عقلی علوم کے فاضل تھے۔ عربی کی درسی کتابوں میں انھوں نے تعلیل میزان، صرف بہائی، صرف کنز الاقواع، خانی، حیرت الفقہ، فتاویٰ۔ معارج النبوۃ، شرح ملا زنجانی کے نام لئے ہیں۔ فارسی کی مشہور کتابوں میں گلستان، دیوان حافظ، بہار دانش، طوطی نامہ دفتر ابوالفضل، بدر چاچ (دیوان) شاہنامہ، قران السعدین، شیریں خسرو، سکندر نامہ، دیوان خسرو، انوار سہیلی وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔ طب کی جن کتابوں کے نام لئے ہیں ان میں میزان الطب، طب اکبر، طب یوسفی، قرابادین قابل ذکر ہیں۔ امراض میں سودا، مرگی، قولنج، تپ دق، سل نفخ، استسقا، محرقہ، برص، جذام، باد فرنگ، پتھری وغیرہ کے علاج تجویز کئے ہیں۔ اس کے ساتھ ذہنی امراض کے ٹونے ٹوٹکے بھی بیان کئے ہیں اور آسیب کے دفعیہ کے طریقے بتائے ہیں۔ ہندوستان میں سانپوں کی مختلف قسموں کی پہچان اور ڈسنے کا علاج کرنا ایک خاص علم تھا۔ وارث شاہ نے سانپوں کی تیس قسموں کے نام لئے ہیں۔ باشک، ناگ۔ کرنڈیا۔ بھجنگ۔ تیترا۔ کلغی دار۔ پھنیر، بھونڈیا۔ مرل۔ کھرل۔ تندورڑا۔ بورڑا۔ بتی۔ دومیرا۔ کھرنیا۔ جلیبیا۔ تیلیا۔ سنگتا۔ پرچیلا۔ اڈنا۔ کاندیر۔ چکنا۔ کھجوریا۔ چنیڑا۔ لنکوریا۔ کجلیا وغیرہ۔

وارث شاہ علم موسیقی سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ وہ چھ بڑے راگوں کا ذکر کرتے ہیں بھیروں مالکوس۔ ہندول۔ سری۔ دیپک اور میگھ۔ ان کے ساتھ انھوں نے بیاجاں اور تیرا کا نام بھی لیا ہے۔ ان اصطلاحات کی تشریح کے لئے اس بات کو ذہن نشین کر لینا ضروری

---

[1] ایران میں نائی کو سلیمانی یا سلمانی کہتے ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے کہ راگ مرد ہے راگنی اس کی زوجہ ہے۔ چھ راگ ہیں ہر راگ کی پانچ پانچ راگنیاں ہیں، آٹھ آٹھ پُتر (بیٹے) اور آٹھ آٹھ بہویں ہیں۔ بہو کو بھارجا کہتے ہیں۔ جو وارث شاہ کے یہاں بھارجاں ہیں۔ یہ بات مثال سے واضح ہو گی۔

سری راگ : اس کی راگنیاں ہیں اساوری۔ بسنت وغیرہ۔ اس کے پُتر ہیں کھٹ۔ دیس کار۔ راگیشری وغیرہ اور بھارجائیں ہیں سوہنی وغیرہ۔

وارث شاہ نے مندرجہ ذیل راگنیاں پُتر اور بھارجائیں گنائی ہیں۔

سارنگ۔ شہانہ۔ سورٹھ۔ سوہنی۔ تلنگ۔ گجری۔ پوربی۔ للت۔ بھیم پلاسی۔ بھیروی۔ دھناسری۔ اساوری۔ ٹوڈی۔ گونڈسری۔ جیت۔ مالسری۔ پرج۔ ماروا۔ کدارا۔ بھاگڑا۔ مارو۔ کانڑا۔ جنگلہ کلیان۔ بدھنس۔ نٹ۔ بروا۔ جھنجھوٹی۔ آسا۔ بسنت۔ رام کلی۔

وہ اورب۔ کھورب کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ یہ اروہی۔ اَوروہی ہیں۔ اروہی کھرج سے نکھاد تک کے سُروں پر مشتمل ہوتی ہے اور اَوروہی اس کے اُلٹ نکھاد سے واپس کھرج تک کے سروں پر۔ مثلاً بھیروی کی اروہی ہے سارے گا ما پا دھا نی۔ اس کی اوروہی ہو گی نی دھا پا ما گا رے سا۔ یہ راگنی سمپورن ہے۔ (وارث شاہ نے اسے سنپور لکھا ہے) یعنی سات سُروں پر مشتمل ہے۔ وارث شاہ نے ایک جگہ گرام کا بھی ذکر کیا ہے

سپتی سُر لائیکے ونجلی نوں اُنگلی پور گرام رکھا وندائی
کھرب۔ رکھب۔ گندھار۔ مدھم۔ پنچم۔ دھیوت آکھے نکھاد بلا وندائی

گرام کا معنی ہے گاؤں یا سفر کے دوران میں کسی جگہ آرام کیلئے ٹھہرنا۔ موسیقی میں اس کا دوسرا مفہوم لیا جاتا ہے۔ گرام تین ہیں۔ کھرج گرام۔ مدھم گرام اور نکھاد گرام۔ ہر گرام کے سات مورچھنا ہیں۔ گویا تین گرام کے اکیس مورچھنا ہوئے۔ ایک مورچھنا کھرج وغیرہ سے آغاز کر کے اگلے ساتویں سُر پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور ساتویں سُر سے بطرز اوروہی واپس لوٹتا ہے۔ اوپر کے شعر میں وارث شاہ کہتے ہیں کہ رانجھے نے سپتک ٭ کا تعین کر کے ونجلی بجانے کا ارادہ کیا۔

٭ سپتک تین ہیں۔ مندر۔ مدھ۔ تار۔ سپتک کو استھان بھی کہتے ہیں۔ سپتک یا استھان سات سُروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

صُوفیہ وجُودیہ راگ کو رُوح کی غذا کہتے ہیں الغِنا غذا الارواح ۔ وارث شاہ کہتے ہیں۔

خورش رُوح دی راگ اِیہ کہن عاشق رُوح راگ قلبوت دے وچ سمایائی
محرم عشق دا کہن سرود ہُندا جنہاں راہ سلوک دا لیایائی

راگ کا تعلق عشق و محبت سے ظاہر ہے۔ راگ جذبۂ محبت میں تہیج اور وارفتگی پیدا کرتا ہے۔ دردِ فراق کو زبان عطا کرتا ہے اور وصل کی لذت میں اہتزاز پیدا کرتا ہے۔ قدماء بجا طور پر راگ اور خوشبو کو عشق کے لوازم سمجھتے تھے۔

وارث شاہ جوگ کے مبادی و اصول سے بھی واقف ہیں۔ جوگ۔ یوگ۔ یا یوگا کا لغوی معنیٰ ہے 'جُوا' جو بیلوں کو جوتتے وقت ان کی گردنوں پر رکھتے ہیں۔ پنجابی میں یہی لفظ جوغ ہے۔ اور یونانی اور انگریزی میں Yoke ہے۔ اصطلاح میں اس کا مفہوم ہے نیک اعمال سے اندریوں (حواس مُدرکہ) پر قابو پانا۔ اور لوبھ (لالچ) کام (شہوت) کرودھ (حسد۔ جلن) اور اہنکار (خودی کی گرفت) سے چھٹکارا پالینا۔ شویا مہادیو کو جوگ کا بانی خیال کیا جاتا ہے۔ وارث شاہ نے یوگ کے بڑے بڑے مسالک اور ان کے بانیوں کا ذکر کیا ہے۔

ہندوؤں کے ہاں نجات یا نروان حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں۔ سانکھیہ (علم) یوگ (عمل) بھگتی (عشق)۔ گیتا میں یوگ کی دو قسموں کا ذکر آیا ہے۔ کرم یوگ اور بھگتی یوگ۔ کپل منی نے سانکھیہ شاستر میں پُرش (روح) اور پرکرتی (ہیولیٰ) کی دوئی کا ذکر کیا ہے "گیتا" میں سانکھیہ کا لفظ ویدانت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور اپنشدوں کے نظریے کی عملی ترجمانی کی گئی ہے۔ شری کرشن کہتے ہیں :

"جو مجھ کو سب میں اور میرے میں سب کو دیکھتا ہے اس یوگی سے میں دور نہیں ہوں اور وہ مجھ سے دور نہیں ہے۔" (گیتا)

"جسے آتما اور برہم کی ایکتا کا کامل گیان ہے وہ اپنے آپ کو برہم سروپ محسوس کرتا ہے۔" (گیتا)

وارث شاہ ہمہ اوست کے قائل تھے اور نظریۂ ہمہ اوست اور ویدانت میں مماثلت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کو پہچانتے تھے ؎

بُجھ سُنو اس وِرج قلبوت خاکی سچّے رب نے ٹھاؤں بنایا ئی
وارث شاہ میاں ہمہ اوست جانے سَرب ہوئے بھگوان وسایا ئی

بعض مقامات پر تو "گیتا" کے اشلوکوں اور وارث شاہ کے اشعار میں توارد ہوگیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وارث شاہ نے گیتا کا مطالعہ کیا تھا۔ شری کرشن کہتے ہیں :

"یہ ساری دنیا مجھ میں اس طرح پروئی ہوئی ہے جس طرح دھاگے میں منکے پروئے ہوئے ہوتے ہیں۔" "گیتا"

پھر کہتے ہیں :

"میں پانی میں رس، چاند سورج میں روشنی، ویدوں میں اوم کار، فضا میں آواز، مردوں میں مردانگی، مٹی میں خوشبو، آگ میں چمک، جانداروں میں جان، تپ کرنے والوں کا تپ جانداروں کا قدیم بیج، عقل مندوں کی عقل، جلال والوں کا جلال ہوں۔" "گیتا"

وارث شاہ کہتے ہیں ؎

مالا منکیاں وِچ وِرج اک دھاگا تیوں سَرب کے بیچ سما رہیا
سبھا جیوندیاں وِرج ہے جان وانگوں نشہ بھنگ افیم وِچ آ رہیا
جیویں پتّریں مہندیوں رنگ رچیا تیویں جان میں جان رچا رہیا
جویں رگت سریر وِچ سانس اندر تویں جوت میں جوت دکھا رہیا

کس قدر خوبصورت اندازِ بیان ہے کہتے ہیں کہ وجودِ مطلق کائنات میں اس طرح مخفی ہے جیسے مہندی کی سبز پتیوں میں سرخ رنگ اور بھنگ اور افیم میں نشہ مخفی ہوتا ہے۔

اسی مضمون کو رانجھے کی زبانی بیان کرتے ہیں ؎

سُنیں سجنیے ایس جہان اُتے رب کئی ہیسار ہیسار دائی
قدرت نال خواہش خاص اپنی دے رنگا رنگ دیاں صورتاں ڈھا دائی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بالنا تھ را بجھے سے کہتا ہے کہ پانچ بھوتوں (پانچ اندریوں) کو قابو میں لانا ضروری ہے اور کام، لوبھ، کرودھ، اہنکار کی زنجیروں سے آزادی پانے کی کوشش کرتا ہے۔

پنج بھوت بیگارتے اور باقی نال صبر سنتوک دے پوریے جی
اوہ پُرکھ نربان پد جا پہنچے پانچوں اندریاں جنہاں نے ماریاں نے
کام، کرودھ تے لوبھ ہنکار مارن تن خاک ڈیوچ رُلاونا اے

جہاں تک تصوف و عرفان کا تعلق ہے وارث شاہ خود صاحبِ حال صوفی تھے۔ اس بحر کے شناور تھے اور سلوک کے مقامات سے آشنا تھے۔ وہ وحدت الوجود یا ہمہ اوست پر محکم عقیدہ رکھتے تھے۔ ع

وارث شاہ یقین دی گل ایہا سبھا حق ہی حق ٹھہرائیے جی

وحدت الوجود کا عقیدہ فلسفے سے تصوف میں آیا تھا۔ سب سے پہلے الیاطی فلاسفر نے اسے مدلل انداز میں پیش کیا۔ بعد میں رواقیین اور فلاطینوس نے اپنے اپنے رنگ میں اس کی ترجمانی کی۔ فلاطینوس اور اس کے پیروؤں کے افکار سریانی زبان کے تراجم کے ساتھ عربی میں منتقل کیے گئے۔ فلاطینوس کا مرکزی خیال فصل و جذب کا تھا۔ یعنی روح ذاتِ بحت سے بیدا رح جدا ہو کر مادے کے جال میں اسیر ہو گئی ہے اور اس قید سے رہائی پا کر دوبارہ اپنے مبدء میں واصل ہو جاتی ہے۔ صوفیہ نے ذاتِ بحت کو محبوبِ ازلی یا محبوبِ مطلق کا نام دیا۔ جس کے فراق میں روح تڑپتی رہتی ہے۔ روح کی اس تڑپ اور اضطرابِ دِ النہاب کو عشق کہا گیا۔ دنیائے اسلام میں حضرات ذوالنون مصری، ابراہیم ادھم، جنید بغدادی، بایزید بسطامی، منصور حلاج وغیرہ نے تصوف کی روایات قائم کیں۔ سلوک کے مقامات کی تعیین کی اور مجاہدہ نفس کے آداب بتائے۔ عربی کے شاعر ابن الفارض اور فارسی شعراء سنائی، عطار، عراقی، رومی، حافظ وغیرہ نے اپنی شاعری میں اس جوش و خروش سے عشقِ حقیقی کے مضامین مجازی پیرائے میں بیان کیے کہ تصوف گھر گھر پھیل گیا۔ ابن الفارض مشہور وجودی صوفی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شیخ اکبر ابن عربی کے شاگرد تھے اور رومی صدر الدین قونوی کے واسطے سے ابن عربی کے افکار سے متاثر ہوئے تھے۔ چشتیہ صوفیہ نے وجودیت پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی اور اس کے حوالے سے خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے خلفار نے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کی۔ جیساکہ ڈاکٹر تارا چند نے کہا ہے بھگتی کی تحریک پر مسلمان صوفیہ کے نظریات نے گہرے اثرات ثبت کئے تھے۔ اس ضمن میں بھگت کبیر اور گورو بابا نانک خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ دوسری طرف مسلمان صوفیہ نے ویدانت کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان کے وحدت الوجود یا ہمہ اوست اور ویدانت کی "آتما برہم ایکتا" یا "ہر میں ہر" کا نظریہ حیرت انگیز طور پر ملتے جلتے ہیں۔ دارا شکوہ، مظہر جانجاناں اور صاحبِ دبستانِ مذاہب نے اس مماثلت کا ذکر کیا ہے۔ فارسی شعرار کی طرح اردو میں میر درد، سندھی میں شاہ عبداللطیف بھٹائی، پشتو میں رحمان بابا اور پنجابی میں خواجہ فرید نے وجد آور اسالیب میں وحدت الوجود اور عشق حقیقی کے مضامین پیش کئے ہیں۔ شاہ حسین، غلام رسول، بلھے شاہ علی حیدر ملتانی، سلطان باہو، میاں محمد پنجابی کے سربرآوردہ صوفی شاعر ہیں۔ یاد رہے کہ پنجابی کے پہلے شاعر بابا فرید شکر گنج مشہور صوفی تھے۔ ان کے اشعار "گورو گرنتھ صاحب" میں محفوظ ہیں۔ پنجابی شاعروں نے رانجھے اور پنوں کو محبوبِ مطلق کی علامت قرار دیا اور سسی اور ہیر روح کی علامتیں بن گئیں۔ جو اپنے مبدر میں واصل ہونے کے لئے ہر وقت بے قرار رہتی ہے شاہ حسین کا شعر ہے ؎

جنگل بیلے پھراں ڈھونڈیندی رانجھن میرے سنگے
تھیں آیاں میرا چاک نہ آیا ہیر کوکے وچ جھنگے

ہیر کی اس آہ و نالی سے مولانا روم کی نَے یاد آجاتی ہے جو اپنے نیستاں کے فراق میں نالہ کناں ہے۔

غلام قادر شاہ بٹالوی فرماتے ہیں ؎

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آپ ہیر تے آپے رانجھن آپے جیئونوں سلّے
آپ مہیں تے آپے ماہی آپے جھل اُدتلّے
آپے جھنگ تے تخت ہزارہ آپے بیلے تلّے
کہے غلام ایہہ سوئی جانڑیں جن پکڑے میراں دے پلّے

یہ وہی خودکوزہ و خودکوزہ گر و خود گلِ کوزہ یا " ہر میں ہر" کا مضمون ہے۔
بُلّھے شاہ کہتے ہیں ؎

ہیر رانجھے دے ہو گئے میلے بھولی ہیر ڈھونڈیندی بیلے
رانجھا یار بُکل وِچ کھیلے سُدھ نہ رہیا سُرت سنبھال
عشق دی نویوں نویں بہار

وہ برملا ہمہ اوست کا درس دیتے ہیں ؎

اِک لازم بات ادب دی اے سانوں بات معلوم سبھ دی اے
ہر ہر وِچ صورت رب دی اے کِتوں ظاہر کِتوں چھپیندی اے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

وارث شاہ بھی عشق کی ہمہ گیر کارفرمائی کے قائل تھے۔ ؎

خاک بھکتیاں تند دا سواد آوے مزہ عشق دی ایہہ تاثیر دا ئی
جناں مرشداں عشق دا راز مشکل جویں راہ وِچ حال ضریر دا ئی
عشق وِچ بڑیاں تلک بازیاں نے ایتھے حوصلہ سپت ضمیر دا ئی
عشق عاقلاں دی مت ماردیندا لکھے حکم ایہہ خاص تقدیر دا ئی
ناگن زلف محبوب دی ڈنگیاں دا حال نہیں اصلاح پذیر دا ئی
چھڈناں یار نوں تکنّاں طرف غیراں گوشت کھاوناں جویں خنزیر دا ئی

جیسا کہ ہم پہلے باب "عشق و فسانۂ عشق" میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں، صوفیۂ وجودیہ کی طرح وارث شاہ کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ عشق کے باعث تکوینِ کائنات و تخلیقِ آدم ہوئی تھی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

روزِ ازل کو قالوا بلیٰ کہہ کر روح نے جو میثاق باندھا تھا وہ اس کی پابند ہے لہٰذا عشق کو نوشتۂ تقدیر سمجھا جا سکتا ہے ۔

وارث شاہ بھی قدمار کی طرح جناب امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کو قطبِ اول تسلیم کرتے ہیں ؎

علیؑ وچ ولیاں آہا قطب گویا کول چہک دے نے فرقدین دونوں
ویکھ پاک جمال نہال ہوندے وتے رات پیارے والدین دونوں

اور جناب امیرؑ کے نام کے وِرد کو ضروری سمجھتے ہیں ؎

ذِکر کروائی بیٹھ کے وِچ گوشے کیہا بانگڑی نال ادا وڑیا
کردے وِرد خفی جلی علیؑ والا بھید اپنا آپ چھپا وڑیا

وارث شاہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ٹھیک اپنے نفس نوں جان لینا ایہو رب دا راہ پچھانتا ئی
جس نے اپنے نفس نوں جانیاں نال اوس رب نوں کی سہاتنا ئی

ہر کہیں محبوبِ ازل کے جمالِ جہاں آرا کی تجلیاں دکھائی دیتی ہیں ؎

سُنیں سبھتے ایس جہان اُتے رب کئی پسار پسار دائی
قدرت نال خواہش خاص اپنی دے رنگا رنگ دیاں صورتاں دھاردائی

ذات صفات کے بھیس میں ہر جگہ دکھائی دیتی ہے ؎

کونجاں وانگ ممولیاں دیس چھڈے اساں ذات صفات تے بھیس کیتا

چنانچہ حسینوں کے جمال میں بھی حسنِ ازل کے جلوے منعکس ہوئے ہیں ؎

درشن ہیر سندا درشن رب دائی درشن پائیکے تے امتحان کیجے

بالکے بیں اس صنعتِ صانع کی دید پر فخر کرتے ہیں ؎

بنایا آپ خالق حسن ہیرڑے نوں خیال ول احسان غفران کیجے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایس حسن دی دید جے ہووے قیمت شکر لکھ کروڑ منّان کیجے

وارث شاہ حبس دم کا بھی ذکر کرتے ہیں ؎

ھُم ھُم ہو کے ساس گھٹ کے تے انگ ڈانگ تپنگ جلاونے ہاں

دسویں دوارتے ساس چڑھائیکے تے بنسا اپنی منوں منا ونے ہاں

عالم بے بقا کا ذکر کیسے خوبصورت پیرائے میں کیا ہے ؎

وارث شاہ دِساہ کی زندگی دا ساڈی عمر ہے نقش پتاسیاں دے

اور کہتے ہیں کہ روحِ انسانی اسیر ہو کر رہ گئی ہے ۔ ؎

وارث شاہ جیوں شہد وچ پھسے مکھی بندہ جگ وچ آکے پھا سدائی

صوفیہ اور فقہار کی مخاصمت اور چپقلش شروع سے موجود ہے۔ فقہار مذہبی احکام کی ظاہری پابندی کو کافی سمجھتے ہیں۔ جب کہ صوفیہ تزکیۂ قلب پر زور دیتے ہیں۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ مُلّا اور فقہار ریا کار اور زُہد فروش اور ہوس پیشہ دنیا دار ہیں۔ مُلّا کہتے ہیں کہ صوفیہ ملحد ہیں۔ الحاد و زندقہ کے الزام میں کئی صوفیہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ صوفیہ ذاتِ باری کو محبوبِ ازلی سمجھتے ہیں اور پُر جوش انداز میں اس سے اظہارِ محبت کرتے ہیں۔ فقہار کہتے ہیں کہ ذاتِ باری ہماری محبت سے بے نیاز ہے اور ہمارے لئے اس کی اطاعت کافی ہے۔ فقہار خدا کو کائنات سے ماورار مانتے ہیں اور صوفیہ کیرک گرو کی طرح اس کے ساتھ شخصی، جذباتی رشتے قائم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ظاہر و باطن یا تصوّف و فقہ کی اس کشمکش کی جھلکیاں صوفی شعرار کے کلام میں دکھائی دیتی ہیں۔ پنجابی شعرار نے بھی فقہار کو طنز و تضحیک کا نشانہ بنایا ہے اور ظاہری رسوم عبادت کی ادائیگی کو ناکافی سمجھا ہے۔ سلطان باہو کا شعر ہے ؎

خالص نیل پرانے اُتے نہیں چڑھدا رنگ مجیٹھی ہُو

قاضی آن شرع دل باہو کدی عشق نماز نہ نیتی ہُو

شاہ اشرف بٹالوی فرماتے ہیں ؎

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اک دیدار راہی دے اُتوں   میں واری لکھ سو حجاں

بُلھے شاہ کا ارشاد ہے ؎

جہاں میں سبق عشق دا پڑھیا   مسجد کولوں جیوڑا ڈریا
ڈیرے جا ٹھاکر دے وڑیا   جتھے وجدے ناد ہزار

عشق دی نویوں نویں بہار

وید قرآن پڑھ پڑھ تھکے   سجدیاں کردیاں گھس گئے متھے
نہ ربّ تیرتھ نہ ربّ مکے   جس پایا تس نور جمال

پھر کہتے ہیں ؎

حاجی لوک مکے نوں جاندے اساں جاناں تخت ہزارے
جِت وَل یار اُتے وَل کعبہ بھاویں ویکھ کتاباں چارے

یہ مضمون وارث شاہ کے ہاں بھی جا بجا ملتا ہے۔ ہیر قاضی سے کہتی ہے:

؎ درس عشق دی واقفی نہیں تینوں پڑھ چھڈیو پاسیاریاں نوں

؎ درس عشق دی واقفی نہیں اونہاں طوطے وانگ جو پڑھن سیاریاں نوں

ان کے ہاں عشق شرع پر فضیلت رکھتا ہے۔ ؎

شاہ عشق تے شرع وزیر اُسدی چوکی تھانے تے ضلع تحصیل یارو

عوامی شاعر ہونے کی حیثیت سے وارث شاہ نے ان روایات و توہمات کا ذکر بھی کیا ہے جن پر آج بھی ہمارے دیہاتی محکم عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان میں پنج پیروں[1] کی روایت خاصی دلچسپ ہے۔ پنجابی کے دوسرے شاعروں نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ مقبل کی ہیر میں ہے

---

[1] خواجہ خضرؒ فرید گنج شکرؒ۔ لال شہباز قلندرؒ۔ سید جلال بخاریؒ۔ بہاء الدین زکریاؒ۔

مُڑ خضر ہو مل شکر گنج دِتا اُتے مسندا لال شہباز وری
خنجر سید جلال بخاریئے نے گھونڈی زکریے پیر تے مجھ بودی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تنج پیراں نوں رانجھے نے یاد کیتا پاٹے کن درست کراوندائی

پیلو 'مرزا صاحباں' میں کہتا ہے ؎

مرزے کلتیاں کڈھیاں پنجے پیر منا

ہیر وارث شاہ میں ان کا ذکر کثرت و تواتر سے آتا ہے۔ ہیر اور رانجھے کے آغاز عشق میں پنج پیر جیلے میں رانجھے کے سامنے نمودار ہوتے ہیں اور اسے اطمینان دلاتے ہیں کہ خاطر جمع رکھو، ہیر تمہیں بخش دی گئی ہے۔ ؎

بچہ کھا چوری چوگ مجھ پوری جیو ورج نہ ہو دلگیر میاں
رب کاج سوارسی آپ تیرے ہوئی تدھ دی نیک تقدیر میاں

ہیر اپنی ماں سے کہتی ہے ؎

پنجاں پیراں بخشا نکلے رب کولوں دتا ہیر دی جھولڑی ڈال مائے
میل یار دا نام معراج ہویا کھول ویکھ قرآن دی فال مائے

یہی بات پنج پیر رانجھے سے بھی کہتے ہیں ؎

بیڑا پار تیسی رب فضل کرسی کیوں ہو یا ئیں ایڈ زہیر میاں
بخشی ہیر درگاہ تھیں تدھ تائیں بخشی تدھ دی سب تقصیر میاں

یاد رہے کہ جب حسن کی دیوی افرودایتی کے حق میں فیصلہ کر کے پیرس نے اسے سنہری سیب دیا تھا تو افرودایتی نے پیرس سے کہا تھا کہ میں تجھے دنیا کی حسین ترین عورت ہیلن بخش دوں گی۔ یہاں تقصیر سے مراد جنسی مواصلت ہے جس نے ہیر اور رانجھے کو رشتۂ محبت میں مضبوطی سے باندھ دیا تھا۔ پھر کہتے ہیں ؎

رانجھا ہیر دا تے ہیر رانجھنے دی موتی لعل دے نال پرا ونائیں
رانجھے ہیر اتے مہربان ہو کے پنجاں پیراں دا ایہہ فرما ونائیں

ہیر کی شادی کے بعد رانجھے کی اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ میرا تیرا نکاح

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تو پنج پیروں نے پڑھا دیا تھا۔ اس نکاح پر نکاح پڑھنا خلافِ شریعت تھا۔

پنجاں پیراں نے تیرا نکاح پڑھیا حکم خاص الٰہ دا ہو رہیا
اوس نکاح تے ہور نکاح پڑھنا سُنّت نبی دی کھوہے ڈبو رہیا

ادبیات عالم کے طلبہ جانتے ہیں کہ مختلف اقوام کے شاعروں اور تمثیل نگاروں نے قصّے کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے مافوق الطبع عناصر کا سہارا لیا ہے۔ "ہیملٹ" میں بادشاہ کا بھوت جو شہزادے سے باتیں کرتا ہے۔ کالی داس کی "شکنتلا" میں انگوٹھی کی گمشدگی اور دشینت کے حافظے کا زائل ہو جانا۔ "میکبتھ" کی چڑیلوں اور "فاوسٹ" کے میفسٹوفلیس کی صورت میں نفسِ انسانی کی کیفیات و واردات متشکل ہو گئی ہیں۔ پنج پیروں کی توجیہہ اس نقطۂ نظر سے کی جائے تو ہیر اور رانجھا ان کا نام اپنی جنسی مواصلت کے جواز کے لئے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگرچہ ہم سے تقصیر ہوئی ہے لیکن پنج پیروں نے ہمارا یہ قصور معاف کر دیا ہے۔ بلکہ قصور ہی معاف نہیں کیا ہمارا نکاح بھی کر دیا ہے۔ پنجاب کے دیہات میں بعض لوگ بغیر نکاح کے جنسی تعلق قائم کرنا چاہیں تو "تن بخشائی" سے جواز کی صورت پیدا کر لیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں وارث شاہ کی ہیر میں یہ جواز پنج پیروں کے حوالے سے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ بات رانجھے جیسے کائیاں جاٹ سے بعید نہیں تھی کہ وہ اس غرض کے لئے پنج پیروں کا نام لیتا۔ اس پہلو سے ہیر بھی اس سے کم کائیاں نہیں ہے۔ جب وہ دلہن بن کر رنگ پور گئی تو ایک رات سیدا کھیڑا اس سے وصل کا طالب ہوا۔ ہیر نے نماز پڑھنے کا عذر کیا۔ لیکن وہ نہ مانا۔ آخر ہیر نے پنج پیروں کو پکارا۔ وہ آئے اور سیدے کو مار مار کر ادھ موا کر دیا۔ سیدا بڈھا کھوسٹ تھا جبکہ ہیر ہٹی کٹی جوان عورت تھی۔ اس نے خود سیدے کو پچنیاں دیں اور نام پنج پیروں کا کر دیا تاکہ وہ آئندہ اس قسم کی جسارت نہ کرے۔ پنج پیروں کے علاوہ اور بھی کئی مافوق الطبع عناصر ہیں۔ مثلاً شیر رانجھے سے باتیں کرتا ہے۔ رانجھا سہتی کے پیالے میں دودھ چاول دکھا دیتا ہے۔ رانجھا دُعا مانگ کر مراد بلوچ کو حاضر کر دیتا ہے اور بددُعا سے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

راجہ عدلی کے شہر کو آگ لگا دیتا ہے۔ دیہاتی پیروں کی کرامات پر محکم عقیدہ رکھتے ہیں۔ آج بھی پیرزادے اپنی کرامات کے افسانے سُنا سُنا کر انھیں فریب دیتے رہتے ہیں۔

وارث شاہ کا ادّعا یہ ہے کہ ہیر رانجھے کے قصّے کے پیرائے میں انھوں نے تصوّف و عرفان کے مضامین پیش کئے ہیں۔ ؎

تخم رمز دا بیجیا اساں لوکو سارا رمز دا باغ لگایا ئی
ناہیں جاہلاں نال کجھ غرض ساڈی عقلمنداں نوں سخن سمجھایا ئی
عاقل رزک کے دودھ کڈھ لین مکھن چھاہ جاہلاں بھوک پلایا ئی
پالین عاقل اصل رمز تائیں جاہل آکھ دے مغز کھپایا ئی

وہ اپنی رمزیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہیر روح ہے۔ چاک قلبوت ہے، بالناتھ مرشد ہے۔ پانچ پیر حواسِ خمسہ ہیں۔ کیدو ماں کا بیٹا ہے۔ ملکی اور چوچک اصولِ فقہ ہیں ؎

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ہیر روح تے چاک قلبوت جانوں بالناتھ ایہہ پیر بنایا ئی
پنج پیر نے پنج حواس تیرے جنہاں راہ تے نندھ نوں لایا ئی
اوہ سعیت ہے ماں دا شکم بندے جدے وچ دن رات لنگھایا ئی
ملکی چوچک نے فقہ اصول دونویں جنہاں حق دا راہ بتایا ئی

اسی طرح کیدو شیطان ہے، ناگ حرص ہے، سیکہ دنیا ہے، باغ گور ہے، شیر نفس انہکار ہے، بھابی شہوت ہے، رابیل باندی بھوک ہے، ترنجن اعمال بد ہیں، سہتی موت ہے۔ قاضی حق ہے، بیڑی پلنگ والی پل صراط ہے۔ کھیڑا عزرائیل ہے، نائیوں کا گھر پوشیدہ گناہ کرنے کا مقام ہے، ونجھلی ناطقہ ہے، سہیلیاں گھر گرہست ہیں۔

وارث شاہ کے اس ادّعا کے باوصف 'ہیر' کو ایک رمزیاتی قصّہ نہیں سمجھا جا سکتا جیسا کہ جان بنین کا "پلگرمز پروگریس" ہے۔ وارث شاہ عشقِ مجازی کی ترجمانی میں ایسے منہمک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوئے کہ قصہ نظم کرتے وقت عشقِ حقیقی کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اور شیخ سعدی اور حافظ شیرازی کی طرح وہ بھی عشقِ مجازی میں کھو کر رہ گئے۔ وارث شاہ کے یہاں بھی ان شعرا کی طرح کہیں کہیں عشقِ حقیقی کی جھلکیاں دکھائی دے جاتی ہیں لیکن من حیث المجموع کلام پہ عشقِ مجازی ہی کا غلبہ ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وارث شاہ پہلے شاعر اور فن کار ہیں اور بعد میں صوفی ہیں۔ کونٹ لیو ٹالسٹائی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اس کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مذہب اور اخلاق اس کے ذہن پر پوری طرح مسلط ہو گئے اور وہ ادب و فن کو مذہب و اخلاق کے مقابلے میں حقیر و صغیر سمجھنے لگا۔ اسی دور میں اس نے ایک طویل مختصر افسانہ لکھا "کرائٹزر سونیٹا"[1] اسے لکھتے وقت فن کار کی محویت اور از خود رفتگی نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور وہ مذہبی و اخلاقی نظریات یکسر بھول گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب یہ افسانہ چھپا تو مخربِ اخلاق سمجھ کر اسے ممنوع الاشاعت قرار دیا گیا۔ وارث شاہ بھی صوفی ہونے کے باوجود "ہیر" لکھتے وقت ایسے از خود رفتہ ہوئے کہ تصوف اور رمزیت کو بالائے طاق رکھ دیا۔ چنانچہ "ہیر" عطار یا سنائی کی مثنویوں کی طرح ایک رمزیاتی اور متصوفانہ قصہ بن کر نہیں رہ گئی بلکہ فنِ لطیف کے ایک درخشاں شہ پارے کی شکل اختیار کر گئی۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

ہمیں وارث شاہ کی اس رمزیاتی تشریح سے بھی اتفاق نہیں ہے جو انھوں نے قصے کے اواخر میں کی ہے۔ وہ ہیر کو روح اور رانجھے کو قالب کہتے ہیں۔ ہیر کو روح اور رانجھے کو محبوبِ ازلی کے رابطے سے تو سمجھا جا سکتا ہے لیکن انھیں روح اور قالب کے تعلق سے سمجھنا باعثِ تردد ہے۔ نو فلاطونیت، وحدت وجود اور ویدانت تینوں کی رو سے روح مادی جسم کی قید میں اسیر ہو جاتی ہے جس سے گلو خلاصی پانے کے لئے تجرد اور مراقبے کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ ہیر کو روح اور رانجھے کو قالب سمجھ لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ روح قالب سے واصل ہونے کے لئے بے چین ہے جو ظاہراً ناقابلِ قبول ہے۔ اسی طرح بالناتھ کو مرشد سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ بالناتھ رانجھے کا گورو ہے لیکن

---

[1] Kreutzer Sonata

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رانجھا اس کے احکام کی تعمیل کرنے کے بجائے صریحاً ان کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ وارث شاہ پانچ حواس کو پنج پیر قرار دیتے ہیں جو ان کے بقول انسان کو راہِ راست پر لاتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود فرماتے ہیں کہ جب تک حواس مُدرکہ (اندریوں) پر پوری طرح قابو نہ پا لیا جائے، جوگ یا عرفان مکمل نہیں ہو سکتا۔ جوگ یا وحدت وُجود دونوں میں حواسِ مُدرکہ سالک کی گمراہی کا باعث ہوتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ چوُچک اور ملکی اصولِ فقہ ہیں جو حق کی راہ دکھاتے ہیں اور قاضی حق کی علامت ہے۔ قصّے میں لکھتے ہیں کہ چوُچک نے رانجھے کو فریب دیا تھا اور قاضی نے اس کے ساتھ سازش کر کے بغیر ایجاب و قبول ہیر کا نکاح سیدے سے کر دیا تھا۔ اس صورت میں چوُچک اور ملکی کو اصولِ فقہ اور قاضی کو حق کی رمزیاتی علامتیں کیسے کہا جا سکتا ہے۔ کیدو ان معنوں میں بے شک شیطان ہے کہ وہ ہیر رانجھے کو بیلے کے جنّتِ عدن سے نکلوانے کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن وہ ابلیس کی طرح گمراہ کرنے والا شیطان نہیں ہے۔ وہ ہیر کو گناہ کی ترغیب نہیں دیتا۔ بلکہ ہیر اور رانجھے کے تعلق کی کھلم کھلا مخالفت کرتا ہے۔ حرص کو کھینچ تان کر ناگ، ناؤ کو پُل صراط، میکے کو دنیا، باغ کو گور کہا جا سکتا ہے۔ لیکن سہتی جیسی شوخ و شریر لڑکی کو موت کہنا اور سیدے جیسے بودے بزدل کو عزرائیل کہنا کسی صورت بھی موزوں نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قصّہ مکمل کرنے کے بعد اہلِ ظاہر کی تعریض و تنقید سے بچنے کے لئے وارث شاہ نے اسے رمزیت کا جامہ پہنانے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح وہ اہلِ ظاہر کی تعدّی سے تو محفوظ ہو گئے لیکن اپنے فن پر تصوّف و رمزیت کا پردہ ڈالنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ ایک صُوفی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک عظیم شاعر کی حیثیت سے زندہ رہیں گے۔ شاعر کی حیثیّت سے ان کے یہاں تصوّف کا کوئی مقام ہے تو وہ یہی ہے کہ بقول علی حزیں:

"تصوّف برائے شعر گفتن خوب است"

جس طرح "دیوانِ حافظ" کی رمزیاتی ترجمانی میں شارحین نے مضحکہ خیز تاویلیں کی ہیں اسی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

طرح وارث شاہ کے بعض شارحین نے بھی عجیب وغریب نکتے پیدا کئے ہیں مثلاً وارث شاہ کہتے ہیں۔

رانجھا آکھدا بھابیو ویرنوں نی مینوں بھابیاں تھیں چا وچھوڑیا جے
سکیاں بھائیاں تھیں کپڑ وچھوڑ مینوں کنڈا وچ کلیجڑے پوڑیا جے

ہاشم علی اس کی شرح یوں کرتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت آدم کا اشیاء سے ہمکلام ہونا ہے۔

شعر ہے
منہ چنڈ جو آرسی نال دیکھن تنہاں ڈھنگ کیہا ہل واہنا ئی
پنڈا پال کے چوپڑے پٹے جنہاں کسے رن کی اوسنوں چا ہنا ئی

یہی شارح فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فرشتوں کا خدا کو یہ کہنا ہے کہ آدم زمین پر اچھے کام نہیں کرے گا۔

شعر ہے
حضرت قاضی نے پنچ سد دا سارے بھایاں زمین نوں کچھ پوایائی
دوڈھی دے کے زمیں دے بنے وارث بنجر زمیں رنجھیٹے نوں آیائی

ایک شارح کہتا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو اپنے اپنے کام پر متعین کیا۔ جبریل کو وحی، میکائیل کو رزق، عزرائیل کو قبضِ ارواح اور اسرافیل کو صور پھونکنے کے فرائض تفویض ہوئے۔ یا مظہر العجائب!

مقام شکر ہے کہ اس نوع کی تاویل و تشریح خواص تک محدود رہی۔ "خواص" شروع سے قدما کے سادہ متن پر بعید از فہم حاشیے چڑھاتے رہے ہیں۔ عوام نے قصے کی اصل روح کو سمجھا اور اس سے انسان دوستی، خلوص و محبت، ایثارِ نفس اور خود فراموشی کے سبق سیکھے۔ "خواص" نے وارث شاہ کو محض ایک صوفی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ عوام نے ہمیشہ اسے اپنا شاعر جانا اور اس کے پڑھنے اور سننے سے حظ و مسرت کی دولت سمیٹتے رہے۔ اسی عوامی جذب و کشش نے "ہیر وارث شاہ" کو بقائے دوام عطا کی ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دیس پنجاب کی تصویر کشی

ہیر وارث شاہ دیس پنجاب کا ایک دلکش مرقع ہے جس کے صفحات میں پنجاب کے دیہات کی چلتی پھرتی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔ گھنے درختوں سے ڈھکے ہوئے بیلے موجیں مار کر بہتے ہوئے دریا، لہلہاتے ہوئے سرسبز کھیت، رہٹ کی روں روں، ہل چلاتے ہوئے، ڈھور چراتے ہوئے، فصل کاٹتے ہوئے، دائرے میں بیٹھ کر حقے کے کش لگاتے ہوئے، ڈھول کی ہیجان آور تال پر مستانہ وار بھنگڑا ناچتے ہوئے، جوڑی کی ولولہ انگیز تانوں پر ڈھولے گاتے ہوئے کڑیل جاٹ۔ کنوئیں پر پانی بھرتی ہوئی، چکی پیستی ہوئی، دودھ بلوتی ہوئی، اُپلے تھاپتی ہوئی عورتیں۔ چیختے چلاتے کلکاریاں مارتے ہوئے بچے۔ بھڑ مٹو مار کر پھمنیاں ڈالتی ہوئی اور چاندنی رات میں کِکلی ناچتی ہوئی جوان لڑکیاں۔ ترنجن کے پیڑھوں کی گھوں گھوں میں کنواریوں کے دبے دبے قہقہے۔ جھگڑالو عورتوں کے چبھتے ہوئے طعنے مہنے۔ شادی بیاہ، میلوں ٹھیلوں کے ہنگامے۔ بپھرے ہوئے جاٹوں کی گرجدار بڑھکیں کانوں میں سونے کے بندے چمکاتے سروں پر چیرے باندھ کر گلیوں میں اینڈتے ہوئے چھیل چھبیلے گبھرو۔ مکھن اور ملائی کھا کھا کر پلی ہوئی موٹی تازی جھٹیاں۔ بھنگ پی پی کر بنکارنے والے ملنگ۔ دائروں میں جھگڑے نپٹاتے ہوئے سنجیدہ عمر رسیدہ جاٹ اور ان جیسی بے شمار دلآویز

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

تصویریں ہیر وارث شاہ کے اوراق میں جا بجا دکھائی دیتی ہیں۔ ہیر کی تصنیف پر کم و بیش دو صدیاں گذر چکی ہیں لیکن جدید تہذیب کے شیوع کے باوجود ہمارے یہاں کے دُور اُفتادہ دیہات میں وہی زرعی معاشرہ قائم ہے جس کے شاعر وارث شاہ تھے۔ شہروں اور ان کے نواحی قصبات میں زندگی کی رفتار موٹر کار، ریل اور ہوائی جہاز سے ناپی جاتی ہے دیہات میں زندگی اپنی اسی ڈگر پر اونگھ رہی ہے۔ جدید دور نے ان تصویروں کے خطوط بے شک دُھندلا دیئے ہیں لیکن تصویروں کے خدّوخال بڑی حد تک بحال و برقرار ہیں۔

طوالت کے خوف سے اس مُرقّعے کی چند تصویریں ہی دکھائی جا سکتی ہیں۔

سب سے پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ دیہات میں صبح کیسے طلوع ہوتی ہے وارث شاہ کہتے ہیں کہ چڑیوں کی چوں چوں اور لالیوں کی چہچہاہٹ کے ساتھ ہی راہی اپنے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ چندربنسی خاندان کی بادشاہی ختم ہوئی اور سورج بنسیوں کا راج آ گیا۔ (چاند غروب سورج طلوع ہوا) سیاہ فام ہندو راجاؤں نے شکست کھائی اور حکومت کی باگ ڈور گورے چٹّے درّانی افغانوں کے ہاتھ میں آ گئی (رات گئی، دن آیا) لوگ جاگ جاگے اور اپنے اپنے کاموں میں جُت گئے۔ عورتوں نے چرخہ کاتنا شروع کیا۔ کچھ عورتوں نے مٹکیاں دھو کر صاف کیں اور دودھ بلونا شروع کیا۔ عورتیں جنھیں روٹی پکانے کا تردّد کرنا تھا چکّی پیسنے لگیں۔ جن لوگوں نے رات کو سیج کے مزے لُوٹے تھے غسل جنابت کے لئے بھاگ نکلے ہل چلانے والے بیلوں کو جوتنے لگے۔ کمیوں نے رہٹ چلائے اور گادی پر بیٹھ کر حقہ لینے لگے۔ کمہار مٹّی ڈھونے کے لئے اپنے گدھوں پر پالان کسنے لگے۔ اور جولاہوں نے اپنی تانیاں بھگونی شروع کر دیں۔ زاہدوں نے وضو کیا اور تسبیح سنبھالی۔ مُلّا نے اذان دی۔ کارواں سرائے سے قافلہ روانہ ہوا اور گھنٹیوں کی آواز آنے لگی۔ حُفّاظ نے

ے یہ سطور حالیہ انتخابات سے بہت پہلے لکھی گئی تھیں۔ اب صورت حال مختلف ہے۔ سیاسی بیداری جنگل کی آگ کے مانند ہر کہیں پھیل گئی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

قرآن کی تلاوت شروع اور سالکین عشق کی منازل طے کرنے کے لیے مُراقبے میں غرق ہو گئے۔

چڑی چوہکدی نال جاں ٹُرے پاندھی پیاں دُدھ دے وچ مدھانیاں نے
ہوئی صبح صادق جدوں آن روشن تدوں لا لیاں آن پچھانیاں نے
چندر بنسیاں دی شاہی ختم ہوئی سورج بنسی کردے حکمرانیاں نے
سیاہ فام تھاراجیاں ہنداں تھیں لیا راج افغاں دُرانیاں نے
کاروبار دے وچ جہان ہویا چرخے ڈاہندیاں اُٹھ سوانیاں نے
اکناں اُٹھ کے ریڑکا پا دتا اک دھوندیاں بھرن دوہانیاں نے
گھر بارناں چکیاں جھوتیاں نے جنہاں تاؤناں گُھتھ پکانیاں نے
سویرے غسل دے واسطے جان دوڑے سیجاں جنہاں نے رات نوں مانیاں نے
اک اُٹھ کے ہلیں تیار ہوئے اک ڈھونڈدے پھرن پورانیاں نے
لیاں کدھ پڑنالیاں لیاں نے سیں بھوہیں نوں جنہاں نے لانیاں نے
پاتی لاں نوں کامیاں کھوہ جُتے بیٹھے گاہڑی تے لیں جھولانیاں نے
مٹی لین نوں گدھے گھمیار کستے چلے پادلی کرن بیبانیاں نے
وضو ساز کے زاہداں پھڑی تسبیح بانگاں مسجدیں کہیاں مُلوانیاں نے
ہوئے قافلے کوچ سرائے وچوں کھڑکے ٹل پربھات چلانیاں نے
شروع حافظاں دَور قرآن کیتا جنہاں منزلاں ست مکانیاں نے
مسلک عشق دے ہوئے روان سالک جنہاں کرنیاں ہفت طیرانیاں نے

آج بھی پنجاب کے دور افتادہ دیہات میں صبح اسی طرح طلوع ہوتی ہے۔ دیہاتی دن بھر کی محنت مشقت سے چور سرِشام گہری نیند سو جاتے ہیں اور صبح سویرے جاگ کر پھر اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں۔ یہ چکر اسی طرح چلتا رہتا ہے۔ وارث شاہ کی قوتِ مشاہدہ وصف نگاری میں پوری طرح نکھرتی ہے۔ وہ جزئیات کا احاطہ فن کارانہ چابکدستی سے کرتے ہیں۔ بارات کی آمد

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور متعلقہ رسوم کا ذکر ان کی وصف نگاری کی ایک خوبصورت مثال ہے۔ کہتے ہیں کہ بارات کے ساتھ ڈوم گاتے ہوئے آ رہے ہیں۔ شہنائیاں بج رہی ہیں۔ بھانڈ نقلیں کر رہے ہیں۔ رنڈیاں بھاؤ بتا بتا کر سُریلی تانیں اُڑا رہی ہیں اور مور کی طرح اٹھلا اٹھلا کر قدم اٹھاتی ہیں۔ گھوڑے ہنہنا رہے ہیں۔ زمین کی مٹی اڑ کر چاروں طرف غبار پھیل گیا ہے۔ گھوڑے مختلف رنگوں کے ہیں مشکی، چلنبے، کمیت، عراقی، سبزے، چینے، نقرے، تیلیے، کلّے، سمند، سب کنوتیاں اُٹھائے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے ساز پھندنوں سے سجائے گئے ہیں۔ باراتی سرخ بانات کی زینوں پر سوار بیٹھے ہیں۔ شراب پی رکھی ہے۔ ہاتھوں میں نیزے تھام رکھے ہیں۔ کیسری رنگ کے طُرّے اور چیرے لہرا رہے ہیں جن سے پھول لٹک رہے ہیں۔ ٹکے لٹاتے آ رہے ہیں۔ باراتیوں نے سنہری اور بلوری پیالوں میں بھنگ پی ہے۔ میراثنیں ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ سہرے گانے کے گیت گا رہی ہیں میراثی سریلی آواز میں کبت پڑھ رہے ہیں۔ بارات رنگ پور سے آئی اور سیالوں کے ہاں ٹھہری۔ کمین اپنے اپنے لاگ نیگ لینے کے لئے آئے۔ کھیڑوں کے گھوڑوں کی لگامیں تھام انھیں نیچے اُتارا اور خوشامدانہ لہجے میں لاگ مانگنے لگے۔ دائرے میں شطرنجیوں پر باراتی صف بہ صف بیٹھ گئے۔ سب کو شربت پلایا گیا۔ سہرے، دُو پیلے اور چھوڑے حقّے حاضر کئے گئے۔ پیچواں حقّوں کے نیچے نُیچے نلّے سے منڈھے ہوئے تھے۔ ڈوم ڈھاڑی کھڑے دعائیں دینے لگے اور کھیڑے فیاضی سے بخشش کرنے لگے ؂

ڈھاڈی کنجریاں بھگتے نقلئے سن نالے ڈوم مردود خود گائے کے جی
کشمیر دے وکھی نال واجے تڑھیاں تونبیاں چھتا چھنکائے کے جی
بیاآن ہنکارسی گھوڑیاں دا اڈی دھرت دی وسوڑ دھمکا ٹیکے جی
نیلے شربتی تنگ کلیان کلّے چھتے ٹیکساں نال سجائے کے جی
مُشکی چینے، کمیت، عراقیے سن بر سے چینبیاں رنگ لہرایکے جی
نُقرے نیلے، کلّے، سمند چوہے چلن چال کنوتیاں چائے کے جی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کھیڑے ہوئے اسوار نے گھوڑیاں تے زینیاں سُرخ بنات دیاں پائیکے جی
دارو نوش کر کے لے کے ہتھ نیزے چڑھے گبھرو دھرگ وجائیکے جی
کیسر بھنبڑے پگاں دے پیچ آہے چڑھے سُورمے جنج بنائے کے جی
پھُل سہریاں طُریاں نال لٹکن ٹکے دِتے نے لکھ لٹائے کے جی
سونے رُپے بلور دے جام آہے پوست پیوندے بھنگ چھنائیکے جی
سہرا گھوڑیاں راگ میراثناں دا گاون ڈھولکاں نال سمجھائیکے جی
گاون کنجریاں خوب آواز کر کے اُتے دسدیاں دست بتائے کے جی
وانگ مور دے پائلیاں پاندیاں نے ناچ نچدیاں پیر اُٹھائے کے جی
سُردار کبت سن بہت پڑھدے دیندے نوک زبان سنائے کے جی
کیتا جنج اُتارا آ چوک اندر صفاں بورئیے دیہن وچھائے کے جی
مجلس لا بیٹھے وچ وارے دے شربت پیوندے صاف کرائیکے جی
سونے رُپے دے تے چم دے لیا حقّے بجلی بھرت دے چمک چمکائے کے جی
پیچوان چمکانے خوب نیچے سُچے تِلے دے بند پوائے کے جی
وارث شاہ دے تان کے ٹگٹ سر تے سہرے گگنے دے بنھ بنھائیکے جی

چڑھی رنگ پور تھیں جنج کھیڑیاں دی ڈھکی شہر سیالاں دے آمیاں
لاگی لکھ خوشادی ہوئے حاضر گھوڑے کھیڑیاں دِتے پکڑا میاں
شطرنجیاں گھت وچ سنتھ بیٹھے ڈھاڈی کرن سلام دُعامیاں
وارث شاہ اگے ڈھاڈی گاوندے نے کیتی کھیڑیاں بہت عطامیاں

شادی پہ شراب پینے کی روایت پنجاب کے دیہات میں قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ اگرچہ آجکل یہ صرف بعض وسطی اضلاع تک محدود ہے۔ فلموں کی مقبولیت نے رنڈیوں کے مُجرے ختم کر دیئے ہیں لیکن باراتیوں کی تفریح کے لئے بھانڈ لیتڑے لئے آج بھی موجود ہوتے ہیں۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور ڈوم ڈھاڑی شجرے سنا سنا کر انعام پاتے ہیں۔ دیہات میں باراتیوں کو حملہ آور سمجھ کر اُن کی مزاحمت کی جاتی ہے۔ جوان عورتیں مکانوں کی منڈیروں پر پرے جا کر بیٹھ جاتی ہیں اور باراتیوں کو وہ بے نقط سناتی ہیں کہ شیطان سُن پائے تو اس کا رنگ بھی فق ہو جائے۔ دولہا کی ماں بہن بیجی، ممانی کا نام لے لے کر گالیاں دی جاتی ہیں۔ بعض اوقات باراتیوں پر اُپلے اور مٹی کے ڈھیلے بھی پھینکے جاتے ہیں۔ وارث شاہ کہتے ہیں ؎

دیکھو جھنگ سیال بہشت بنیا کڑیاں میل دیاں خوب سہایائی
مرتے چھتیاں سوہنیاں گُندکے تے اکو جیڈیاں متا پکایائی

اس کے بعد لڑکیوں نے دولہا، شہ بالے اور باراتیوں پر گالیوں کی جو بوچھاڑ کی ہے وہ وارث شاہ کی حقیقت نگاری پر دلالت کرتی ہے۔ بارات کی آمد پر سمدھی ایک دوسرے سے ملتے ہیں ؎

جانجی کس کمراں سبھے کھڑے ہوئے تدوں تیلیاں آن مشال بھڑی آ
سیال شکر گذارٹے رب اگے جدوں جنج دروازیوں آن وڑی آ

بارات غروب آفتاب کے بعد جب تارے چھٹک گئے ہوں دلہن کے گھر میں داخل ہوتی ہے اس لئے مشعلیں روشن کی جاتی ہیں اور یہ کام تیلیوں کے سپرد ہوتا ہے۔ نائی بتاشے لاکر آگے رکھتا ہے ؎

نائی ملک کے تھال بتاسیاں دا دھریا کھیڑیاں دے اگے آ سیاں
پنج روک روپے تے اک تنگی دھریا کھیڑیاں دا سرو پا میاں

یہ رسمیں بڑے بڑے قصبوں میں ختم ہوتی جا رہی ہیں کیونکہ مکین جوق در جوق شہروں کا رُخ کر رہے ہیں۔ لیکن دور افتادہ دیہات میں باقی و برقرار ہیں۔

یہ تو بارات کی ایک جھلک تھی۔ بارات کی آمد کے دن دُلہن کی عزیز رشتہ دار عورتیں بناؤ سنگھار کر کے دُلہن کے گھر آتی ہیں۔ اس اجتماع کو میل کہا جاتا ہے اور عورتوں کی زیبائش و

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

آرائش کو "میل پھبین" کا نام دیتے ہیں۔ وارث شاہ نے میل کا بڑا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے پریوں کی طرح خوبصورت جٹیوں کے قاتل نین شاہ پری کے حُسن کو بھی مات کر رہے ہیں۔ وہ ناز سے قدم اُٹھاتی ہیں۔ لگتا ہے جیسے پریوں کی طرح پرواز کرنے والی ہیں۔ کچھ ایک دوسری کو گلے لگائے کھڑی ہیں۔ اور کچھ باراتیوں کو طعنے اور گالیاں دے رہی ہیں۔ کچھ سہرے کے گیت گا رہی ہیں۔ وہ اپنے حُسن کا عکس آرسی میں دیکھتی ہیں تو ان کے چاہنے والے دیدار کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں۔ جو عورتیں سنڈیروں پر بیٹھی ہیں وہ چادر ہٹا ہٹا کر اُبھری ہوئی چھاتیوں کی بہار دکھا کر نیچے جھانک رہی ہیں۔ کچھ تالیاں پیٹ پیٹ کر ناچ رہی ہیں اور کچھ کوئل اور کونج کی طرح سُریلی دردناک آواز میں دوہڑے گا رہی ہیں۔ جھنگ سیال کی لڑکیاں میل کی پھبین کر کے سہاگ کے گیت گا رہی ہیں۔ شادی شدہ عورتوں کے زرنگار جوڑے دیکھ دیکھ کر کنواریاں شرمائی جا رہی ہیں۔ جھنگ کی گلیوں میں ہر کہیں میل کی رونق ہے لڑکیاں ناز و ادا سے گھوم پھر رہی ہیں۔ میراثنیں ڈھولک بجا رہی ہیں اور ساتھ ہی اٹھلا اٹھلا کر قدم اُٹھا رہی ہیں۔ عورتوں نے اپنے آپ کو عطر میں بسا رکھا ہے۔ اُبٹن سے ان کا رنگ نکھر گیا ہے۔ کچھ عورتوں نے جوگی جوگن کا سوانگ بنا رکھا ہے۔ ان کی پیچ در پیچ زلفیں ہوا میں لہرا رہی ہیں۔ ہونٹوں پر مساک کی لالی جما رکھی ہے۔ پہلے آرسی میں اپنا چہرہ دیکھتی ہیں اور پھر چاہنے والوں کو مکھڑا دکھاتی ہیں۔ بعض لڑکیاں تالیاں پیٹ پیٹ کر پھمنیاں ڈال رہی ہیں۔ کچھ آ رہی ہیں کچھ جا رہی ہیں۔ ہیر کی سہیلیاں ایک سے ایک خوبصورت کچھ پتلیوں کی طرح نازک اندام دھان پان اور کچھ گداز بدن کی گدبدی ہیں۔ وہ نہایت نزاکت سے ہاتھ میں ہاتھ ملائے مست خرامی کر رہی ہیں چہرے پر سیاہ زلفیں ایسی ناگنوں کی طرح ہیں جنہیں منتروں سے مُسخر کر لیا گیا ہو۔ آنکھوں میں کجلے کی دھاریاں قندھاری فوج کی طرح قتلِ عام کر رہی ہیں۔ بے طرحدار لڑکیاں چاروں طرف دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتی ہوئی جا رہی ہیں۔

پریزاد جٹیاں نین خونی شاہ پری دی ہوش وتجاندیاں نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جاپن اُڈ دیاں جاندیاں حسن بھریاں ایسا ناز تھیں قدم اُٹھاندیاں نے
اک سجھنیاں دین تے لین گالیں اک سہرے دا گیت سناندیاں نے
اک ہو اکھٹیاں نال نخرے نال ہیک دے ہیک ملاندیاں نے
نال آرسی مکھڑا ویکھ سُندر، پیاں عاشقاں کوں ترساندیاں نے
اک لابکے چادراں گنڈھ چھاتی اوپر واڑیوں چھاتیاں پاندیاں نے
اک وانگ بساتیاں گنڈھ لاٹو ویرا راہ دی ناف دکھاوندیاں نے
اک تاوڑی مار کے نچدیاں نے اک سڑہ نوں پیاں اکاندیاں نے
اک گاؤں کے کوئلاں کوُنج ہویاں دو ہڑے راہ وچ اک لاندیاں نے
اک آکھدی مور نہ مار ہیرا اک وِچ ممولڑا گاندیاں نے
کڑیاں جھنگ سیالاں میل سُہایاں انداز تے ناز بناندیاں نے
مطرب زادیاں ڈھول وجا بکے تے نال چاوڑاں قدم اٹھاندیاں نے
اک عطر عبیر پھلیل لاون وٹنا انگ تے انگ ملاوندیاں نے
اک سوانگ بن کے جوگن جوگیاں دا انگ سواہ بھبوت رماندیاں نے
دل پا کے خوبیاں ہٹیاں نوں سُک چپ کے لیاں رنگاندیاں نے
نال آرسی مکھڑا ویکھ پہلے فیر عاشقاں دید کراندیاں نے
بھڑ ہتھو مار کے بھجنیاں گھتدیاں نے اک آوندیاں دُوجیاں جاندیاں نے
وارث شاہ دا چُرماگٹ کے تے پڑھ فاتحہ ونڈ ونڈاندیاں نے

سنگ سٹھ سہیلیاں سب سارا اک دوجی توں رنگ رنگیلیاں نے
اک بجاریاں گوریاں حسن اندر اک نازکی نال بتیلیاں نے
کنگی پا کے لٹکدی چال چلن نال چاوڑاں چھیل چھبیلیاں نے
زلفاں کالیاں ناگناں کھڑے نے کسی باغ دی منتراں کیلیاں نے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سُرمہ کجلا کشک قندھار والی گولی نظر دی تاڑ دی چھلیاں نے

الیس بر چناب دسے ناز نیارے ناز بھنیاں سچ چھبیلیاں نے

کنواری اور شادی شدہ عورتیں شادی کے گھر سولہ سنگھار کر کے آتی ہیں۔ آج ان پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہے۔ چلنے پھرنے، ہنسنے کھیلنے، ناچنے گانے کی پوری آزادی ہے۔ چاروں طرف چاہنے والوں کا جھرمٹ ہوتا ہے جوشِ آرزو سے لرزتی ہوئی نگاہیں ٹکراتی ہیں اور شوقِ ملاقات سینوں میں جوش مارتا ہے۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں ہوتی ہیں۔ ناز و ادا کے کرشمے دیکھنے والوں کو گھائل کرتے ہیں۔ پیار بھرے گیت گائے جاتے ہیں۔ گانے، ناچ اور ڈھولک کی تھاپ پر نگاہیں آوارہ ہو جاتی ہیں اور رگ و پے میں شعلے دہکنے لگتے ہیں۔ وارث شاہ کی نفسیاتی بصیرت قابلِ داد ہے کیا خوب کہا ہے کہ کنواریاں شادی شدہ عورتوں کے زرنگار لباس دیکھ دیکھ کر شرمائی جا رہی ہیں۔ اور حسین عورتیں سنگھار کر کے پہلے آرسی میں اپنا چہرہ دیکھتی ہیں اور پھر اپنے عشاق کو جھلکارا دکھاتی ہیں۔

شادی کی رسوم کا ذکر کرتے ہوئے وارث شاہ کہتے ہیں ہیر کو کئی دنوں سے مانجھے بٹھا رکھا تھا۔ اسے گھڑولی کے پانی سے غسل دیا گیا۔ گھڑولی بھرنا ہمارے دیہات کی ایک دلچسپ رسم ہے۔ جوان لڑکیاں گھڑے پر لال رنگ کی صافی لپیٹ کر گانے گاتی ہوئی گاؤں کے باہر جاتی ہیں اور کسی کنوئیں سے گھڑا بھر کر لاتی ہیں جس سے دلہن کو نہلایا جاتا ہے۔ عورتوں کے جھرمٹ کے ساتھ ایک خاص تال میں ڈھول پیٹے جاتے ہیں۔ ماہیئے کا بول ہے :

دو پتر ہر تولی دے   کھل گئی مینڈھی وج گئے ڈھول گھڑولی دے

یعنی دلہن کے کنوارپنے کی مینڈھیاں کھول دی گئی ہیں اور اسے نہلانے کے لئے گھڑولی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

پنڈ دادنخاں میں شادی کے موقع پر لڑکیاں ماہیئے کے یہ بول گاتی ہیں :

ے   کچے دی ونگ ماہیا   اوہ کی کرسن بھجنے جنہاں دے سنگ ماہیا

لڑکیوں کی دوسری ٹولی جواب دیتی ہے :   کچے دی ونگ ماہیا   اوہ پئے رہسن بھجنے جنہاں دے سنگ ماہیا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نکاح کے بعد دولھا کو سسرال کی عورتیں گھر کے اندر بلاتی ہیں۔ یہ وقت اس بیچارے پر بڑا نازک ہوتا ہے اور اس کی جو گت بنائی جاتی ہے وہ ساری عمر نہیں بھولتا۔ طرح طرح کی شرارتوں اور پھبتیوں سے سالیاں اس کا ناک میں دم کر دیتی ہیں۔ سالیوں کے مذاق بعض اوقات خاصے خطرناک بھی ہوتے ہیں۔ وارث شاہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر سالیوں نے سیدے کھیڑے کو موّلی سے ناپا پھر اس کی چھنگلی سے چھنا کھلوایا گیا۔ اسے اور شہ بالے کو نکو بنایا گیا۔ اسے پھبتیاں دی گئیں۔ سیدے کو الٹی شلوار میں سے نکالا گیا۔ اور عجیب و غریب فرمائشیں کی گئیں۔

دلہن کو پالکی میں بٹھایا جائے تو وہ ڈھاڑیں مار مار کر روتی ہے اور میراثنیں لہک لہک کر بابل کا گیت گانا شروع کر دیتی ہیں جس سے مرد عورتوں کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ بھیگ جاتی ہیں۔ جب ہیر کو پکڑ دھکڑ کر پالکی میں بٹھایا گیا تو اس نے رو کر کہا ؎

ڈولی چڑھدیاں ہیر ورلاپ کیتا مینوں لے چلے بابلا لے چلے وے
مینوں رکھ لے بابلا گھت ڈولی کہار چک کے پئے در پئے چلے وے
میرا آکھیا کدی نہ موڑدا سیں او سے بابل کہنے گئے چلے وے
تیرے پینگھڑ چھپادیں بابل دکھ وانگوں اسیں وانگ مسافراں بھیو چلے وے
دن چار نہ رج آرام کیتا دکھ درد مصیبتاں سہہ چلے وے
سانوں بولیا چالیا معاف کرنا ہیچ روز تیرے گھر رہ چلے وے

ہیر کی پالکی سسرال پہنچی تو وہاں بھی شگن شگون اور رسمیں ادا کی گئیں۔ قرآن شریف پر پانچ اشرفیاں رکھ کر ہیر کی نقاب کشائی کی گئی۔ اس پر پانی صدقہ کر کے لنڈھایا گیا۔ دہلیز پر تیل چوایا گیا۔ جھیوروں نے پانچ پیسے لے کر پالکی اندر رکھ دی۔ ہیر کے سامنے کھچڑی رکھی گئی اور وہ ایک لقمہ چکھ کر دالان میں داخل ہوئی۔

شادی کا ذکر کرتے ہوئے وارث شاہ نے ملبوسات، زیورات، برتنوں اور مٹھائیوں کی تفصیل دی ہے۔ ان میں سے بعض زیور اور کپڑے متروک ہو چکے ہیں۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زیورات : جھانجر ۔ حمیل ۔ بازو بند ۔ بس ۔ چوک ۔ کنگن ۔ لونگیر ۔ توڑے ۔ پاونٹی ۔ پینچی ۔ حگنی ۔ مچھیاں ۔ پازیب ۔ گھنگھرو ۔ جھمکے ۔ چونپ کلی ۔ اسکندری ۔ بیر بلبیاں ۔ چھنکنگن ۔ ٹکا ۔ چنن ہار ۔ لوہلاں

کپڑے : لنگی ۔ لاچہ ۔ سلاری ۔ چوپ چھال ۔ بافتی ۔ پھلکاریاں ۔ چڑنیاں ۔ چار خانہ ۔ نینو ۔ خاصہ ۔ گلبدن ۔ اطلس ۔ کمخواب ۔

برتن : چھنے ۔ پتیلے ۔ گڑوے ۔ پراتاں ۔ رکاب ۔ بیلوے ۔ خوانچے ۔ طاس ۔ تھال ۔ کڑچھ ۔ کڑاہی ۔

مٹھائیاں : شکر بارے ۔ نگدی ۔ جلیب ۔ لڈو بوندی ۔ مکھانے ۔ خطائی ۔ بادشاہی ۔ مٹھے ۔ کھجور ۔ اندرسہ ۔ سموسہ ۔ کچوری ۔ لچی ۔ گول گپا ۔ بیدانہ ۔ گلاب جامن

ہیر وارث شاہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے دو سو سال پہلے عورتوں کی طرح مرد بھی زیور پہنتے تھے ۔ راقم نے اپنے لڑکپن میں ایک مسلمان راجپوت کو ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے دیکھا تھا ۔ بلکہ سردار اور پہلوان بھی گلے میں سونے کے کینٹھے پہنتے تھے ۔ رانجھے نے کانوں میں سونے کے بندے پہنے تھے ۔ جوگ لینے سے پہلے کہتا ہے ؎

پیٹے وال ملایاں دے نال پالے وقت آیا سُو رگڑ منا دتے دا
بندے سونے دے لاہکے چا چڑھیا کن پاڑ کے مُندراں پاوتے دا

جاٹوں کی گوتوں اور کمین اقوام کے ناموں سے بھی خالص دیہاتی ماحول قائم ہوگیا ہے ۔

جاٹوں کی گوتیں : سندھو ۔ باجوے ۔ کھرل ۔ ترگڑ ۔ تارڑ ۔ ساہی ۔ چیمے ۔ چٹھے ۔ ڈوگر ۔ ٹوانے ۔ دینیں ۔ وڑائچ ۔ چدھڑ ۔ باگڑی ۔ ورک ۔ گوندل ۔ چوہان ۔ گکھڑ ۔ جنجوعہ ۔ کھوکھر ۔

وارث شاہ نے چوہان ۔ گکھڑ ۔ جنجوعہ اور کھوکھر بھی جاٹوں میں شمار کئے ہیں ۔ حالانکہ یہ راجپوتوں کی گوتیں ہیں ۔

کمیوں کے نام : نتھو خوجا ۔ کاکا پینجا ۔ صدقی پولی ۔ لکھمی تیلی ۔ فتو کلال ۔ جھگڑو ڈوم ۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لکموں موچن۔ سمی مالن۔ بختاور لوہاری۔ بخت ترکھانی۔ ستو کمہیاری۔ سبھرائی تیلن۔ بھاگو ڈومنی۔ چنگو للارن۔ مینٹھی نائن۔

ڈوم کا نام جھگڑو نہایت موزوں ہے۔ ڈوموں کی زبانیں واقعی آندھی کی طرح چلتی ہیں۔ اور یہ کچھ لئے بغیر نہیں ٹلتے۔ شیکسپیئر نے ایک رنڈی کا نام Tearsheet (چادر چاک) رکھا ہے جو اس کے پیشے کی رعایت سے بڑا مناسب ہے۔[1]

وارث شاہ کی وصف نگاری اور تصویر کشی کی ایک نہایت شگفتہ مثال جوگی کی رنگ پور میں آمد ہے۔ جب رانجھے نے رنگ پور کے باغ میں ڈیرا لگایا تو ہر طرف ہلچل مچ گئی۔ کہتے ہیں کہ کچھ عورتیں اسے دیکھ کر گالیاں دینے لگیں ؎

کائی آکھدی جوگڑا نواں آیا کائی رنّوہ دیاں بھوواں چڑھادندی اے
کائی پُنّے دا دے سَتّاں پیڑیاں نوں غصہ جیو دے وچ مٹادندی اے

اکثر عورتیں چھوٹی بڑی کنواری بیاہتا دوڑ دوڑ کر آنے لگیں۔ دانا عورتوں کے ہوش بھی گم ہو گئے۔ بڑی بوڑھیاں لاٹھیاں ٹیکتی ہوئی پہنچ گئیں۔ کچھ عورتیں تازہ دودھ لے آئیں اور کچھ کھیر پکا کر لائیں۔ کچھ عورتوں نے پراٹھے پکائے اور کچھ سردائی گھوٹ لائیں۔ جوگی کے ارد گرد لوگوں کے ٹھٹ لگ گئے۔ نائی اور ڈوم اپنے اپنے دھندے بھول گئے۔ محفلیں اجڑ گئیں اور لوگوں نے باغ کا رخ کیا جہاں میلہ لگ گیا۔ شہر سے نانبائی آ گئے۔ قصائیوں نے بکرے ذبح کئے۔ شیر فروش کڑاہیوں میں دودھ ابالنے لگے۔ حلوائی لڈو مٹھیاں حلوہ پوری تلنے لگے۔ عورتوں کی بھیڑ لگ گئی۔ نوبیاہتا دلہنوں نے گھروں کے دروازے بند کئے تالے لگائے اور جھانجریں جھنکاتی ہوئی پہنچ گئیں۔ جوگی کے فقر سے مرعوب ہو کر بڑی بوڑھیاں اس کا بدن دابنے لگیں۔ کچھ عورتوں نے میٹھی مٹھیاں اس کے نذر کیں اور سر جھکا کر سلام کیا۔

ایک کہنے لگی: "مجھ نصیبوں جلی کا محبوب روٹھ گیا ہے اور اس کی جدائی میں تڑپ رہی ہوں۔"

دوسری بولی: "پیار نے میرے تن بدن کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔"

---

[1] Henry IV

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایک کہنے لگی : " میرے بانکے نین والے سپاہی محبوب نے مجھے جدائی کی تیغ سے ہلاک کر دیا ہے۔"

دوسری بولی : " جب کبھی میرا محبوب مجھے ملنے آتا ہے میری بھابیاں جل بھن کر کباب ہو جاتی ہیں۔"

ایک کہنے لگی : " میں ہمیشہ لڑکیاں ہی جنتی ہوں اور میری لڑکیوں کے شوہر انکی قدر نہیں کرتے۔"

دوسری بولی : " میرے بیٹے ابھی تک کنوارے بیٹھے ہیں ان کی منگنی کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔"

ایک کہنے لگی : " میری ساس ہمیشہ مجھ سے خفا رہتی ہے اور مجھ میں کیڑے نکالتی رہتی ہے۔"

دوسری بولی : " میرے دیور ہر روز میرے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتے ہیں۔"

ایک کہنے لگی : " مجھے قرض نے بدحال اور بے وقر کر دیا ہے۔"

دوسری بولی : " قرض خواہ نے مقدمہ دائر کر کے میرے مکان قرق کرا لئے ہیں۔"

غرضکہ عورتوں نے اپنی اپنی رام کہانی بے کم و کاست جوگی کو سنائی۔

ایک کہنے لگی : " میں غریب کنگال ہو گئی ہوں۔

دوسری بولی : میرے گھر اولاد نہیں ہوتی۔ اور سرکار سے جو چھ ماہی مقرر تھی ضبط ہو گئی ہے۔

ایک کہنے لگی : مجھے میرے شوہر نے مار مار کر گھر سے نکال باہر کیا ہے اور وہ مجھ سے ہمیشہ خفا رہتا ہے۔

دوسری بولی : میں اپنے دیوروں، جیٹھانیوں اور دیورانیوں کے ہاتھوں سخت تنگ ہوں۔

ایک کہنے لگی : میری ہمسائیاں مجھے ستاتی ہیں اور مجھ پر تہمتیں لگاتی رہتی ہیں۔

دوسری بولی : میرا بیٹا پردیس گیا تھا مدت ہوئی اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔

ایک بے جھجک کہنے لگی مجھے کوئی پوشیدہ روگ لگ گیا ہے اور میرے سینے میں عشق کی آگ سلگتی رہتی ہے۔

رانجھے نے نوخیز لڑکیوں کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور ان سے کہا :

کمہاروں کی آوی میں سے پکائی ہوئی کوری ٹھیکریاں لے آؤ۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لڑکیوں نے بلا تامل ٹھیکریاں لاکر رانجھے کے آگے ڈھیر کر دیں۔

رانجھے نے کوئلے سے ان پر لکیریں کھینچ کر عورتوں کو دیں۔

کسی سے کہا اسے منہ میں رکھنا کسی سے کہا اسے کمر کے ساتھ باندھ لینا۔

کسی سے کہا پانی کے گھڑے میں رکھنا اور اس کا پانی سارے کنبے کو پلانا۔ سسر، ساس دیور، نندیں، شوہر سب تمہارے مرید ہو جائیں گے۔

کسی سے کہا اسے ملتے کی کوٹھی میں رکھنا کسی سے کہا اسے چوکھٹے میں جڑوا لینا۔

کسی سے کہا خاطر جمع رکھو خدا تمہاری مرادیں پوری کرے گا۔

اور اس فقیر کی دعا سے رب بچھڑے ہوؤں کو ملا دے گا۔

کسی سے کہا تیری ساس تجھ سے خفا ہے اس نے تجھے کوئی جڑی بوٹی گھول کر پلا دی ہے۔

سفید مرغے کا خون شیشے میں ڈال کر اس فقیر سے تعویذ لکھوا لینا۔

غرضکہ جوگی نے سب عورتوں کے دل موہ لئے۔

سارے گاؤں میں شور و غوغا مچ گیا اور پرانے جھگڑے دوبارہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

عورتیں اپنی اپنی غرض کے لئے جوگی کے قریب گھس کر بیٹھ گئیں۔

اور وہ مست بیٹھا باری باری ان کی رام کہانیاں سنتا رہا۔

وارث شاہ کی قدرت بیان، جزئیات نگاری اور نفسیاتی ژرف بینی کسی داد کی محتاج نہیں ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد جوگی بھارت چلے گئے بلہ جوگیاں اور کٹاس ویران ہو گئے۔ لیکن پیروں فقیروں کے ہاں آج بھی عورتوں کا ہجوم ہوتا ہے عورتیں ان سے مرادیں مانگتی ہیں اور وہ کاغذ کے پرزوں پر الٹی سیدھی لکیریں کھینچ کر یا حروف ہند سے لکھ کر ہر عورت سے سوا روپیہ وصول کرتے ہیں۔ ایسے ہٹے کٹے جوان پیرزادوں کی بھی کمی نہیں جو فقیروں کے بھیس میں عورتوں کو ورغلاتے رہتے ہیں۔

ہر ملک و قوم کی شاعری، تمثیلوں اور قصوں میں اپنے اپنے ملک کے نسوانی حسن کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

دلآویز مثالی نمونے ملتے ہیں۔ خوبرو عورت کہیں بھی ہو اس کا حسن دیکھنے والوں کو مسحور کر لیتا ہے۔ لیکن مخصوص آب و ہوا اور طبعی ماحول کے تحت بعض فروعی باتوں میں معیارِ حسن کسی حد تک بدل بھی گیا ہے۔ مثلاً نارڈے سویڈن میں سنہرے بال اور نیلگوں آنکھیں خوبصورت سمجھی جاتی ہیں جبکہ اطالیہ اور ہسپانیہ میں کالی زلفیں اور سیاہ آنکھیں دلوں کو موہ لیتی ہیں۔ عرب سرخ رنگ کی موٹی تازی گول گھٹنی عورت کو پسند کرتے ہیں۔ ایران میں کشیدہ قامت سیم تن کافر ادا عورت خوش وضع سمجھی جاتی ہے۔ ہندوؤں اور جرمنوں کے ہاں نمایاں طور پر بوجھل سُرین اور سینے کا غیر معمولی اُبھار کشش کا باعث ہوتا ہے۔ فرانسیسی نازک کلائی اور ننھے منّے گول ٹخنے پر جان چھڑکتے ہیں۔ انگریز عورتیں قدآور اور چوڑی چکلی ہوتی ہیں اس لئے فرانسیسی انھیں "گھوڑے" کہتے ہیں۔ اس کے برعکس انگریز فرانس کی نازک بدن عورتوں کو "کٹھ پتلیوں" کا نام دیتے ہیں۔ چینی عورتوں کو گڑیا (لعبت چین) کہا جاتا ہے۔ چند تصویریں ملاحظہ ہوں:

"تیری رانوں کی گولائی ان زیوروں کی مانند ہے
جنھیں کسی استاد کاریگر نے بنایا ہو۔
تیری ناف گول پیالہ ہے
جس میں ملائی ہوئی مے کی کمی نہیں۔
تیرا پیٹ گیہوں کا انبار ہے۔
جس کے گرداگرد سوسن ہوں۔
تیری گردن ہاتھی دانت کا برج ہے۔
تیری آنکھیں بیت ربیم کے پھاٹک کے پاس حسبون کے چشمے ہیں۔
تیری ناک لبنان کے برج کی مثال ہے۔
جو دمشق کے رُخ بنا ہے۔۔۔۔
تیری چھاتیاں انگور کے گچھے ہیں
تیری سانس کی خوشبو سیب کی سی ہے۔ (غزل الغزلات)

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

—" لڑکی ایسی تھی جیسے دُنبے کی موٹی تازی چکتی یا صاف چاندی یا سیمیں پر دیدار یا جنگل میں غزال۔ آنکھیں جادو بھری۔ بھویں جیسے کھینچی ہوئی کمانیں۔ رخسار گلابی۔ ہونٹ قند کے۔ سینہ ہاتھی دانت کا۔ رانیں شامی ستونوں کی مانند۔ کولھے ابھرے ہوئے گویا چاندی کی شاخ کے نیچے بلور کے تودے۔ وہ آگے بڑھی تو اس کے کولھے متلاطم سمندر کی طرح لہریں مارنے لگے۔ سینے پر دو انار رکھے ہوئے یا ہاتھی دانت کے دو ڈبے۔ ناف اتنی بڑی کہ آدھی چھٹانک تیل سما جائے۔ پنڈلیاں سنگ مرمر کے ستون۔ سامنے آتی تو فتنہ بپا کرتی اور پیٹھ پھیر کر جاتی تو قتل کر دیتی۔" (الف لیلہ و لیلہ)

—" اس کا تھر تھر کانپنا ابھری ہوئی چھاتیوں کے بیچ میں لگے ہوئے چندن ہار کے بار بار اُچھلنے سے ظاہر ہے۔" ....

" او کیلے کے ران والی!" (وکرم اُروسی۔ کالیداس)

—" بیدوں سے بکھرے ہوئے بیلوں کے اس کنج میں شکنتلا ہو گی کیونکہ اس کے دہانہ پر پھیلی ہوئی اُجلی ریت پر وہ نقش قدم ابھرے ہوئے ہیں۔ جو پنجوں کی طرف پھیلے ہیں لیکن سرینوں کے بوجھل پن کی وجہ سے ایڑیوں کی طرف گہرے ہیں۔" (شکنتلا۔ کالیداس)

ایران کا حسنِ نسوانی کا تصور فارسی اور اردو غزل میں منعکس ہوا ہے۔

پنجاب میں بہت کچھ نسلی اختلاط ہوا ہے۔ یہاں کے باشندوں میں دراوڑوں، آریاؤں، ہنوں، تاتاریوں، سیتھیوں اور عربوں کے خدوخال باہم گھل مل گئے ہیں۔ پنجاب پر دو سو برس تک ایرانیوں کی حکومت رہی۔ یعنی ہخامنشی خاندان کے داریوش اوّل سے لے کر داریوش سوم تک۔ اس دوران میں ایرانی کشمیر، پنجاب، صوبہ سرحد، افغانستان اور سندھ کے بعض علاقوں میں آ کر آباد ہوئے اور یہاں کی آبادی میں خلط ملط ہوئے۔ پنجاب میں پہلوانی کا ادارہ اسی ایرانی تمدن کی باقیات سے ہے۔ قدیم فارسی زبان میں شریف اور خاندانی آدمی کو پہلو یا پہلوان کہتے تھے۔ اسی طرح دراوڑوں، ہنوں، سیتھیوں، تاتاریوں اور عربوں کے اثرات بھی باقی ہیں۔ ان اثرات کا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کھوج میلوں ٹھیلوں، زبان کی ساخت، شادی بیاہ کی رسوم اور چہرے کے نقوش میں لگایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک حسنِ نسوانی کا تعلق ہے پنجاب کے دیہات میں گیہواں رنگ، سیاہ زلفوں، کشیدہ قامت اور گدرائے ہوئے بدن کو خوبصورت سمجھا جاتا ہے۔ وارث شاہ نے ہیر کے حسن و جمال کی جو دلکش تصویر کھینچی ہے اسے ہمارے دیہات کے نسوانی حسن کا مثالی نمونہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ آج سے دو صدیاں پہلے پنجاب کی دیہاتی عورتیں اپنی زیبائش اور آرائش کا اہتمام کیسے کیا کرتی تھیں۔

• ہیر کی پیشانی چاند کی طرح دمک رہی ہے۔

رنگ شہابی، قاتل زلفیں

آنکھیں نرگسی، رخساروں پر گلاب کے پھول کھلے ہوئے۔

بھویں لاہوری کمان کی طرح کھنچی ہوئی۔

آنکھوں میں سرمے کی دھاریاں جیسے ہند پر پنجابیوں نے حملہ کر دیا ہو

سہیلیوں کے جھرمٹ میں مستانہ وار جا رہی ہے جیسے عقاب ہوا میں جھول رہا ہو

ترنجنوں میں اس طرح مست خرامی کرتی ہے جیسے نواب کا ہاتھی پھر رہا ہو

حسین چہرے پر خال جیسے خوبصورت کتابت کیا ہوا حرف

ہونٹ یاقوت کی طرح سرخ اور لعل کی طرح چمکتے ہوئے

ٹھوڑی ولایتی سیب کی مانند

ناک الف حسینی کی طرح سیدھی

زلف جیسے پہاڑ کے غار سے ناگ نکل آیا ہو۔

دانت چنبیلی کی مانند، حسن کے انار سے نکلے ہوئے موتیوں کے دانے

سرو قد جیتی چین اور کشمیر کی تصویر کی مانند خوبصورت ہے۔

گردن کونج کی، انگلیاں رواں کی پھلیوں کی طرح لمبی، ہاتھ چنار کے پتے کی مانند نرم و نازک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اُبھری ہوئی چھاتیاں جیسے ریشمیں گیندیں یا ترنج کے سیب

ناف بہشت کے حوض کی طرح مُشکناب سے بھری۔ پیڑو خالص مخمل کے۔

سُرین کافور کی طرح سفید، پنڈلیاں جیسے منارے ہوں یا ستون

ہونٹوں پر دنداسے کی سُرخی جو دیکھنے والوں کو ہلاک کر دے

بازو مکھن سے تراشے ہوئے۔ سینہ جیسے گنگا کے گھاٹ کا سنگ مرمر

ہیر شاہ پری کی بہن ترنج پھول رانی ہے جو ہزار عورتوں میں کھڑی ہو تو بھی چھپائے نہیں چھپتی۔

سہیلیوں کے ساتھ غرورِ حسن سے اٹھلا اٹھلا کر چلتی ہوئی جیسے ڈری ہوئی ہرنیاں

وہ لنکا کے باغ کی پری ہے اندرانی ہے یا حور ہے جو انوار کے پردوں سے نکل آئی ہے

چین کی پُتلی ہے یا رُوم کی تصویر ہے یا پری ہے جو چاند کی طرح سُندر ہے۔

ہیر کی زیبائش کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں

ہیر نہا کے پٹ دا بھن تیور والیں عطر پھلیل لگاوندی اے
ول پا کے مہندیاں خُونیاں نوں گورے مکھ تے زُلف ٹلپاوندی اے
کجل بھنڑے نین اپرا ہد لٹے دوجے حسن دے کٹک لے دھاوندی اے
ل کے وٹناں ہوٹھاں تے لا سُرخی نواں ٹھاٹھ تے ٹھاٹھ چڑھاوندی اے
پا جھانجراں لوہڑے مرے چڑھ کے ہیر لنک دے نال چھنکاوندی اے
ٹکا بندی بھیب رہے نال لوہلاں واتگ مور دے پائلاں پاوندی اے
ہاتھی مست چھنا چھنا چھن چھنکے قتل عام خلقت ہندی جاوندی اے
نین مست تے لوہڑ دنداسڑے دا شاہ پری دی ہوش گواندی اے

رنگ پور کی حسین عورتوں کے عشوہ و ادا کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں

مار عاشقاں دے کرن چا پیرے نین تکھڑے نوک کٹاریاں دے
ویہن عاشقاں نوں توڑ دے نال نیناں نین رہن ناہیں ہر یاریاں دے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایسی جوبن دے خاص ونجاریاں نوں ملے آن بیپاری نے یاریاں دے
سُرمہ مُچیل دنداسڑا سُرخ مہندی لُٹ لے نے ہٹ پساریاں دے
جنہاں نال کلیجڑا کھچ کڈھن دِتّن بھولڑے مُکھ بیچاریاں دے
سوہے سُرخ سالو بیٹھین جوڑے رنگا رنگ سنگار منیاریاں دے

کہتے ہیں کہ ظاہر میں بھولی بھالی دکھائی دیتی ہیں لیکن تیرِ نگاہ سے چاہنے والوں کے جگر چاک کر دیتی ہیں۔ چہرے پر بھولپن ہے نگاہیں قاتل ہیں۔

وارث شاہ کو عورتوں کی زبان لکھنے میں ید طولیٰ حاصل ہے مثلاً ملکی اپنی بیٹی ہیر کو سرزنش کرتی ہوئی کہتی ہے کہ تو مجھے اس ڈھٹائی سے جواب دیتی ہے جیسے لوہاروں اور ترکھانوں کی بیٹیاں ماں باپ سے گستاخانہ سوال و جواب کرتی ہیں۔ بے حیائی کی باتیں تو موچیوں اور دھوبیوں کی لڑکیوں کو زیب دیتی ہیں۔ تیری عادتیں کمین عورتوں جیسی ہیں۔ تجھ میں کوئی شریفانہ وصف نہیں ہے اور عاقل و بالغ ہو کر تو بچیوں جیسی باتیں کرتی ہے۔ ؎

کرن ماپیاں نال جواب ساویں کُڑیاں بھٹ لوہار ترکھانیاں نی
نال حیاوڑاں کرن فضول حرکت کُڑیاں دھوبناں تے مچھانیاں نی
عاقل بالغ مٹیار جوان ہو کے گلّاں کریں توں وانگ ایانیاں نی
کوئی چال اشرافاں دی پکڑ دھیئے توبہ کرن تیتھوں کمّن آتیاں نی

ہیر رانجھے سے ملنے سے باز نہ آئی تو ملکی کا غصہ بھڑک اُٹھا اور خاص دیہاتی زبان میں طعنے دیتے اور اُلاہنے دے دے کر دھمکانے لگی ؎

گھریں آئی جاں رانجھے توں وِدع ہو کے" کائی کریں حیا" میں کہے مائی
مینوں ساڑیا لوکاں دیاں طعنیاں نے توئی شرم دی نکھ توں تُدھ لائی
مار ڈکرے کرن گے ودھ تیرے جو چاک بابے تے سکا سلطان بھائی
اُڈار یئے چنچل ہاریئے نی ساڈے سریں توں ایہہ کی خاک پائی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ملکی آکھدی ہیجڑا پٹے نی گلاں کریں توں بہت برباد یاں نے
نہیں پہن پکان دا چا تینوں اساں پکیاں تے قساں کھادیاں نے
پھُل ہیجیا سی کنڈے اُگ پئے واہ واہ ایہہ قسمتاں ساڈیاں نے
بیبا مُول نہ چنگیاں لگدیاں نے ساڈوں ایہہ جو تیریاں واہیاں نے
چوری کُٹ کے اُٹھ کے نت بیلے جاویں رانجھے دے پاس جیوں ڈاڈیاں نے
وارث شاہ جو دِھیاں نہ کہن لگن جانوں دھیاں ناہیں مالزادیاں نے

ہیر پر پھر بھی اثر نہ ہوا تو ملکی کے لب و لہجہ میں مزید تلخی آ گئی ؎

تینوں ڈونگرے کھوہ وچ جا بوڑاں کل پٹیوئی بچی میریئے نی
دھی جوان جے نکلے گھروں باہر لگے داہ تے کھوہ نگھیریئے نی
کونل وانگ پھریں توں وچ بیلے آ ٹھیر نہ کسد وچھیریئے نی
جتنا ورجیا اتنا مرے چڑھیوں توں تاں ہوئی ایں شوخ وچھیریئے نی

ہیر نے پھر بھی ماں کا کہنا نہ مانا تو ملکی نے غضب ناک ہو کر اسے بے نقط سنائیں اور بے تحاشہ گالیاں دیں۔ ؎

ہیر ماں نوں آن سلام کیتا ماؤں آکھدی آ نی نہریئے نی
اُردیگنے تے مال زادیئے نی غصے ماریئے زہر دیئے زہریئے نی
ٹر بولئے گولئے بے حیائے گھنڈ وٹیئے گلہ ٹھیہریئے نی
اودھلا گنے لوہنیئے کڑمنے نی چھیل چھیدیئے تخنئے چہریئے نی
توں اکانگیے ساڑ کے روڑ دیتا لنگ گھڑ دنگی نال مُتھریئے نی
ہُن آکھنی ہاں ٹل جا سانھوں جھڑ دا بچھے دے نال ویئے مہریئے نی۔
نال سانہاں دے پھریں دن رات کھیندی تراحال ایہو اُٹھے پہریئے نی
اج رات تینوں مجھو واہ بوڑاں ساعت آوندی لے تیری قہریئے نی

خیال رہے کہ ملکی نے اپنی بیٹی کو پہلے احسن طریقے سے سمجھایا لیکن جب وہ باز نہ آئی تو اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ خفگی اور غضبناکی کے ان مدارج کو وارث شاہ نے نہایت چابکدستی سے دکھایا ہے۔

ملا ہر کہیں ایک جیسی زبان بولتے ہیں۔ لیکن دیہات کے ملا کی زبان میں خاص کرارا پن ہوتا ہے۔ رانجھا گھر سے نکلا تو پہلی رات ایک مسجد میں بسر کی جہاں کے ملا نے سرزنش کرتے ہوئے کہا ؎

ملاں آکھیا اوناجعقول جٹا فرض کج کے رات گذار جائیں
فجر ہندی توں اگے ای اٹھ ایتھوں نکل مسجدوں فیر نہ جھات پائیں
کوئی بدعتی توں نظر آونائیں ایسے وقت ای دور ضرور ہو اوئے
خراباتیاں دی نہیں جاگہ ایتھے یاد رب دا جتھے مذکور ہو اوئے
تارک ہو صلوٰۃ دا پٹے رکھے داڑھی مُنیاں مار پچھاڑ سیّے او
تیوّاں کپڑا ہو وسے تے پاڑ دیئے لمبیاں جوں ورازتے سلیّے او

ملا کے ڈر سے رانجھا پو پھٹتے ہی جاگ اٹھا اور پتن پر پہنچا۔ لڈن ملاح سے کہا مجھے بھی دریا کے پار لے چلو۔ لڈن کو معلوم ہوا کہ اس کی جیب خالی ہے تو کہنے لگا ؎

پیسہ کھول کے ہتھ جے دھریں ساڈے گودی چاہڑ کے پار اتارنے ہاں
اجے ڈھیکیا مفت جے کن کھائیں چا بیڑیوں زمیں تے مارنے ہاں
جٹ اکڑا دیئے تے نقد ساتوں سمجھو اوسدے کم سوارنے ہاں
چور دھاڑوی آ کے ٹب دیوے اسیں اوسدے بھی پردہ دارنے ہاں

راقم کا گاؤں لب دریا واقع ہے اس کے گاؤں میں ملاحوں کا ایک محلہ بھی ہے۔ وارث شاہ نے ملاحوں کی خالص زبان لکھی ہے۔ لڈن سچ کہتا ہے کہ ہمیں چور اور ڈاکو لالچ دیں تو ان کو بھی پار لے جاتے ہیں اور ان کی پردہ داری بھی کرتے ہیں۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وارث شاہ نے دیہات کے مکتب کا بھی ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ کوئی لڑکا ع کی جگہ غ لکھے تو مُلّا گرج کر وہ ڈانٹ پلاتا ہے کہ بچے کی روح فنا ہو جاتی ہے۔ کچھ لڑکے تو صبح سویرے جُزدان لے کر مکتب جاتے ہیں اور کچھ تو پھٹے مُلّا کی دھمکیوں کے ڈر سے گھر سے بھاگ جاتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں خوش قسمت ہیں وہ طالب علم جنھوں نے استاد کی سرزنش کے مصائب جھیلے ہیں ؎

اک بھُل کے ع دا غ لکھدے مُلّاں جند کڈھے نال گُھرکیاں دے

اک آوندے شوق جزدان لے کے وانگ مکتباں دے نال تڑکیاں دے

اک نال پربھات دے نس جاندے مارے خوف ویریاں جھڑکیاں دے

وارث شاہ دھن بھاگ سہاگ تنہاں جھلے دکھ استاد دے دھڑکیاں دے

دیہات میں دستور تھا کہ جب کسی کو منانا ہوتا تھا تو منانے والا گلے میں پٹکا ڈال کر اور منہ میں گھاس لے کر جاتا تھا ؎

گلیں پا پلّا مونھ گھاہ لے کے پیریں لگ کے پیر منائیے نی

جاٹ خوشی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ اپنے چوتڑوں پر دونوں ہاتھ مارتے ہیں۔ جیسے طبلہ بجایا جاتا ہے ؎

اک چتڑ وجاندے جان بھنے بھلا ہویا فقیر دی آس ہوئی

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وارث شاہ نے فن کارانہ ہنرمندی سے پنجابی دیہات کی عکاسی کی ہے۔

وارث شاہ کی تمثیلوں، تشبیہات اور تلمیحات میں بھی دیس پنجاب کی مٹی کی بُو باس رچی ہوئی ہے جس نے ان کے اسالیبِ بیان کو فطری شگفتگی اور تازگی عطا کی ہے۔ وُہ روزمرہ کی دیہاتی زندگی سے اپنی تمثیلیں اور تشبیہات اخذ کرتے ہیں۔ مثلاً جوگی بن کر آنجھے کے حصولِ مُراد کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا مایوسی کے بعد کامرانی سے شادکام ہونا ایسا ہی ہے جیسے شور بنجر میں باغ لگا دینا، بھُنے ہوئے دانوں کا اُگ آنا ؎

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ایدوں جوگی تے رب دی مہر ہوئی کلّر شور وِچ باغ لوایائی

دیکھو کرم سو لڑے رانجھنے دے کھیت جمیاں بھنیاں دانیاں دا

لوگ خود احمقانہ حرکتیں کرتے ہیں اور الزام شیطان پر رکھتے ہیں ؎

وارث شاہ شیطان بدنام کرسو لُون تھال دے وچ بھنایائی

"نمک تھال میں کوٹنا" احمقانہ حرکت کے لئے محاورہ ہے۔ ظاہر ہے تھال ٹوٹ جائے گا

ہیر کہتی ہے کہ میں اپنے شوہر کی ایسی ہی دشمن ہوں جیسے کہ جولاہے ریشم کے دشمن ہوتے ہیں۔ ؎

میری خاوند دے نال اَجوڑ ایویں وَیر ریشماں نال جولاہیاں نوں

جولاہے ریشم کا کپڑا بننے سے پہلے ریشم کے دھاگوں کو خوب کوٹ پیٹ کر صاف کرتے ہیں۔

دیہات میں عورتیں دھان کو پہلے اوکھلی میں کوٹتی ہیں اور پھر چھاج سے چاول بھوسی سے جدا کرتی ہیں ؎

چاول عشق دے جگر دی اُکھلی چھڑیں چھجلی نیناں دی نال کلاوندائی

کہتے ہیں کہ رانجھا اپنے جگر میں عشق کا دھان کوٹتا ہے اور آنکھوں کے چھاج سے انھیں بھوسی سے جُدا کرتا ہے۔ جگر اور آنکھوں کا تعلق عشق سے واضح ہے۔

رانجھا جوگ لینے بالناتھ کے پاس گیا تو اس نے ذکر اذکار سے نفس کی سرکشی پر قابو پالیا۔ یہ مضمون وارث شاہ اس طرح ادا کرتے ہیں ؎

وِگڑے جٹ دے مُنہ لگام دے کے دیوا صبر دا دِلے وچ بالیا سُو

سُنڈاں ذِکر دیاں بنھ کے نفس اُتے اوہدے جُثے دا کھوہ گھڑ بالیا سُو

ذکر کو سُنڈوں سے اور رانجھے کے جسم کو رمبٹ سے تشبیہ دی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ بالناتھ نے رانجھے کی تربیت اس طرح کی جیسے سُنار سونے کو پگھلا کر اور کوٹ پیٹ کر زیور بناتا ہے۔ ؎

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہتھ کھپری سمرنا نادسنگی اسم الکھ دا چا سکھالیا سُو
وارث شاہ سُنیار دے وانگ گھڑ کے جٹ فیر مُڑ بھنکے گا لیا سُو

جب رانجھے نے بالناتھ کی یہ نصیحت ماننے سے انکار کر دیا کہ عورتوں سے کوئی واسطہ نہ رکھنا تو گرو پچھتانے لگا کہ میں نے اس لڑکے کو جوگ کیوں دیا۔ کہتا ہے ؎

جوگ مٹھڑے کھیت کماوے تے ایہ بالکا غیب دا پیا نیلا

نیلا ایک کیڑا ہوتا ہے جو نیشکر کی فصل کو تباہ کر دیتا ہے۔

رانجھا رنگ پور پہنچا تو عورتیں ہجوم کر آئیں۔ پردہ دار عورتیں بھی جوگی کو گلی میں سے گزرتے ہوئے چوری چھپے دیکھنے لگیں اور اس کی باتیں کرنے لگیں۔ اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔ ؎

ستردار ایو پنجرے وچ پیاں وانگ بُود نے اج پٹاکیاں نے
چوری گھنڈ دے وچ ہن تاڑیا نے چوہے وانگ ہن گھنڈ تھیں جھاکیاں نے

کہتے ہیں کہ پردہ دار عورتیں اس طرح باتیں کرنے لگیں جیسے بودنہ (بودنہ بٹیرا) بولتا ہے اور اپنے نقابوں میں سے نظریں چرا کر جوگی کو یوں دیکھا جیسے چوہے بلوں میں سے جھانکتے ہیں۔

رانجھا راجہ عدلی سے شکایت کرتا ہے کہ کھیڑوں نے میری جوگن چھین لی ہے۔ ع

میتھوں کھوہ فقیرنی اُٹھ نٹھے جیویں پیسیاں نوں ڈوم شادیاں دے

کہتا ہے ان لوگوں نے مجھ سے جوگن یوں چھین لی جیسے ڈوم شادی کے موقع پر پیسے لے بھاگتے ہیں۔

ہیر جدائی کے کرب میں اپنی بے بسی کا ذکر کرتی ہے۔ ؎

ہیر نال فراق دے آہ ماری ربا ویکھ اساڈیاں بھکھن بھاہیں
اگے اگ پچھے آب سنیھ باسیں ساڈی واہ نہ چلدی جو ہیں راہیں

کہتی ہے کہ میرے سامنے آگ ہے پیچھے پانی ہے دونوں طرف شیر کھڑے ہیں۔ میں چاروں طرف سے مصائب میں گھر گئی ہوں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہیر رانجھے کے وصل سے فیض یاب ہو کر گھر لوٹی ؎

وارث شاہ سہاگے تے اگ وانگوں سونا کھیڑیاں دا سبھو گال آئی

کہتے ہیں جیسے آگ پر تپایا ہوا سونا سہاگہ ڈالنے سے گل جاتا ہے ایسے ہی ہیر کے ہاتھوں کھیڑوں کی عزت گل گئی۔

دودھ میں آک کے دو ایک قطرے ڈالنے سے دودھ پھٹ جاتا ہے ؎

ہیر آکھدی کیتائی بُرا ہی تیری مت نوں کون لے جاوندائی

دیسی سُتیاں کلاں جگا لنگا اک دُدھ دے وچ چوا وندائی

اس میں دو محاورے باندھے ہیں۔ سُتیاں کلاں جگانا کا مطلب ہے غفلت خوابیدہ کو بیدار کرنا اور دودھ میں آک چوانا رنگ میں بھنگ ڈالنا۔ یہ وہ مقام ہے جب کیدو بھکاری کے بھیس میں رانجھے سے ہیر کی دی ہوئی چوری لے جاتا ہے۔

بعض لوگ اپنے دوستوں کو مصیبت میں ڈال کر خود بھاگ جاتے ہیں۔ رانجھا اپنی بھاوج کو طنزاً کہتا ہے ؎

ایویں غیب دیاں تہمتاں جوڑ کے تے کجھ جھوٹ نہ سچ نتارنی ایں

اُتے چاہڑ کے پوہڑیاں لالیویں کے کلاوے محل اُسارنی ایں

کہتا ہے کہ تو اُن لوگوں کی طرح ہے جو دوسرے کو مکان کی چھت پر چڑھا کر نیچے سے زینہ کھینچ لیتے ہیں۔

کیدو نے رانجھے اور ہیر کے معاشقے کا ذکر دائرے میں بیٹھ کر کیا اور انھیں خوب رُلوا کیا۔ اپنے اس کارنامے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ع

گل آکھنی سی سو میں آکھ چھڈی ڈھولی ڈھول نوں جویں وجاندائی

ڈھول کی آواز دور دور تک جاتی ہے۔ کہتا ہے کہ میں نے اپنی بات سب کو پہنچا دی ہے۔ بیدانہ ایک مٹھائی ہے اس کے ذائقے کا ذکر کرتے ہوئے وارث شاہ کہتے ہیں ؎

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

گپ چپ بیدانیاں سواد چنگے جیوں پیارے محبوب دے بوسیاں دے

ناز و ادا کے بغیر رنڈی بے جان کٹھ پتلی کی طرح ہے۔ اور عقل کے بغیر مرد گدھے کی مانند ہے ؎

ناز بناں ہے کنجنی بانب جیہی مرد گدھا جو عقل شعار نا ہیں۔

بعض بھاوجیں اپنے دیوروں سے بڑا پیار کرتی ہیں ؎

میدہ کھنڈ تے گھیو یار ہے جپھی بھابی لاڈلی نال جیویں دیوراں دے

کہتے ہیں کہ مٹھائی میں میدہ کھانڈ اور گھی اس طرح یک جان ہو گئے ہیں جیسے لاڈلی بھابی دیوروں سے گھل مل جاتی ہے۔

بعض عورتیں مردوں کو اس طرح کنگال کر دیتی ہیں جیسے اناڑی نائی کی قینچی داڑھی مونچھ کا صفایا کر دیتی ہے ؎

لباں لیندیاں ای صاف کر دیہن جویں قینچیاں احمقاں نائیاں دیاں

جٹیوں کے سڈول اور ترشے ہوئے جسموں کا ذکر کرتے ہیں ؎

کیکیہہ کراں تعریف جٹیاں دی جویں خرادیاں ڈبیاں لاہیاں نے

کہتے ہیں لگتا ہے جیسے خرادیوں نے ڈبیاں بنا کر رکھ دی ہوں۔

رانجھا جوگی بن کر رنگ پور گیا تو راستے میں اسے ایک گڈریا ملا جس نے اسے پہچان لیا اور کہنے لگا تم وہ کام کرنے جا رہے ہو جو سیدا کھیڑا سرانجام نہیں دے سکا۔ ؎

لگا ہیر نوں جن جو عشق والا سنگل نال تدبیر دے کڈھن لگوں

جہڑا سیدے تھیں مول نہ گیا چھڑیا اس جھونے نوں اج توں چھڑن لگوں

کہتا ہے ہیر کو عشق کا جو جن چمٹا ہوا ہے اسے تم تدبیر کی زنجیر میں جکڑنے جا رہے ہو اور جو جھونا چاول سیدا کھیڑا کوٹ پیٹ کر صاف نہیں کر سکا اسے تم کوٹنے جا رہے ہو یعنی ہیر جسے سیدا رام نہیں کر سکا اسے تم رام کر لو گے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رانجھے جیسے جوان رعنا کو دیکھ کر رنگ پور کی عورتوں کی جو کیفیت ہوئی اسے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

وانگ مصریاں ریجھیاں دیکھ یُوسف بُھلی عقل تے گِتوں بے گت ہویاں
سُخن قند نبات سُن جوگڑے دا کُڑیاں سُندیاں ای دُودھ بھت ہویاں

جس طرح زنانِ مصر حُسنِ یوسف کے نظارے سے حواس کھو بیٹھی تھیں۔ یہی حال رنگ پور کی عورتوں کا ہوا۔ ان کے ہوش جاتے رہے اور حواس قائم نہ رہے۔ جیسے ناچنے والی رَنڈی گَت توڑے کا ساتھ نہ دے اور اس کے پاؤں بے گت پڑنے لگیں اور جب رانجھے نے اُن سے میٹھی میٹھی باتیں کیں تو وہ سُنتے ہی از خود رفتہ ہو گئیں۔ قند نبات کی رعایت سے دُودھ بھت لائے ہیں۔ نہایت شگفتہ اندازِ بیان ہے۔

بھتی مُرَاد بلوچ سے اپنے پیار کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہے ؎

ایس عشق دے روگ نے ہڈ گالے ہودی کندھ دانگوں وِچے کُھرنیاں میں

عشق کے مرض نے گھُن کی طرح مجھے چاٹ لیا ہے جیسے کمزور دیوار بارش کے پانی سے اندر ہی اندر گھلتی رہتی ہے۔

ماہیے کا ایک بول ہے۔ ؎

تُریاں مندر دیاں   تیئیں کی جانڑوں مرضاں کھا گیاں اندر دیاں

جب ملکی نے ہیر کو سرزنش کی اور اسے سیدے کھیڑے سے بیاہنے کا ارادہ ظاہر کیا تو ہیر نے کہا ؎

مکھن نذر رنجھیٹے دی اساں کیتا سُنجی ماں کیوں چھاچھ نوں رولدی اے

کہتی ہے آغازِ شباب کا مکھن تو رانجھا کھا گیا ہے اب چھاچھ کے سوا رہ ہی کیا گیا ہے جسے میری ماں بلونا چاہتی ہے

ایک جگہ کہتی ہے۔ ؎

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رانجھا مُڈھ قدیم دا یار میرا چونڈیاں کوار دیاں جنھیں کھولیاں نے

یعنی رانجھا میرا پُرانا دوست ہے جس نے میری دوشیزگی غارت کی تھی۔

ہیر رانجھے سے کہتی ہے ع

روزِ ازل تھی سجناں نال تیرے پکی جگڑ کے رب نے جُٹیاں میں

کسی الھڑ مویشی کو بھاگ دوڑ سے روکنے کے لئے جاٹ اسے کسی طاقتور بیل یا بھینسے سے جگڑ دیتے ہیں جس سے وہ ہل جُل نہیں سکتا۔ اسے پنجابی میں جُٹنّاں کہتے ہیں۔ ہیر کہتی ہے مجھے تو روزِ ازل سے تیرے ساتھ جگڑ دیا گیا ہے

ہیر جُدائی کی حالت میں نالہ کناں ہے۔ ع

کُوہی وانگ دن رات کرلاوندی نوں پیا وچ کلیجڑے گھا مینوں

کُوہی ایک آبی پرندہ ہے جو پانی کی سطح پر پہروں منڈلاتا رہتا ہے اور اپنا عکس دیکھ دیکھ کر چیختا رہتا ہے۔ ہیر کہتی ہے۔ میں بھی کُوہی کی طرح چیختی رہتی ہوں

عورتیں کسی چھیل چھبیلے گبھرو کو دیکھ کر اس طرح اُس پر گر پڑتی ہیں جیسے مکھیاں شہد پر گرتی ہیں ع

رناں ڈگدیاں ویکھ کے چھیل منڈا جیویں شہد وچ بھیدیاں مکھیاں نے

رانجھے نے کرو فریب سے بالناتھ جوگی سے جوگ لیا۔ وارث شاہ کہتے ہیں۔ ع

ٹھگی مار کے جٹ نے داؤ بھریا بالناتھ جیہا سنڈھا چوایا ئی

کسی ناممکن کام کو ممکن کر دکھانے کے لئے پنجابی کا محاورہ ہے سنڈھا چونا۔ ظاہر ہے کہ بھینسے کے دودھ نہیں ہوتا۔

ہیر بڑی شوخ اور تیز طرار لڑکی تھی۔ رانجھے نے بڑے پیار سے پچکار کر اُسے رام کیا تھا۔ وارث شاہ خاص دیہاتی زبان میں اس کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

وچھیری الک نوں چاک نے زیر کیتا دے کے نال پیار ڈے تھاپڑی اے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پھر نال پیار پچکار اُسوں گھتی پشت اُتے چینگی بانکڑی اے
وت نال دلاسے دے پانگڑی چڑھیا ڈبّ تے مار پلاکڑی اے
نہیں جاک دا ساک اَج وِچ سیالاں صرف ہیر ای سنگدی ساکڑی اے

صرف عشاق ہی پیار کے رموز جانتے ہیں ؎

وارث شاہ میاں جنہاں لائیاں نیں سوائی جاندے گُوہڑیاں یاریاں نوں

جب ہیر نے یہ بہانہ کیا کہ اسے سانپ نے ڈس لیا ہے تو اس نے جو حالت بنائی اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتے ہیں ؎

وِنڈ میٹ گھسیٹ کے بڈ گوڈے چِتّے ہوٹھ گھٹاں کر تیلیاں نی
نک جا ہڑ دندڑکاں وَٹ رووے کڈھ اکھیاں نیلیاں پیلیاں نی

یہ شعر حسنِ بیان، دقتِ مشاہدہ اور قدرتِ کلام کا ایک نادر نمونہ ہے۔

کہتے ہیں کہ جو نوجوان عورتوں کے شوقِ عشق میں مبتلا ہیں وہ نچلے نہیں بیٹھ سکتے؎

وارث شاہ نہ رہن نچلڑے اوہ جنہاں نراں نوں شوق نے ماریاں دے

بڑھاپے میں گرگِ ظالم بھی پرہیزگار بن بیٹھتے ہیں۔ طرزِ بیان کی عجوبگی قابلِ داد ہے ؎

بڈھا ہوئے کے چور مسیت وڑدا رل بہندا ہے نال مداریاں دے
گنڈی رَنّ بڈھی ہو بہندی جا جن پھیرے مورچھل گرد مزاریاں دے

بالناتھ جوگی رانجھے کو تلقین کرتا ہے کہ دیکھنا عورتوں سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا۔ رانجھا کہتا ہے ؎

رناں دیون گالیاں اسیں چپ کریئے ایڈے صبر دے پیر کس ڈھونے نی
تساں ہستوں کھیڈنوں منع کیتا اساں ڈھوئیں دے گوہے نہ ڈھونے نی

کہتے ہیں کہ عشق میں مبتلا ہو کر آدمی از کار رفتہ ہو جاتا ہے ؎

وارث شاہ میاں جس نوں عشق لگا دین دُنی دے کم نہیں جا رہیا

یہ تمام تمثیلیں اور تشبیہات پنجاب کے دیہات اور اس کی روزمرہ زندگی سے لی گئی ہیں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جس سے 'ہیر وارث شاہ' میں بے پناہ تاثیر پیدا ہو گئی ہے۔

'ہیر وارث شاہ' کے صفحات میں جا بجا دانش و حکمت کے موتی بکھرے پڑے ہیں لیکن یہ کتابی دانش نہیں ہے بلکہ وہ حکمت ہے جو بھوری زمین سے دن رات وابستہ رہنے والے دیہاتیوں کو ودیعت ہوتی ہے۔ اور براہِ راست ذاتی تجربے اور مشاہدے پر مبنی ہے۔ شہر کے لوگ دیہاتیوں کو سادہ لوح سمجھتے ہیں لیکن جہاں تک فہم عامہ کا تعلق ہے شہری دیہاتیوں کے سامنے طفلانِ مکتب ہیں۔ کتابوں سے دانش و حکمت کے مقولے یاد کر لینا اور بات ہے اور فطرت کی گود میں پل کر تجربات اخذ کرنا شئے دیگر ہے۔ وارث شاہ کے ان حکیمانہ مقولوں کو ماحول کی یگانگت نے تازگی اور گہرائی عطا کی ہے۔ چند نمونے درج ذیل ہیں۔

؏ لکھاں وِچ انگیار نہ کدی لُکدے لگی اَگ نہ چھپدی چھپن ہیرے

تنکوں میں انگارے نہیں چھپائے جا سکتے۔ یعنی عشق کا راز چھپانا مشکل ہے

؏ وارث شاہ اجاڑیاں رب دیاں نوں ہتھیں اپنے پھیر اُجاڑناں کی

جنہیں خدا نے تباہ کیا انہیں ایذا پہنچانا کسی کو زیب نہیں دیتا۔

؏ وارث شاہ سب عیب دا رب محرم ایویں سانگ ہے پگڑیاں پولیاں دا

خدا ان بڑے بڑے عمامے باندھنے والوں کی ریاکاری اچھی طرح جانتا ہے۔

؏ جیہناں ہینگ دے نرخ دی خبر ناہیں کاہ پچھنے بھاہ کستوریاں دے

ہینگ کا بھاؤ معلوم نہ ہو تو کستوری کا نرخ دریافت کرنا کیا ضرور۔

؏ جٹ رہے ہون بے عقل جا لاوندے نے اِٹ باریاں دی نال موریاں دے

احمق بے جوڑ شادیاں کر دیتے ہیں۔ صحبتِ ناجنس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

؏ نال بھوریاں ریشماں میل کیہا ساتھ اُٹھ دے میل کی پونیاں دا

؏ جھگڑا پیر ہے احمقاں ہوچھیاں دا عقل پیر ہے اہل قیاسیاں دا

احمق اور اوچھے جھگڑالو ہوتے ہیں۔ عاقل باشعور ہوتے ہیں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ع کیسے کانواں دے ڈھور نہ کدی مردے شیر بلیاں نہیں فنکار دے نے

اہلِ غرض کی دعا اثر نہیں کرتی۔ پنجابی کی ایک کہاوت ہے۔ "چوہڑیاں آکھیاں ڈنگر نہیں مردے۔"
جو کنواریاں لڑکوں سے کھیلیں وہ لازماً خراب ہو جاتی ہیں۔

ع اوہ کنواریاں جان خراب ہویاں جہڑیاں منڈیاں نال کھیڈیندیاں نے

کنجر اور بھڑوے پیسے سے غرض رکھتے ہیں۔ سرکش عورت کا علاج جوتا ہے۔

ع پیسہ پیر ہے کنجراں بھڑویاں دا چھتر پیر رناں چوڑ ناسیاں دا

چوری، یاری اور ٹھگی چھپی نہیں رہتیں۔ چغل خور کی زبان کی طرح چاہنے والوں کی آنکھیں
بھی غماز ہوتی ہیں ؎

جس جیبھ تے چغل دی جیبھ وانگوں گجھے رہن نہ دیدڑے یار دے جی
چور یار تے ٹھگ نہ رہن گجھے کتھوں چھپن اے آدمی کار دے جی

جس طرح کھانگڑ بھینس کا دودھ مزہ دیتا ہے اسی طرح کنوارے ہم عمروں کا پیار
پُرلطف ہوتا ہے۔

ع دھاراں کھانگڑاں دیاں جھوکاں ہانیاں دیاں گھول کواریاں دے مزے یاریاں دے

پیٹ بھرے جاٹ۔ کمبوہ اور بھینسے برے ہوتے ہیں۔ بھوکے باز برے ہوتے ہیں۔ جوئے
کی ہار، ناشکری اور پہاڑ کا سفر بھی برے ہوتے ہیں۔ ؎

سنڈھا، جٹ، کمبوہ ایہ برے رجے بھکھے برے نے باز کراڑیے دے
بری جوئے دی ہار تے ناشکری برا راہ ہے وچ پہاڑیئے دے

دشمن ایسا ہے جیسے آستین کا سانپ یا گدڑی میں چنگاری

ع سپ وچ آستین دے سجھ دشمن وچ گگ دے اگ چنگاریئے دے

فارسی میں کہتے ہیں ع چہ داند بوزنہ لذتِ ادراک۔ وارث شاہ کہتے ہیں

ع جیہڑیاں سون اُجاڑ وچ وانگ کنجر قدراں اوہ کی جاندیاں داکھیاں دیاں

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

جو عورتیں کنجروں کی طرح جنگلوں میں بچے جنتی ہیں وہ دایہ کی قدر کیا جانیں ۔ایک جگہ کہا ہے

ع جیہڑے داہن پڑانیاں وِچ لیٹن قدراں بان کی لیف تلائیاں دِیاں

جو زمین پر لیٹتے ہیں وہ لحاف کی قدر کیا جانیں ۔

کسی لٹیرے کو مال و دولت کا محافظ بنانا ایسا ہی ہے جیسے بھینسے کو سر سبز کھیت میں کھلا چھوڑ دیا جائے ۔ سہ

سارا مُرک کے کھیت خراب کیتا سنڈھا فصل وِچ نال سبب گیا
راکھا مال دا رکھیا دھاڑوی نوں چٹّی کے نال چنگا سارا دَب گیا

نادان پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا جیسے پتھر کو زنگ نہیں دیا جا سکتا

ع وارث شاہ نہ سنگ نوں رنگ آوے لکھ سوہے دے وِچ ڈبو رہیئے

انسان خاطی ہے اور شروع سے خطا کرتا آیا ہے کیونکہ وہ کچا دودھ پیتا ہے ۔

ع کچا شیر پیتا بندہ سدا بھُلا دھر دِن آدموں بھلن دی راہ ہویا

جن سے پیار کیا جائے اُن کو دھتا نہیں بتانا چاہیے ۔ اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے پیڑ کو کاٹنا زیادتی ہے ۔

ع بوٹا ہتھ دے نال جو لا دیئے ہتھیں نا مرنڈیئے واسطا ئی

ایک اور جگہ کہتے ہیں

ع دھرت نال نہ ماریئے پھیر اُنہاں ہتھیں جنہاں نوں چاہڑیئے گھوڑیئے نیں

جنھیں اپنے ہاتھ سے گھوڑے پر سوار کرایا جائے اُنھیں زمین پر نہیں پٹک دینا چاہیے ۔

بُری عادات باقی رہتی ہیں ۔ خواہ کتنا ہی تشدد کیا جائے ۔

ع وارث شاہ بد عادتاں جاہن ناہیں بھاویں توڑ سائے بند بند کُٹو

گیا ہوا وقت ہاتھ نہیں آتا جیسے گنگا میں بہائی ہوئی ہڈیاں واپس نہیں آسکتیں

ع گنگا ہڈیاں گئیاں نہ مُڑ دیاں نے مُڑے وقت نہ گیا وسوریا جے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پھر کہتے ہیں۔ وارث شاہ میاں اجتاں وقت گھتا کیسے پیر نوں ہتھ نہ آ وندا ئی
بُڈھے فاسق جیسا بے حیا کوئی نہیں ہوتا۔

بڈھا ہو جوانی دے کم ڈھونڈے وانگ اوسدے کوئی بے لج ناہیں ؎

محسن کُشی جوانمردی کے منافی ہے جس گھر سے کھایا جائے اسے ضرر نہیں پہنچانا چاہیئے۔

وارث شاہ نہ اوسنوں مرد جانوں جس نے کھائیکے تھال بھج پدیا ئی ؎

تیز طبع لڑکی کو جلد بیاہ دیا جائے۔

ہووے قدرتی طبع دی تیز لڑکی کریئے اوسدا کاج شتاب ہے نی ؎

دوستوں سے بگاڑ اور احمقوں سے مذاق اچھا نہیں ہوتا۔

کرنا دوستاں نال بگاڑ مندا بُرا ماسڑا نال اناڑیئے نی ؎

لوگ حاسد ہوتے ہیں اس لئے اپنی خوش حالی کا راز فاش نہ کیا جائے۔

وارث شاہ چھپائیے خلق کولوں بھاویں اپنا ای گڑ کھائیے نی ؎

پیار اور دلاسے سے شوخ اور اکھڑ آدمی کو بھی رام کیا جا سکتا ہے۔ اسے بے سبب تنگ نہیں کرنا چاہیئے۔

نال پیار دے اڑک دی ہلیں وگدے ایویں آرنہ دُبر وچ پوڑیئے جی ؎

اُڑک وہ نوخیز بیل ہوتا ہے جو ہل چلاتے ہوئے رُک رُک جائے ایسے بیل کو چلانے کے لئے کسان اس کی دُبر میں سیخ چبھوتے ہیں۔ وارث شاہ کا مطلب یہ ہے کہ پیار دلاسے سے کام لینا انسب ہے۔

رزق کمانے کے لئے محنت کرنا ضروری ہے۔ گھر بیٹھنے والے کو تو خیرات بھی نہیں ملتی۔

جیلے رزق بھالدے موت ہندی گھر بیٹھیاں کوئی نہ خیر پاندے ؎

مکافاتِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آک کے بوٹے سے آم نہیں لگتے۔ اور پھروانہ کا درخت شہتوت کا پھل نہیں دیتا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ع اک بیج کے کسے نہ انب کھادے پھر وانہہ شہتوت نہ لایائی

مُلّاؤں کی دُشمنی خطرناک ہوتی ہے جیسے کھلیان کے قریب آگ دبانا خدشہ ناک ہوتا ہے۔

ع بُری دُشمنی نال مُلانیاں دے آگ دبی کول کھلواڑیئے دے

مُلّاؤں کی دُشمنی اِس لئے خطرناک ہوتی ہے کہ وہ بات بات پر کُفر کے فتوے داغ دیتے ہیں۔ کسان کھلیان کے قریب حقّے کے لئے آگ دبا دیتے ہیں لیکن اس کی ایک چنگاری بعض اوقات سارا کھلیان جلا کر خاک کر دیتی ہے۔

پیار کیا جائے تو اسے نبھایا جائے۔ لڑائی کی شروعات کی جائے تو میدانِ جنگ سے بھاگا نہ جائے۔ طوطے کو میٹھی چاٹ کا عادی کر کے بعد میں اسے کنکر نہیں کھلانے چاہئیں ؎

دعوے بنھیئے تے بدھے ہو لڑیئے تیر مار کے پچھے نہ نٹھیئے نی
مٹھی چاٹ پلا کے طوطڑے نوں پچھوں کنکراں روڑ نہ سٹیئے نی

ماہیئے کا ایک بول ہے ؎

مُنڈھ پاپیاں بائی وندے   پُتر اصیلاں دے مراں نال نبھائی وندے

ایک اور بول ہے ؎

کانا کھاری دا   اوتھ راہ سنگتاں ایہہ دستور نہ یاری دا

وارث شاہ کہتے ہیں کہ معشوق کی فرمائش پوری کرنا پڑتی ہے اور حاکم کے حکم کی تعمیل کرنا پڑتی ہے۔

ع وارث شاہ معشوق تے حکم والے جو کجھ کہن سو سب قبول ہے جی

خودداری کی تعلیم دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ خدا نے تو تجھے شہباز بنایا تھا تُو اپنے کرتوتوں سے چیل بن گیا ہے۔

ع تینوں رب شہباز بنایا سی جنیوں کرنیاں نال توں اِل آپے

معمولی باتوں پر جھگڑنے والوں کا اتفاق نہیں ہوسکتا

ع وارث شاہ اوہ کدی نہ اک ہوندے جنہاں ویرنے توڑیاں تراں دے نی

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یعنی وہ لوگ جو اِس بات پر ایک دوسرے کے دشمن بن گئے ہیں کہ تُو نے میری توری کیوں توڑی یا لکڑی کیوں کھائی۔

دشمن کو دل کا بھید بتانا ایسا ہی خطرناک ہے جیسے کہ کلہاڑے کی ضرب۔

ع ذاتی دشمناں دَسناں بھید مَندا بُری سَٹ ہے تبر کُلہاڑے دے

عورت کے لئے سوکن اور بھلے مانس کے لئے بُرا ہمسایہ جان کا روگ ہیں۔

ع سوکن رنّ، گوانڈھ کُپتیاں دِتا بھلے مرد دے باب دا روگ ہے نی

حضرت داؤدؑ زرہ سازوں کے پیر تھے۔ ڈنڈا بگڑے ہوؤں کا مُرشد ہے۔

ع سوٹا پیر ہے وگڑیاں تگڑیاں دا داؤدؑ ہے زرہ بناسیاں دا

رنڈی پر جان قربان کر دی جائے یا سارا مال لٹا دیا جائے تو بھی وہ جی جان سے پیار نہیں کرتی۔

ع جان مال دیجے لکھ کنجری تے کدی دِلوں محبوب نہ تھیندیاں نے

جس طرح خوشحال خاں خٹک کی شاعری میں پٹھانوں کے کوہستانی معاشرے کی عکاسی کی گئی ہے اور شاہ لطیف بھٹائی کی کافیوں میں سندھی معاشرے کی جھلکیاں دیتی ہیں۔ اسی طرح وارث شاہ کی ہیر میں پنجابی دیہات کی زندہ تصویریں جھلملا رہی ہیں یہ ایک ایسا نگار خانہ ہے جس کی تصویروں کے رنگ کبھی ماند نہیں پڑیں گے۔ بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ نت نئی آب و تاب کے ساتھ نکھرتے جائیں گے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

طنز و مزاح

کسی ستم ظریف نے انسان کو حیوانِ ظریف کہا ہے کیونکہ وہ اپنی خوشی کا اظہار ہنسی سے کرتا ہے۔ حیوانات میں صرف کتا مسکراتا ہے۔ دُم ہلا کر۔ جس طرح ہنسی کی کئی قسمیں ہیں۔ اسی طرح ظرافت کے بھی کئی مدارج ہیں۔ زہر خند کا تعلق ہجو سے ہے۔ ریشخند اور قہقہہ طنز پر لگایا جاتا ہے۔ اور مزاح کا اظہار مسکراہٹ، تبسم زیرِلب اور شکر خند میں ہوتا ہے۔ ہجو کی تہ میں خشونت، عناد اور جذبہ انتقام کارفرما ہوتے ہیں۔ طنز میں ایک گونہ جارحیت اور اذیت کوشی کا عنصر موجود ہوتا ہے۔ اور مزاح میں انسان دوستی اور ہمدردی کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ ہجو بسا اوقات ظرافت کے حدود سے متجاوز ہو کر پھکڑ اور دشنام طرازی کے قریں ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بات ہم صرف افراد کی ہجو سے متعلق کہہ سکتے ہیں۔ کسی معاشرے یا ادارے کی ہجو بدرجۂ اولیٰ ظرافت ہوتی ہے۔ مثلاً ڈان کے "ہوٹا" میں سروانٹیز نے غلط قسم کی شائستگی پسندی اور زوال پذیر تحریک جواں مردی کا خاکہ اڑایا ہے۔ ارسٹوفینیس، بوکاچیو اور سوفٹ نے اپنے اپنے عہد کے معاشرے کی ریاکاری پر چوٹیں کی ہیں۔ جی۔ بی شا اور ابسن نے جدید معاشرے کی کھوکھلی قدروں کی تضحیک کی ہے۔ ان کے برعکس جونیال، سوزنی، فرزدق، جریر، انوری، اور سودا نے اپنے اپنے مخالفوں کی پگڑیاں اچھالتے وقت اُن پر فحش پھبتیاں کسنے سے بھی دریغ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہیں کیا۔ اور بعض اوقات اس طرح کھل کھیلے ہیں کہ ہنسنے کی بجائے ان کی سُوفیت پر رونے کو جی چاہتا ہے۔

ظرافت یا خوش طبعی کی توجیہہ کرتے ہوئے فرائڈ کہتا ہے کہ ظرافت سے ہمیں جذباتی کشمکش سے نجات مل جاتی ہے اور ہنسی ہمارے جذباتی تشنج کو رفع کر دیتی ہے۔ آرتھر کوئسلر نے فرائڈ کے نظریہ ظرافت پر نقد لکھتے ہوئے کہا ہے کہ وہ "ظریفانہ اور المیہ، قہقہہ اور گریہ، مزاح اور فن کا ربط باہم معلوم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ چنانچہ وہ اس ربط کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس ربط کا راز "تعلق دوگونہ"[2] میں مخفی ہے۔ یعنی ہم کسی واردات کو دو متغائر پہلوؤں سے دیکھتے ہیں۔ جس طرح استعارے میں یہ تعلق (مستعار لہٗ اور مستعار منہ) کی صورتوں میں موجود ہے اسی طرح مذاق میں بھی یہ تعلق دو متغائر چیزوں میں پایا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ فرائڈ نے بھی مذاق پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ لاشعوری واردات ایک دوسرے سے مختلف و متغائر ہوتے ہیں اور منتشر صورت میں موجود ہوتے ہیں۔ مذاق کرنے والا چشمک برق کی تیزی سے متغائر واردات میں یہ تعلق معلوم کر لیتا ہے۔ اور اس تعلق کا انکشاف ہی مذاق کا مرکزی نقطہ بن جاتا ہے۔ کوئسلر کہتا ہے کہ ایک ذہین طنز نگار یا مذاق کرنے والا لاشعوری واردات کے مختلف و منتشر واردات میں علائق و روابط معلوم کر کے بات کو ایسا موڑ دیتا ہے کہ اس میں ظرافت کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے، جس سے سامعین مسرت آمیز اچنبھا محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ کسی بھی مذاق میں مسرت اور حیرت کے یہ عناصر لازماً موجود ہوتے ہیں۔ کالنگ وڈ کے خیال میں مزاح میں المیہ اور مزاحیہ دونوں عناصر اس طرح پائے جاتے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے[3]

"مزاحیہ افتادِ طبع وہ ہوتی ہے جس میں ہم کسی ایسی کمزوری پر ہنستے ہیں جسے ہم حقارت کی نظر سے

---

[2] Bisociative

[1] Insight and Outlook

[3] Outline of the Philosophy of Art

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

نہیں دیکھتے" بلکہ اس سے دلی ہمدردی محسوس کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ کمزوری باقی رہے ہم اس کمزوری سے پیار کرتے ہیں جیسی کہ وہ ہے۔ اس کے ساتھ ہم اس پر فوقیت محسوس کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو برتر و توانا سمجھتے ہیں۔ اپنی اس برتری اور توانائی کا احساس کئے بغیر ہم اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔ ہم اس صدمے سے نجات پا لیتے ہیں کہ وہ کمزوری ہے اور اس سے مفاہمت کر لیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ مزاح میں غم اور یاسیت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ مزاح قہقہے کی شائستہ صورت ہے۔ اس کے ساتھ وہ ایسا فرحیہ ہے جو المیہ کی حدود کو چھو لیتا ہے۔ "

ظرافت انسانی کمزوریوں اور حماقتوں سے جنم لیتی ہے۔ کوئی شخص اتنا توانا نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی نہ کوئی کمزوری اور کوتاہی نہ ہو، اور کوئی شخص ایسا عقلِ کُل نہیں ہوتا کہ اس نے کبھی حماقت کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ عاقل و دانا خال خال ہوتے ہیں۔ حماقت تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ آئینہ دیکھتے وقت، عورت کے ساتھ تخلیئے میں ملاعبت کرتے وقت، غسل کرتے وقت اور بچوں سے باتیں کرتے وقت ہم سب احمقانہ حرکتیں کرتے ہیں، اور یہی احمقانہ حرکتیں ہماری زندگی کو گوارا بناتی ہیں۔ اُس شخص جیسا بھس، افسردہ طبع، کٹر اور بے رحم کون ہوگا جس نے کبھی کوئی احمقانہ حرکت نہ کی ہو۔

طنز و مزاح میں فرق یہ ہے کہ طنز کرنے والے میں دوسروں کو اذیت دے کر خوش ہونے کا میلان موجود ہوتا ہے۔ ایسا شخص خود دلی مسرت اور سکون سے محروم ہوتا ہے اس لئے ہر وقت دوسروں کو بھی خوشی اور سکون سے محروم کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ اس کی گفتگو میں تلخی ہوتی ہے تنک ہوتی ہے، جارحیت ہوتی ہے۔ وہ ایک پھبتی سے ایک فقرہ چُست کر کے مخاطب کو شکست دینے کی تاک میں رہتا ہے۔ جب اس کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اسے اپنی فاتحانہ برتری کا احساس ہوتا ہے۔ طنز کرنے والے اپنی غیر معمولی ذہانت اور درّاکی کے باوجود بالعموم تنگ دل، تنگ نظر اور کم ظرف ہوتے ہیں۔ مزاح میں انسان دوستی کا عنصر لازماً موجود ہوتا ہے جس کے باعث اس میں طنز کی تلخی پیدا نہیں ہوتی۔ مزاح میں دوسروں کے جسمانی نقائص یا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شکل و صورت اور لباس پر آوازے نہیں کسے جاتے بلکہ انسان کی عمومی کمزوریوں کا لطیف پیرائے میں مذاق اڑایا جاتا ہے۔ مزاح نگار کسی فرد پر چوٹ کرے تو بھی اس فرد کی ایسی کمزوری پر چوٹ کرتا ہے جو اس میں اور دوسروں میں مشترک ہوتی ہے وہ اس کی مخصوص کوتاہی یا نقص پر تعریض نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ مزاح کرنے والے وسیع النظر، کشادہ قلب اور عالی ظرف ہوتے ہیں۔

طنز و مزاح کا اظہار بعض اوقات لفظی چھل بل یا ضلع جگت میں ہوتا ہے الفاظ کے مفہوم اور فقروں کی ساخت کو اس طرح توڑا مروڑا جاتا ہے کہ ظریفانہ صورت احوال پیدا ہو جاتی ہے لکھنؤ اس فن کے امام سمجھے جا سکتے ہیں۔ میں ایک صاحب کو جانتا ہوں جو ضلع جگت کے بغیر بات ہی نہیں کر سکتے۔ اس نوع کی ظرافت کثرت و تواتر اور غلو سے بے مزہ ہو جاتی ہے اور اس پر حماقت کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ جیسا کہ شیکسپیئر نے ایک مسخرے کی زبانی کہا ہے:

Better a Witty Fool Than a Foolish Wit [1]

ظرافت کی ایک قسم دفاعی ہوتی ہے اسے حاضر جوابی اور انگریزی میں Repartee کہا جاتا ہے۔ جو حضرات اس سے بہرہ ور ہوں وہ طنز کرنے والے کو ایسا موزوں اور دندان شکن جواب دیتے ہیں کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا ہے۔ ایسے لوگوں سے برسرِ مجلس مذاق کرنا آ بیل مجھے مار کے مترادف ہے۔

جو انسانی کمزوریاں طنز و مزاح کا ہدف بنتی ہیں ان میں تین مغالطے ایسے ہیں جن سے کوئی بھی انسان بری نہیں ہے (۱) میں دنیا کا سب سے عقلمند آدمی ہوں۔ (۲) میں دنیا کا حسین ترین آدمی ہوں (۳) میں دنیا کا سب سے اچھا آدمی ہوں۔۔۔ ہماری اکثر کمزوریاں ان ہی کی فروع سمجھی جا سکتی ہیں۔ طنزیہ اور مزاحیہ شعر و ادب میں جن کمزوریوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے ان میں شیخی خوری، خود نمائی، باتونی ہونا، ڈینگیں مارنا، اپنی بہادری کا سکہ جمانا، مرد کا ہرجائی پن، عورت کی نشتر زبانی، پیٹ کا ہلکا ہونا، زن مریدی، دیوثی، لالچ، بخل، انانیت، ناشکرا پن

---

[1] Twelfth Night

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

خود غرضی، زر پرستی، بڑھاپے کا عشق، عورت کے سدا جوان رہنے کی کوشش، ریا کاری، زہد فروشی، شادی کے مزاحیہ پہلو وغیرہ۔ مزید وضاحت کے لئے ہم چند مطائبات درج کریں گے۔

نائی بڑے باتونی ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک نائی نے حجامت بنانے سے پہلے آرکی لوگس شاہ مقدونیہ سے پوچھا:

"جہاں پناہ! حضور کی حجامت کس وضع کی بناؤں؟"

"خاموش وضع کی" بادشاہ نے جواب دیا۔

فارسی اور اردو کے شاعروں نے بعض اوقات صنعتِ تجنیس سے لطافت و ظرافت پیدا کی ہے۔ اس صنعت میں دو الفاظ تلفظ میں مشابہ اور معنی میں مختلف ہوتے ہیں۔ غلام علی آزاد بلگرامی نے ایک شعر میں عورت پر چوٹ کی ہے ؎

زن بود در زبانِ ہندی نار وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

لفظ نار میں صنعتِ تجنیس ہے۔ عورت پر کیسے لطیف پیرائے میں چوٹ کی گئی ہے۔

ترکی کا ایک شاعر غزائی خاں کچھ مدت ایران میں مقیم رہا۔ ایک رباعی میں ایران کے سیاسی استبداد پر طنز کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

تا بودہ غم و شادی و حرماں بودہ زینگونہ گذشتہ تا کہ دوراں بودہ

ما تجربہ کردیم کہ در ملکِ شما راحت ہمہ در حلقہ و زنداں بودہ

کہتا ہے کہ ایران میں اگر کہیں سکون و عافیت ہے تو وہ صرف قید خانوں میں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس ملک میں جور و استبداد کا دور دورہ ہو وہاں با اصول اور شریف انسان کا اصل مقام قید خانہ ہی ہوتا ہے۔

شادی شدہ آدمی کی محبت کا ذکر کرتے ہوئے بیکن کہتا ہے:

"ایک شادی شدہ شخص اپنی بیوی سے اظہارِ محبت کرتا ہے تو گویا وہ ایک ایسے قلعے کا محاصرہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر رہا ہوتا ہے جس نے اپنے تمام دروازے پہلے سے کھول دیئے ہوں۔"

بالزاک ناتجربہ کار دُولھا کے متعلق کہتا ہے :

"ایک ناتجربہ کار دولھا کا شادی کی رات کو اپنی دلہن سے اختلاط کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک بندر کا وائلن بجانے کی کوشش کرنا۔"

زر پرستی کی ایک مثال اقلیدس کے سوانح میں ملتی ہے۔ ایک دن ایک رئیس زادہ ہندسہ سیکھنے کے لئے اقلیدس کے پاس آیا۔ اقلیدس نے اُسے ہندسے کی پہلی شکل سکھائی۔ رئیس زادہ کہنے لگا "اس کے سیکھنے کا عملی فائدہ کیا ہوگا ؟"

اقلیدس نے غلام کو آواز دی : "گرد میو ! اِن صاحبزادے کو ایک اشرفی دے کر رخصت کر دو۔"

مرد شروع سے عورت پر طنز کرتا آیا ہے۔ والٹیر کہتا ہے :

عورت صرف ایک راز محفوظ رکھ سکتی ہے ۔۔۔ اپنی عمر کا راز :

ایک عورت نے مرد پر جو طنز کیا ہے وہ حاضر جوابی یا Repartee کی بہترین مثالوں میں سے ہے۔ مشہور ہسپانوی رقاصہ کیرولین اوشیرے سے کسی شخص نے طنزاً کہا :

"عورتیں اتنی حسین ہو کر اس قدر احمق کیوں ہوتی ہیں ؟"

رقاصہ نے برجستہ کہا :

"قدرت عورت کو حُسن اس لئے دیتی ہے کہ مرد اس سے محبت کرے اور حماقت اس لئے کہ وہ مرد سے محبت کر سکے ۔"

حاضر جوابی کی ایک عمدہ مثال مجد الدین کی "خارستان" میں ہے۔

"مولانا قطب الدین نے ایک احول (بھینگا) سے پوچھا : "کیا یہ صحیح ہے کہ بھینگے کو ایک کے دو دکھائی دیتے ہیں ؟" کہا "یہ صحیح ہے کیونکہ میں مولانا کو چار پایہ دیکھ رہا ہوں۔"

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مزاح کے نہایت شگفتہ نمونے مرزا اسد اللہ خاں غالب کے سوانح میں ملتے ہیں
مرزا اس قدر ظریف الطبع تھے کہ اپنے آپ پر بلکہ موت پر بھی چوٹیں کر جاتے تھے۔ ان کے لطائف مشہور ہیں۔

تاریخ یونان سے مزاح کی ایک مثال درج ذیل ہے۔

ایتھنز کے تھیٹر میں کوئی تمثیل کھیلی جاتی تو تماشائی اس کے دوران میں کھانا کھاتے شراب پیتے اور خشک مغزیات ٹھونگتے رہتے۔ ارسطو کہتا ہے کہ کسی تمثیل کی کامیابی کا سب سے بڑا ثبوت یہ دیا جاتا تھا کہ اس کی نمائش کے دوران میں خشک مغزیات کے بڑے بڑے ڈھیر دیکھنے میں آتے تھے۔ بعض تماشائی اکتا کر یا ناراض ہو کر سٹیج پر پتھر پھینکتے تھے۔ ایک موسیقار نے کسی شخص سے اپنے مکان کی تعمیر کے لئے کچھ پتھر ادھار لے رکھے تھے۔ ایک دن اس نے پتھروں کی واپسی کا تقاضا کیا تو موسیقار بولا۔ "اطمینان رکھو میرا ارادہ عنقریب تھیٹر میں گانے کا ہے۔ جو پتھر تماشائی مجھ پر پھینکیں گے اُن سے تمہارا قرض چکادوں گا۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

مزاح کی ایک قسم وہ ہے جسے Pantagruelism[55] کہا جاتا ہے اور جو مشہور فرانسیسی قصہ نویس ربے لیے سے منسوب ہے۔ ربے لیے نے نشاۃ الثانیہ کا زمانہ پایا تھا وہ تمام بنی نوع انسان کے لئے دلسوزی اور ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہے اور ان کی شیخی خوری اور ریاکاری کا خاکہ اس انداز میں اڑاتا ہے کہ ان کی کمزوریوں سے نفرت ہونے کی بجائے آدمی اُلٹا ان سے پیار کرنے لگتا ہے۔ لیکن ربے لیے بعض اوقات پھکڑ بھی بولنے لگتا ہے۔ ربے لیے اور اس کے بعد والٹیر اور والٹیر نے پادریوں کی دکان آرائی اور گندم نما جو فروشی کو خاص طور سے تمسخر و تضحیک کا نشانہ بنایا۔ والٹیر کا عقیدہ تھا کہ نیکی ظاہری مذہبی رسوم عبادت کی پابندی کا نام نہیں ہے بلکہ ہمدردیٔ انسان میں ہے۔ والٹیر کی ایک کہانی ہے "بابا بیگ" جس میں ادمی برہمن سے پوچھتا ہے:

---

55 ربے لیے کا قصہ ہے۔ Gargantua and Pantagruel-

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کیا یہ ممکن ہے کہ میں انیسویں بہشت تک پہنچ جاؤں۔"

برہمن نے کہا: "اس کا انحصار تو اس بات پر ہے کہ تم کس قسم کی زندگی گذارتے ہو۔"

"میں ایک اچھا شہری ہوں، ایک اچھا شوہر، ایک اچھا باپ اور اچھا دوست بننے کی کوشش کرتا ہوں۔ بعض اوقات میں اُمرا کو بلا سود قرض بھی دے دیتا ہوں۔ بیوہ عورتوں کی امداد بھی کرتا ہوں۔ اور پڑوسیوں میں امن قائم کرتا ہوں۔"

برہمن کہنے لگا۔" لیکن کیا تم کبھی کبھار تپسیا میں ننگے بدن کیلوں کے بستر پر بھی لیٹتے ہو۔"

"نہیں مقدس باپ:"

برہمن نے کہا: "افسوس کہ تم انیسویں بہشت تک کبھی نہیں پہنچ سکو گے۔"

مزاح کی ایک قسم خالصتاً دیہاتی ہے جسے انگریزی میں Rustic Humour کہا جاتا ہے۔ اس مزاح پر نام نہاد "مُہذّب" اشخاص ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور اسے درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ لیکن اس مزاح کی تہ میں عمیق مشاہدہ مخفی ہوتا ہے اور اس میں انسانی فطرت کے مضحکہ خیز پہلوؤں کو بڑی خوبی سے بے نقاب کیا جاتا ہے۔ پنجابی زبان کے بعض الفاظ و تراکیب ایسے معنی خیز ہیں کہ ایک ایک لفظ طنز و مزاح کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے۔ پنجابیوں کی روایتی زندہ دلی ان کی بول چال میں پوری طرح منعکس ہوئی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پنجابی زبان کی شگفتگی نے انھیں زندہ دلی کی دولت سے مالا مال کیا ہو۔ وارث شاہ دیس پنجاب کے شاعر ہیں اس لئے ان کا مزاح اساسی طور پر دیہاتی ہے جس سے وہی اشخاص باحسن وجوہ لطف اندوز ہو سکتے ہیں جن کا رشتہ کسی نہ کسی صورت میں دیہات کی بھوری مٹی سے قائم ہے۔ ان کے یہاں حاضر جوابی کے بھی شگفتہ نمونے ملتے ہیں۔ وارث شاہ کے مزاح کا ایک لطیف نمونہ ہیٹی نائن کی وہ طویل تقریر ہے جس میں وہ مختلف دیہاتی اقوام کے عشق کا ذکر ان کے مخصوص پیشوں کے حوالے سے کرتی ہے کہتی ہے کہ کھترانی کا عشق پوری کی طرح خستہ ہوتا ہے اور برہمنی کا عشق کھیر کی طرح شیریں۔ ع

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ع لُچی وانگ سی عشق کھترانیاں دا عشق بھمنی دا کھنڈ کھیر دائی

یاد رہے کہ کھترانیاں نہایت لذیذ پوریاں تلتی ہیں اور برہمنوں کے گھر کی کھیر خاص طور سے بڑی خوشش ذائقہ ہوتی ہے۔

دھوبن کا عشق طباشیر کی طرح اُجلا اور بے داغ ہوتا ہے۔

ع چڑھیا کھُمب تے عشق سی دھوبیاں دا چٹا رنگ جیویں طباشیر دائی

سپاہی کی زوجہ کا عشق کونج کی طرح فریاد کرتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے پردیسی شوہر کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہے۔

ع کونج وانگ سپاہن دا کوک دا ای نکلے راہ نت کونت سفیر دائی

سپاہیوں کو اپنی ملازمت کے سلسلے میں اکثر گھر سے دور رہنا پڑتا ہے ان کی محبوبائیں جدائی کی آگ میں سلگتی رہتی ہیں۔ خواجہ غلام فریدؒ کی ایک کافی کا پہلا مصرع ہے۔

ع ڈھول وے سپاہیڑا آ وس ماںڈڑے کول

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

مٹھی نائن کہتی ہے کہ شہری عورتوں کا عشق چٹورپن کا ہوتا ہے کہ ہر وقت اپنے چاہنے والوں سے مٹھائی کی فرمائش کرتی رہتی ہیں اور دیہاتنوں کا عشق بے لبسی کا ہوتا ہے اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا اور کریر کے درخت کی طرح بے ثمر ہوتا ہے۔

چسکے خور ہے شہرناں تیرناں دا کھائے مول نہ نان فطیر دائی
عاجز عشق رناں پنڈ والیاں دا بے ثمر جیوں رکھ کریر دائی

ککے زائنوں سے عشق کرنا عمر بھر کا جھگڑا مول لینا ہے۔

ع ککے زائناں دا عشق عمر ساری کرے جنگ پیکار تدبیر دائی

کشمیری عورتوں کا عشق بے کیف اور سرد مہری پر مبنی ہوتا ہے۔

ع سرد عشق ہے خوب کشمیرناں دا ٹھنڈا طبق جیوں زمہریر دائی

خاکروبہ کا عشق سہل ہوتا ہے۔ جیسے لمبی گھاس درانتی سے آسانی سے کاٹی جاتی ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور خوجنوں کا عشق ننگا پڑتا ہے کہ نت نئی فرمائشیں کرتی رہتی ہیں۔

ع عشق داتری واڈھواں چوہڑیاں دا عشق خوجناں دا مال آئیر دائی

نائن کا عشق استرے کی طرح کاٹ کر رکھ دیتا ہے اور ملانیوں کا عشق تکبیر پڑھنے تک محدود ہوتا ہے۔

ع عشق استرے دانگ ہے نائناں دا ملانیاں یا تکبیر دائی

ترکھانیوں کا عشق ایسا محکم ہوتا ہے جیسے کیلا ٹھونک دیا جائے۔ اور لوہاری کا عشق لوہے کے کڑے اور زنجیر کی طرح جکڑ لیتا ہے۔

ع کلے ٹھوکواں عشق ترکھانیاں دا اتے لوہاریاں کڑا زنجیر دائی

خدا رنڈی کے عشق سے بچائے کہ وہ ایسی تصویر ہوتی ہے جس میں صرف ظاہری رنگ و روغن ہی ہوتا ہے۔

ع مہتے نج لگے عشق خانگی دے ظاہر روپ اس نقش تصویر دائی

وارث شاہ کے مزاح کی ایک لطیف مثال ہیر کے علاج سے متعلق ہے۔ جب ہیر نے مکر کیا کہ اسے سانپ نے ڈس لیا ہے تو کھیڑے رانجھے جوگی کو اس کے علاج کے لئے بلا لائے۔ وارث شاہ کہتے ہیں۔

ان بے شعور کھیڑوں کی حماقت تو دیکھو کہ خود باز کے پنجے میں طعمہ دے دیا ہے۔
بھوکے کو کھیر کا رکھوالا مقرر کیا ہے اور رنڈوے سے کہا ہے کہ ہمارے لئے رشتہ تلاش کرو۔
بندر کو پھلیوں کے قریب بٹھا دیا ہے اور سرسوں کے دانے کیڑے مکوڑوں کے آگے بکھیر دیئے ہیں۔
مرغوں کے سامنے اناج دھوپ میں ڈال دیا ہے۔
گیدڑ کو خربوزوں کے کھیت کا چوکیدار بنایا ہے اور کاغذ کی ناؤ بندر کے سپرد کی ہے کہ جاؤ اس میں لوگوں کو دریا کے پار لے جاؤ۔ اونٹ سے باغ لگوا رہے ہیں۔
بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کو بھیڑیئے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے اور شیر سے کہا ہے کہ جاؤ ہماری

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھینسیں چرا لاؤ۔

زر و مال کی حفاظت ڈاکو کے سپرد کی ہے اور خود چور سے کہتے ہیں کہ چوری کا سراغ لگاؤ۔

گدھے کو جَو کے ڈھیر کا نگران مقرر کیا ہے۔ اور اندھے سے کہا ہے جاؤ لکھ لاؤ۔

سانپ کاٹے کا منتر پڑھنے کے لئے جوگی کو لے آئے یہ نہ سوچا کہ یہ تو اُلٹا ہیر کو سانپ سے ڈسوا دے گا۔

بھسکو شاہ نے ڈیرہ لگا دیا اور اغوا کی تدبیر کرنے لگا۔

جوگی مدت سے کھیڑوں کے دوارے پر آگ سُلگائے بیٹھا تھا آج اسے بھیک دی گئی۔

دیکھو عقل شعور جو ماریا نے طعمہ باز دے ہتھ بٹیرا دِتّے نوں
بُھکھا کھنڈ تے کھیر دا پیار اکھا رنڈا گھلیا ساک کرا دِتّے نوں
آکھن وِشنو دیوی دا ورت رکھو باندر ہٹیاں کول بِٹھا دِتّے نوں
مِرسوں کول کوڑیاں رکھیو نے دانے گُگڑاں پاس سکھا دِتّے نوں
گِدڑ کچریاں تے جمعدار کیتا اُٹھ ٹپیلیا باغ بھی لا دِتّے نوں
بیڑی کاغذ دی باندراں سونپیو نے اوہناں گھلیا پُور لنگھا دِتّے نوں
اَجڑ اُگے بھگیاڑ دے چھیڑ دِتا شیر چلیا میں چرا دِتّے نوں
راکھا مال دا دھاڑوی رکھیو نے چور سدّیا کھوج لگا دِتّے نوں
راکھا جَواں دے ڈھیر دا گدھا ہویا اَنّھا گھلیا حرف لکھا دِتّے نوں
اوہناں سپ دا ماندری سدّ آندا اسگوں آپ ای سپ لڑا دِتّے نوں
بھسکو شاہ ہوری اج آ بیٹھے تنبو آن اودھا لوں لا یا نی
دھوان مار بیٹھا جوگی مدتاں دا اج کھیڑیاں خیر گھتا یا نی

گدڑ کچریاں دا راکھا، "ہٹیاں دا راکھا باندر" ہمارے دیہات میں ضرب المثل بن چکے ہیں۔

بعض ناقدین نے مزاح کی دو قسمیں گنائی ہیں۔ (۱) کردار کا مزاح (۲) صورت احوال کا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا مزاج ۔ مولیئر کو صورتِ احوال کے مزاح کا استاد مانا گیا ہے۔ مندرجہ بالا مثال صورتِ احوال کے مزاح کا ایک دلآویز نمونہ ہے۔ اس صورت احوال میں فرحیہ اور المیہ آپس میں اس طرح گھُل مل گئے ہیں جیسے کالی گھٹا میں ابرِ گریہ کناں اور برقِ خندہ زناں مجتمع ہوتے ہیں۔ یوں تو ساری تمثیلیں بڑی دلچسپ ہیں لیکن یہ کہنا کہ رنڈوے کو کسی کا رشتہ تلاش کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے خاص طور سے مزیدار ہے۔ ظاہر ہے کہ رنڈوا کسی کے رشتے کی تلاش میں جس گھر جائے گا پہلے اپنے آپ کو رشتے کے لئے پیش کرے گا۔ کھسکو شاہ کا نام بھی بڑا معنی خیز ہے اس کا مطلب ہے اغوا کرنے والا۔ محض کھسکو شاہ کہنے سے اغوا کا سارا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اس صورتِ احوال کا فرحیہ تو ظاہر ہے۔ مندرجہ بالا تمثیلوں سے پوری طرح سامنے آجاتا ہے۔ لیکن کھیڑوں کی سادہ لوحی اور رانجھے اور ہیر کے عزائم سے ان کی بے خبری نے اِک میں المیہ کا عنصر پیدا کر دیا ہے۔

رانجھا جوگی بن کر رنگ پور آیا تھا۔ اس کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے وارث شاہ کہتے ہیں ؎

جیویں چھُٹ قلندروں ریچھ پھیر دا اُکے پھیرے سنڈھا لمبی بیل دائی
باغ وچ ایہ کھیڑیاں آن وڑیا بوٹا ڈھونڈ دا پھُل روبیل دائی

کہتے ہیں کہ رانجھا اس طرح آیا جیسے کوئی ریچھ قلندروں سے رہائی پا کر بھاگ نکلا ہو۔ وہ بھینسا ہے جو کھیڑوں کے باغ میں گھس آیا ہے اور روبیل کے پھول (ہیر) کا پودا تلاش کر رہا ہے۔ یہ کردار کے مزاح کی عمدہ مثال ہے۔

وارث شاہ کے مزاح کا ایک دلکش نمونہ بالناتھ جوگی اور رانجھے کے مکالمے میں ملتا ہے۔

بالناتھ نے جوگ دینے کے بعد رانجھے سے کہا کہ اب عورتوں کے قریب نہ بھٹکنا۔ اور عورتوں میں اس طرح رہنا جیسے ایک خصی بیل گایوں میں رہتا ہے۔ کسی چھوکرے یا چھوکری سے آنکھیں نہ لڑانا راستے میں کسی موٹی تازی عورت سے مڈبھیڑ ہو جائے تو منہ دوسری طرف پھیر لینا۔ رانجھا بولا ناتھ جی آپ کی یہ نصیحت تو مجھے پسند نہیں۔ میں بڑھیا کو تو اپنی ماں ہی سمجھوں گا لیکن موٹی تازی جوان عورت

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے بے تعلق رہنا تو میرے بس کی بات نہیں ہے۔ ؎

جوگی
پاسے جوگ دے تے کھیڈن جانبازی چیلیں سمجھ کے چال اس گوڑی نوں
خصی بلد وانگوں گایاں وچ پھرنا نہیں سُنگھنا وہڑے تے جھوٹڑی نوں
جتی ست نانیاں ہو ٹکے تے رکھیں خوب مضبوط لنگوٹڑی نوں
جیکر سامنے آوے تاں مونھ پھیریں کدی ویکھنا نا رن موٹڑی نوں

رانجھا
تیری پند پسند نہ اساں نانتھا رکھ اندرے ہی سبھ اری تھوکڑی نوں
تیری منت دی اساں نہ لوڑ کائی کالنوں اُگریں بیبا بھتوکڑی نوں
اساں بڈھی نوں ماں ای جاننا ای رن جاننا ای چھوٹی جھوکڑی نوں
جیتھے نظر آوے کوئی رن موٹی نائیں چھڈناں کلیاں ٹھوکڑی نوں

اُردو میں ان اشعار کے بے پناہ مزاح کو منتقل کرنا ممکن نہیں ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ تہ در تہ معانی وابستہ ہیں۔ یہ دیہاتی مزاح (Rustic Humour) کا ایک اچھوتا نمونہ ہے۔ ایک البیلے جاٹ نوجوان سے اسی نوع کے جواب کی توقع ہو سکتی تھی۔ جوگ بھی اس کی زندہ دلی اور ذوقِ حسن کے کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

وارث شاہ کی ظرافت بسا اوقات ایسے تمسخر آمیز الفاظ و تراکیب پر منحصر ہوتی ہے جن کا مجرد استعمال ہی مزاح کی شگفتگی یا طنز کی تلخی پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً سہتی ہیر سے کہتی ہے ؎

تیرے طور دُتن بھابی راز ایہا چھوٹی عمر تے دُکھڑے پئے وَڈّے
کوئی چاہ نہ وُہٹیاں وانگ تینوں بنی پلنگ تے گھُرکدی رہیں جیڈّے

"گھُرکدی رہیں جیڈّے" میں طنز کا ایک جہان آباد ہے۔
لُڈّن ملاح سیاہ فام تھا۔ ہیر ناراض ہو کر اس سے کہتی ہے ؎

وَس لُڈناں کالیا گُڈھناں دے کیسے اساں دا پلنگ خراب کیتا
میری سیج تے کون سوالیا جے میں کُھج تر اوب ارب کیتا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

"لُڈناں کا لیا گُڈھناں" میں بیان کی لطافت بھی ہے اور طنز کی زہرناکی بھی۔

ہیر اپنے پلنگ پر سوئے ہوئے رانجھے کو مارنے کے لئے آگے بڑھتی ہے تو گرج کر کہتی ہے ؎

راتیں کدے اُنیندڑا کھیوں ئی کھا کے گھُوک سُتوں ٹُک بیہا ہیں وے

تُنجی ویکھ تخھنڑی سیج میری چمڑ پیوں توں ہو ٹیکے لیہا ہیں وے

"لیہا" وہ کیڑا ہوتا ہے جو گرم کپڑوں کو چاٹ لیتا ہے۔ کہتی ہے کہ تو لیہا بن کر میری سیج سے چمٹ گیا ہے۔ شاید تونے باسی روٹی کھائی ہے "ٹُک بیہا" اور "لیہا" کے الفاظ نے بھرپور طنز کا سماں پیدا کر دیا ہے۔

اس نوع کے طنزیہ اور مزاحیہ شعر ہیر وارث شاہ میں اس طرح بکھرے پڑے ہیں جیسے گھنے سبزہ زار میں جا بجا پھول اُگ آئے ہوں۔ لیکن وارث شاہ کی طنزیہ شاعری کا شہپارہ سہتی اور جوگی کا مکالمہ ہے۔ نمونے کے طور پر ہم چند اقتباسات ہی پیش کر سکیں گے۔ رانجھا جوگی بن کر بھیک مانگنے کے لئے سیدے کھیڑے کے گھر جا پہنچا۔ رانجھے اور ہیر کی آنکھیں چار ہوئیں تو سہتی تاڑ گئی کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ اس نے جوگی کو آڑے ہاتھوں لیا اور کہا کہ تو جوان جہان موٹا مسٹنڈا ہے محنت کر کے روٹی نہیں کماتا اور مفت خورہ بن کر گھر گھر پھرتا ہے۔ یہ کہہ اُس نے جوگی کا کاسۂ گدائی توڑ ڈالا۔ اس پر جوگی جز بز ہوا۔ اور دونوں میں تکرار شروع ہو گئی۔ جیسا کہ رانجھے اور بھابیوں کی تکرار سے مفہوم ہوتا ہے۔ وہ بھی طنزیہ نوک جھونک سے بے بہرہ نہیں تھا۔ اور شوخ اور چنچل سہتی تو شیطان کی خالہ تھی۔

سہتی رانجھے سے کہتی ہے ؎

اسیں بھوت دی عقل گوا دیئے سانوں لا کھبوت ڈرا دنا ہیں

جمع سوہنیاں نڈھیاں ہون جتھے اوتھے جھاتیاں پیا وگا نا ہیں

کہتی ہے ہم عورتیں تو بھوت کو بھی نگنی کا ناچ نچا دیتی ہیں تو ہمیں بھبوت مل کر ڈراتا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بھوت کے ساتھ بھبوت کا استعمال حسنِ بیان کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔ پھر کہتی ہے کہ جہاں کہیں تُو جوان لڑکیاں دیکھتا ہے وہیں تاک جھانک شروع کر دیتا ہے۔

۶۔ چُکّے خور بُوہے بُوہے پھریں بھوندا پھپھیّے کٹنیاں جویں گُرّاسیاں دِیاں

ہمارے دیہات میں پھپھیّے کٹنی مکّار اور عیار عورت کو کہتے ہیں۔ بھیہڑ کا معنیٰ ہے پُرانی رُوئی اس سے ایک لطیفہ وابستہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے ہاں کوئی مہمان آکر ٹھہرا۔ کئی دن گذر گئے لیکن مہمان جانے کا نام نہیں لیتا تھا۔ آخر میزبان اور اس کی عورت نے اسے بھگانے کا منصوبہ بنایا۔ میزبان کی عورت اندر کی کوٹھڑی میں جاکر لکڑی سے پُرانی روئی کو کوٹنے لگی۔ اور گالیاں بکنے لگی۔ مہمان نے یہ شور و غوغا سُنا تو میزبان سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ بولا۔ میری عورت بڑی غصیلی ہے۔ بچوں کو پیٹ رہی ہے۔ یہ سُن کر مہمان متوحش ہو کر بھاگ گیا۔ مکّار عورتیں رشتے کرانے کے لئے بڑے حیلے اور جتن کرتی ہیں۔ سہتی کہتی ہے کہ تو بھی مکّار عورتوں کی طرح گھر گھر چکر لگاتا پھرتا ہے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

سہتی ۔ کھنڈ کھیر ملائی دی خبر کتھوں بھیڑے بُکھیاں چَول ابالواں نُوں
جانن سار کی کھنڈ دے لڈواں دی جھڑے کھان ابال کے آلواں نُوں

رانجھے سے کہتی ہے کہ تیرے جیسے بھک منگے جو اُبلے ہوئے چاول کھاتے ہیں کھیر کی لذت کیا جانیں اور آلو کھانے والے لڈوؤں کا ذائقہ کیا جانیں۔

سہتی ۔ بھیڈاں وچ توں اُونٹھ پچھاناں ئیں پرکھ بلینا ئیں کھنڈ تیتیں بالواں نُوں
جھوٹھ آہندیاں شرم نہ آوندائی چوراں یاراں تے ٹھگ اُدھالواں نُوں

رانجھے سے کہتی ہے کہ تو نرا احمق ہے۔ بھیڑوں اور اونٹوں یا کھانڈ اور ریت میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اس کے ساتھ تو چوروں اور ٹھگوں اور اغوا کرنے والوں کی طرح جھوٹا بھی ہے۔ بھیڑوں میں کھڑا ہوا اونٹ دور سے دیکھا جا سکتا ہے۔ پنجاب کے دیہات میں جب کسی کو احمق کہنا ہو تو کہتے ہیں واہ! تم تو بھیڑوں میں اونٹ پہچان لیتے ہو۔

سہتی ۔ گھر بار توں مار کے چک دیئے تیرے درگیاں جھگڑا گالواں نُوں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

شکل بھوتنے دی دعویٰ یوسفی دا ذرا دیکھنا نورِ جمالاں نوں

کہتی ہے. شکل تو تمہاری بھتنے جیسی ہے اور اپنے آپ کو یوسفِ ثانی سمجھتے ہو. ذرا دیکھنا تو اس "نورِ جمال" کو.

سہتی. ع بوبکرے دے وانگ بوکدائی مینوں اس جاتا کوئی پٹھ ہے نی

بوبکرا وہ بکرا ہوتا ہے جو مستی میں آکر "بو بو" کی آواز نکالتا ہے اور بکریوں کے پیچھے بھاگتا ہے. پٹھ جوان بکری کو کہتے ہیں. کہتی ہے یہ جوگی تو مستی میں آیا ہوا بکرا ہے. کیا اس نے مجھے کوئی پٹھ سمجھ لیا ہے کہ مجھے دیکھ کر "بو بو" کرنے لگا ہے.

سہتی. ع خشکی بھنگ بھتیں سنگھ بھرڑا ونائی اہدی وچ کلام نہ مٹھ ہے نی

بھنگ پینے سے گلا خشک ہو جاتا ہے اور آواز ٹھیک سے نہیں نکلتی "بھرڑا وناں" صوتی لفظ ہے جب آواز گلے سے پوری نہ نکل رہی ہو تو "بھرڑا" جاتی ہے. اسی لفظ نے طنز پیدا کی ہے.

رانجھا ہٹا کٹا آدمی تھا. سہتی طنزیہ انداز میں کہتی ہے. ؎

لوتھڑا بوتھڑا اسّن ستیا دے کیسے سنج مکان دیا جندیا وے

اوجھڑا بوجھڑا کھنڈیا گنڈیا دے سدھی آری دیا ڈنگیا دندیا وے

لوتھڑ بوتھڑ اوجھڑ بوجھڑ بیڈول اور بیڈھب جسم والے موٹے آدمی کو مذاقاً کہتے ہیں کہتی ہے کہ تیری ماں نے تجھے ویرانے میں جنا ہے. لکڑی چیرنے والی آری کے دندانے بڑی احتیاط سے سیدھے رکھے جاتے ہیں. ایک دندانہ بھی ٹیڑھا ہو تو لکڑی چیری نہیں جا سکتی. سہتی کہتی ہے کہ تو سیدھی آری کا ٹیڑھا دندانہ ہے. یعنی اُلٹی کھوپڑی ہے

سہتی ؎ مونہوں اوت گھتوتیاں واہ نا ہیں ذرا ٹھاک زبان نوں گندیا وے

رناں وچ دھتاں کیا پیسر بیٹھوں جھوٹے وانگ وچ مہیں دے کھندیا وے

اوت گھتوتیاں اُنکل بے جوڑ ہرزہ سرائی کو کہتے ہیں. دھتاں مارنا یا پیسر بیٹھنا سے مراد ہے دھرنا مار کر بیٹھنا. کہتی ہے جیسے جوان بھینسا بھینسوں میں گھس کر بیٹھتا ہے اسی طرح تو

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

عورتوں میں دھرنا مار کر بیٹھا ہے۔ ہندی میں کہیں گے گوپیوں میں کاہن بنا بیٹھا ہے۔

لایو ویس مداریاں جوگیاں دا سروں کونیاں تے وچوں کھوٹیا وے
دھرکونیا کون منو نیا وے بھوندے چاک توں لتھیا لوٹیا وے

کونا کون منونا ایسے آدمی کو کہتے ہیں جس کے سر پر اُسترا پھروا دیا گیا ہو جیسے کہ رانجھے جوگی کا سر تھا۔
دھرکونا دھریک (بکائن) کا پھل ہوتا ہے۔ مُنڈے ہوئے سر کو دھرکونا کہنا نہایت موزوں ہے کہتی ہے تو نے جوگیوں کا بھیس بدل رکھا ہے اور سر منڈا رکھا ہے لیکن تیرا اندرون کھوٹا ہے تو اس کوزے کی طرح بے ڈول ہے جسے چکر کھاتے ہوئے چاک سے کمہار نے قبل از وقت اتار لیا ہو۔

سہتی۔ لٹھ وانگ ایہ چھڑے گول گیا گھڑیا کنہاں انجان ترکھانیاں نے
تُل مُرل وانگوں نک منہ وتوں چھلے ولیب صاف کھترانیاں نے

کہتی ہے تو لٹھ کے مانند اَن گھڑ ہے۔ معلوم ہوتا ہے تجھے کسی اناڑی بڑھئی نے تراشا ہے۔
تُل مُرل بے ڈول جسم والے آدمی کو کہتے ہیں۔ سہتی کہتی ہے تیری شکل و صورت سے یوں لگتا ہے جیسے کھترانیوں نے تجھے چھلے بیلن سے بیلا ہے اور ناک منہ درست نہیں کیا۔

سہتی۔ اصل فقر سوئی جنہڑے مرشداں نے گھت وچ کٹھالیاں گالڑے دے
ایویں کھڑ کدا پھڑکدا پھریں بھوندا ہنکن اسپ جیوں کسی سالڑے دے

کہتی ہے حقیقی فقیر تو وہ ہوتے ہیں جو ریاضت کی آگ میں تپ کر نکلے ہوں تو ایسے ہنکارتا پھرتا ہے جیسے رسالے کے گھوڑے ہنہناتے ہیں۔

سہتی۔ رکھتوں پچن اُنہاں مسٹنڈیاں نوں جنہاں کھادیاں دُودھ ملایاں نے
کہتی ہے تیرے جیسے مسٹنڈوں کو دودھ بالائی ہضم نہیں ہوتے یعنی وہ خرمستی کرنے لگتے ہیں۔

سہتی۔ اگے کناں نوں لیک لوایا ئی ہن نک توں لیک لگاواں گی وے
کہتی ہے کہ تو نے کان تو پہلے ہی پھڑوا دیئے ہیں۔ ناک رہ گئی تھی سو میں کاٹ لوں گی۔

سہتی۔ فرفیجیا مکریا ٹھکریا وے ایس پنتھ دا بھید نہ آیو وے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

منگ کھان دے واسطے ساد بنیوں بدن خاک دے وچ رلایو دے

ترجمہ۔ مکّا ٹھکرا فریبی کو کہتے ہیں سہتی کہتی ہے تُو جوگ کا راز نہیں پا سکا بھبھوت مل کر جوگی بن بیٹھا ہے۔ اس سے تیرا اصل مدّعا مفت کی روٹیاں توڑنا ہے۔

سہتی بڑی بے باک اور لڑاکا تھی۔ رانجھے کو دھمکاتے ہوئے کہتی ہے۔

جدوں موہلیاں پکڑ کے گرد ہوئے پیستے کڈھیے جینیاں کوٹیاں دے

جُٹ جُٹ کے کُٹیے نال سوٹے ایہ علاج نے چیتراں موٹیاں دے

کہتی ہے کہ تیرے جیسے موٹے چوتڑ والوں کا علاج یہ ہے کہ تمہیں رسّی سے جکڑ کر تمہاری خوب دھنائی کی جائے اور موہلیوں سے تمہارا ایسا بھرکس نکالا جائے جیسے چنے کو کوٹ کر اس کا مغز نکالتے ہیں۔ؔ

رانجھے نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور "جواب آں غزل" میں ایسی ایسی نکتہ آفرینیاں کیں کہ سہتی ایسی بے لگام کو بھی قدرِ عافیت معلوم ہو گئی ہو گی۔ جب سہتی نے بھیک دینے میں تامل کیا تو رانجھا بولا ۔

یاویں چیر نہ فقیراں عاجزاں نوں گنیں انگلاں وانگ اروڑیاں دے

دولتمند ہو کے گنیں ٹکیاں نوں کھاویں ہانڈیوں کھرچ گھروڑیاں دے

اروڑا ہندو بنیوں کی ایک گوت ہے یہ لوگ نہایت خسیس ہوتے ہیں۔ کہتا ہے کہ مجھ سے بھیک مانگی جاتے تو اروڑیوں کی طرح انگلیوں پر حساب کرنا شروع کر دیتی ہے۔ لقمے گننے لگتی ہے اور ہنڈیا کی کھرچن تک نہیں چھوڑتی ۔

رانجھا ۔ نہیں کھتریاں دی نسل ایہ تدھی کتھاں گگڑیاں دی جانے گوتری اے

دمڑی دمڑی دا کرے حساب دم دم روڑی قوم دی گوت ملوتری اے

دھوکے نال ایہ عاجزاں ٹھگدی لے کھاندی سود بیاج بڑھوتڑی اے

ایویں لڑے فقیراں دے نال تدھی اڑک جویں ہلیں نہ جوتری اے

ؔ منگ دھمال کھیلتے ہیں تو بار بار نعرہ لگاتے ہیں: اوچیناں اوئی چھڑیندا او موہلا اوئی مریندا

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اساں ایتھے گل معلوم کیتی موٹی گھوٹنی بھنگ سلوتری اے
لسی پی کھٹی رتیے مول ناہیں وگے بھقیوں ایسدی لوتری اے
بڑبڑ کرے بکواس لے جوگیاں نوں جیٹی نہیں اصیل ایہہ لوتری اے
وارث شاہ میاں نال رنبیاں دے کستے گوڈ کے تے ناہیں کھوتری اے

کہتا ہے کہ یہ لڑکی کھیڑوں کی نسل سے معلوم نہیں ہوتی. لگتا ہے جیسے گگڑی (ایک خانہ بدوش قوم) ہے. اور اوڑے جنیوں کی گوت ملوتروں سے تعلق رکھتی ہے اور انہی کی طرح بیاج کھاتی ہے۔ فقیروں سے اس طرح لڑتی ہے جیسے کہ اڑیل بھینس ہو جسے ہل میں نہ جوتا گیا ہو. سنڈھ پنجابی میں وہ بھینس ہوتی ہے جو بچہ نہ جنے۔ اسے جاٹ ہل میں جوتتے ہیں. سہتی بھی موٹی تازی عورت تھی. رانجھا کہتا ہے کہ یہ تو بھنگ گھوٹنے والے ڈنڈے کی طرح موٹی ہے. ہر وقت کھٹی لسی پیتی رہتی ہے اور موتتی رہتی ہے. جوگیوں کے سامنے بک بک کرتی ہے. شاید اس کا پالا کسی مرد سے نہیں پڑا جو اس کا دماغ درست کر دیتا۔

رانجھا ؏ ایہہ خصم نوں کھان نوں کویں ویسی جیہڑی خیر دیندی پئی جُرکدی اے

کہتا ہے یہ فقیروں کو بھیک تک نہیں دیتی شادی کے بعد اپنے شوہر کو بھی بھوکا رکھے گی.

رانجھا ؏ شکار وچ دریا دے کھیڈ موئیے کیہیاں موت وچ مچھیاں چاہتی ایں

" موت وچ مچھیاں پھڑنا" پنجابی کا محاورہ ہے جو کسی شخص کی کم ظرفی اور کمینگی پر بولا جاتا ہے

سہتی گول مٹول گدبدی عورت تھی اس کی فربہی پر طنز کرتے ہوئے رانجھا کہتا ہے

؏ سارا گول بے ڈول ہے جسم تیرا پنڈ بنھ رکھی جویں مُرک دی اے

مُرک ایک نرم گھاس ہے. کہتا ہے تیرا جسم ایسا بے ڈول ہے جیسے مُرک کا گٹھا۔

سہتی نے زبانی طعنوں مہنوں پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ اچھل اچھل کر اسے ٹھینگا دکھایا تھا. رانجھا کہتا ہے ؎

حسن متیئے بوکے سون چڑھیئے نیناں والئے شوخ ممولئے نی
اک وار کیتی گل ہو چکی بار بار تہ سپے پڑ جو لئے نی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رنگ گورڑے نال توں جگ مُٹھا وچوں گُناں دے کارنے پولنے نی
وڈھرے وِچ توں کنجری وانگ نچیں چوڑاں یاراں دے وِچ وِچولنے نی

کہتا ہے کہ تجھے اپنے جوبن پر بڑا ناز ہے تو اپنے آپ کو سنہری چڑیا سمجھتی ہے اور مولے کی طرح پُھدکتی پھرتی ہے۔ لوگ تیرے گورے رنگ پر دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تو تجھ میں کوئی خوبی نہیں ہے صحن میں کھڑی رنڈیوں کی طرح ناچ رہی ہے۔ تیرا کام چوروں یاروں کی امداد کرنا ہے۔ جب سہتی نے اس کا ناک میں دم کر دیا تو وہ زچ ہو کر بولا ہے

کُھچے دھسکلے وڈی چنچال رنّے نال اَل کذات دے سیڑیئے نی
کرڑ کتیئے تے گھرڑ گھسیئے نی زرڑ گنڈیئے انگ جھبیڑیئے نی

یہ اس قدر ٹھیٹھ اور فصیح پنجابی ہے کہ اس کا مفہوم کسی دوسری زبان میں منتقل نہیں کیا جا سکتا اس سے صرف اہلِ زبان ہی محظوظ ہو سکتے ہیں۔

ہیر وارث شاہ میں جا بجا طنز و مزاح کے نہایت شگفتہ نمونے دیکھنے میں آتے ہیں۔ ارسٹو فینس، جونیال، والٹیر، جریر وغیرہ نے بھی طنز و مزاح کے میدان میں گل بوٹے کھلائے ہیں لیکن سہتی اور رانجھے کی لطیف نوک جھونک اور طنز و جوابی طنز کا اس قدر طویل اور سیر حاصل مکالمہ دنیائے ادب میں کم از کم راقم کی نظر سے نہیں گذرا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وارث شاہ ایک جیّد عالم اور بلند پایہ شاعر ہی نہیں تھے بلکہ نہایت ظریف الطبع باغ و بہار آدمی بھی تھے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وارث شاہ کا سماجی شعور

وارث شاہ کے سن پیدائش کے متعلق حتماً کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ 'ہیر' کا سنِ تصنیف بقول ان کے ۱۱۸۰ھ ہے۔ ؎

سن یاراں سو اتی سی نبی ہجری لتے ویس دے وچ تیار ہوئی

ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ زمانہ وارث شاہ کے بھرپور شباب کا تھا اور اپنی محبوبہ بھاگ بھری کی جدائی کا داغ ان کے سینے میں سُلگ رہا تھا۔

وارث شاہ نوں سِک دیدار دی سی جیہی ہیر نوں کھیڑیاں دی سی

'ہیر' میں جا بجا عشق و محبت کے مضامین جس والہانہ از خود رفتگی سے نظم ہوئے ہیں اُس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ لکھتے وقت وارث شاہ کا جوشِ شباب اور جوشِ جنوں زوروں پر تھے۔

تاریخی لحاظ سے یہ وہ زمانہ ہے جب مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہو چکی تھی۔ اس زوال کا آغاز اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے ہوا۔ (۱۷۰۷ء) عالمگیر کے بیٹوں اعظم، معظم اور کام بخش میں تخت نشینی کی جنگوں نے ملکی نظام کو درہم برہم کر دیا۔ جنگ کے دوران اعظم اور کام بخش مارے گئے۔ اور معظم بہادر شاہ کے لقب سے سریر آرائے سلطنت ہوا۔ لیکن ۱۷۱۲ء میں اسے موت نے آلیا۔ اس کے بیٹوں میں پھر لڑائیاں ہونے لگیں۔ جن میں جہاندار شاہ کامیاب ہوا۔ اور ۱۷۱۲ء

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں دلی کے تخت پر بیٹھا۔ جہاندار شاہ عیش و عشرت کا رسیا تھا۔ ایک رنڈی لال کنور کا ایسا دیوانہ ہوا کہ نظم مملکت سے یکسر بیگانہ ہوگیا۔ راتوں کو شراب کے نشے میں دھت دونوں گلیوں میں گھومتے پھرتے اور بازاریوں میں مادر زاد برہنہ چھلانگیں لگایا کرتے۔ لال کنور کے قرابت دار ڈوم ڈھاڑی سرکار دربار میں دخیل ہوگئے۔ اور انھیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا۔ سادات بارہہ حسین علی خاں اور عبداللہ خاں نے جہاندار شاہ کو قتل کر کے فرخ سیر کو تاجِ شاہی پہنایا (۱۷۱۳ء) دربار سازشوں کا مرکز بن گیا۔ ایک طرف تورانی سُنّی اور ایرانی شیعہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے۔ دوسری طرف ہندوستانی[1] زا اور ولایتی[2] ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ ۱۷۱۹ء میں فرخ سیر کو بھی گرفتار کر کے جان سے مار دیا گیا اور سادات بارہہ نے رفیع الدرجات کو بادشاہ بنا دیا۔ یہ انیمی جلد ہی راہیِ ملکِ عدم ہوا اور روشن اختر کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ یہی روشن اختر تاریخ میں محمد شاہ رنگیلا کے نام سے رسوا ہوا۔ اس کے ایما پر نواب سعادت خاں نے سادات بارہہ کے اثر و رسوخ کا خاتمہ کیا۔ نظام الملک حیدرآباد کے سیر حاصل صوبے پر متصرف ہوگیا۔ ۱۷۳۷ء میں نادر شاہ نے حملہ کیا۔ اس کی فاتحانہ یلغار، بے رحمانہ قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ نے سلطنتِ مغلیہ کو یکسر متزلزل کر دیا۔ اور دولتِ مغلیہ کی رہی سہی ساکھ کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اس طرح اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے صرف تیس برس بعد زوالِ دولتِ مغلیہ کا المیہ اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔ وارث شاہ نے اسی پُرآشوب زمانے میں ہوش سنبھالا تھا۔ کہتے ہیں۔ ع نادر شاہ پنجاب فتور پائے میرے باپ دے انہاں فتور کیتے،

ع نادر شاہ توں ہند پنجاب دھڑکے مرے باپ دا تُدھ بھونچال کیتو

لوگ نادر شاہ کی خونریزی اور تاخت و تاراج سے لرزاں و ترساں تھے اس کے حملے کو وارث شاہ نے بجا طور پر بھونچال سے تعبیر کیا ہے۔ اسی بھونچال نے مغلیہ جاہ و حشمت کے قصرِ رفیع کو زمیں

---

[1] وہ امرا جن کی پیدائش ہندوستان کی تھی، ہندوستان زا، کہلاتے تھے۔

[2] جو بیرونِ ملک سے ہندوستان میں وارد ہوتے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بوس کر دیا۔

محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں درباری امراء روسار فسق و فجور کی دلدل میں غرق ہو گئے۔ کثرتِ شراب نوشی۔ افیم خوری اور کسبیوں کی صحبت نے ان کے قوائے عمل کو مضمحل کر دیا اور وہ حوادثِ زمانہ کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے بجائے جام و سبو اور کنارِ شاہد میں پناہیں ڈھونڈنے لگے۔ بابر کی اولوالعزمی، اکبر کی شہامت اور عالمگیر کی عزیمت و مبادرت خواب و خیال ہو گئی۔ شاہی دربار اور امراء کے محلوں پر ڈوم، میراثی، سپر دائی، ہیجڑے، امرد، ڈومنیاں، کنچنیاں، پاتریں چھا گئیں۔ محمد شاہ کو ۱۷۴۸ء میں موت نے ذلت و رسوائی کی زندگی سے نجات دلائی۔ اس کے بعد احمد شاہ کو بادشاہ بنایا گیا۔ اس نے سلطنت کی باگ ڈور اپنی ماں کے رشتے دار بھانڈوں اور بھڑووں کے سپرد کی۔ وہ ۱۷۵۴ء میں فوت ہوا۔ تو اس کا بیٹا عزیز الدین عالمگیر ثانی کے لقب سے اس کا جانشین ہوا اس زمانے میں ہر طرف مرہٹوں اور جاٹوں نے شورش برپا کر رکھی تھی۔ ۱۷۵۹ء میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اور شاہجہان ثانی مسند نشین ہوا۔ اس کے عہد میں احمد شاہ ابدالی نے دلی پر چڑھائی کی اور پٹھان لشکریوں نے دلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہزاروں مارے گئے اور سینکڑوں گھر بے چراغ ہو گئے۔ ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کو بادشاہ بنا دیا۔ یہ وہی شاہ عالم ہے جس کی آنکھیں بعد میں غلام قادر روہیلہ نے نکلوا دی تھیں۔ انگریزوں نے شاہ عالم کی پنشن مقرر کر دی اور امورِ سلطنت خود سنبھال لئے۔ مغلیہ صولت و عظمت داستانِ پارینہ بن کر رہ گئی۔ پچھلے پہر کی یہ چاندنی بھی ۱۸۵۷ء کے طوفان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گم ہو گئی۔

وارث شاہ کا سنِ وفات معلوم نہیں ہو سکا۔ قیاس غالب یہ ہے کہ انھوں نے کم و بیش ساٹھ برس کی عمر پائی تھی اور اس پُر آشوب زمانے کی افراتفری کو پنجاب میں اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ مغلیہ سلطنت کی تباہی کے ساتھ ظاہراً پنجاب کے مسلمانوں کی بربادی بھی وابستہ تھی وارث شاہ کے دیکھتے دیکھتے یہ صوبہ جس کے صدر حکومت لاہور کو اکبر، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب نے عالیشان عمارتوں سے سجایا تھا خونریز جنگوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ کہتے ہیں۔ ؎

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

احمد شاہ از غیب بھیں آن پوسی جنڈیالہ او سفیں رب بچا سیائی

سے دنیا بیگ دے گرجیوں چنے غلجے ڈیرہ لٹ کے چا کنگال کیتو

احمد شاہ واگوں میرے ویر پکے پٹ تھڈ کے چک ساتاں کیتو

ع سیاہ فام مہاراجیاں ہندیاں بھیں لیا راج افغان درانیاں نے

احمد خاں ایک پٹھان سردار تھا۔ جو نادر شاہ کے رسالے کا قائد تھا۔ جب نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو احمد خاں اپنے قبیلے سمیت اس کے لشکر میں شامل ہو گیا تھا۔ نادر شاہ لوٹ کھسوٹ کے مال سے لدا پھندا ایران لوٹ گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اسے دیوانگی کے دورے پڑنے لگے۔ اور ہر ایک پر شک کرنے لگا۔ اسی حالت میں اس نے اپنے ہونہار اور حوصلہ مند بیٹے رضا قلی خاں کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں۔ اور کئی سرداروں کے سر قلم کروا دیئے۔ اس کی خونریزی سے تنگ آکر فوج کے کچھ سرداروں نے اسے جان سے مار دینے کا منصوبہ بنایا۔ احمد خاں ان کا سرغنہ تھا۔ ۱۷۴۷ء میں ایک رات یہ لوگ چپکے سے نادر شاہ کے خیمے میں گھس گئے اور اسے سوتے میں قتل کر دیا۔ نادر شاہ کا خزانہ احمد خاں کی تحویل میں تھا۔ احمد خاں خزانہ لے کر افغانستان چلا آیا۔ یہاں نادر شاہ کا ایک سردار تارکی خاں ملتان، بھکر، پشاور وغیرہ کا خراج لے کر ایران جا رہا تھا۔ احمد خاں نے یہ خزانہ بھی اس سے چھین لیا۔ اور احمد شاہ ابدالی کے نام سے افغانستان کا بادشاہ بن گیا۔ احمد شاہ کے مداح اور عقیدت مند اسے "دُرِ دوراں" (زمانے کا موتی) کہتے تھے۔ جس سے وہ دُرانی کے لقب سے مشہور ہوا۔ احمد شاہ ہندوستان کے حالات سے بخوبی واقف تھا اس نے ہندوستان اور پنجاب پر آٹھ حملے کئے۔ جب اس نے پہلی بار چڑھائی کی تو شاہنواز خاں لاہور کا صوبہ دار تھا۔ شاہنواز خاں نے احمد شاہ کا مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ احمد شاہ کی مراجعت کے بعد نواب معین الملک عرف میر منّو کو لاہور اور ملتان کا حاکم مقرر کیا گیا۔ میر منّو نہایت دلیر حاذق و چوبند مردِ کار داں تھا۔ اس کے عہد میں جسا سنگھ کلال نے خالصہ دَل کی بنیاد رکھی۔

• غلزئی کی پنجابی صورت۔ غلزئی پٹھانوں کا مشہور قبیلہ ہے۔ یہاں پٹھان مراد ہیں۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور سکھوں کی باقاعدہ فوجی تنظیم کی۔ میر منّو نے سکھوں کو سخت شکست دی اور انھیں تتر بتر کر دیا۔

وزیر صفدر جنگ میر منّو سے جلتا تھا۔ اس نے شاہنواز خاں کو ملتان کا صوبہ دار مقرر کیا لیکن میر منّو نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۲ء میں دوبارہ ہند پر فوج کشی کی۔ میر منّو نے لاہور کے قلعے میں محصور ہو کر مقابلہ کیا لیکن مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ شاہ اس کی بہادری کا معترف تھا۔ اس نے جانی دفعہ میر منّو کو اپنی جانب سے لاہور کا حاکم مقرر کر دیا۔

ادینا بیگ خاں جسے وارث شاہ نے دینا بیگ کہا ہے۔ دوابہ جالندھر کا حاکم تھا۔ جہاں اسے سکھوں کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے لکھووال کی جنگ میں سکھوں کو شکست فاش دی۔ ادینا بیگ خاں میر منّو کا دستِ راست تھا۔ میر منّو کی موت (۱۷۵۲ء) کے بعد لاہور پر چندے ادینا بیگ کی حکومت رہی لیکن احمد شاہ ابدالی نے حملہ کر کے اسے لاہور سے نکال دیا۔ اور لاہور کی حکومت اپنے بیٹے تیمور شاہ کے سپرد کی۔ جس نے جہان خاں کو اپنا سربراہ مقرر کیا۔ تیمور شاہ ادینا بیگ سے ناراض تھا۔ ادینا بیگ بھاگ کر پہاڑیوں میں روپوش ہو گیا اور سکھوں کو حملہ کرنے کے لئے اکسانے لگا۔ جسا سنگھ نے لاہور پر حملہ کر کے پٹھانوں کو شکست دی اور خالصہ کے نام کا سکہ چلایا۔ ۱۷۵۸ء میں مرہٹے دلی پر قابض ہوئے تو ادینا بیگ نے ان سے ساز باز کی اور رگھو با کی فوج میں شامل ہو کر لاہور پر دھاوا کیا۔ سکھ مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور بھاگ گئے۔ افغانوں کو بھی پسپا ہونا پڑا۔ مرہٹوں نے لاہور اور ملتان پر قبضہ کر لیا۔ مرہٹوں نے ادینا بیگ خاں کو لاہور کا صوبہ دار مقرر کیا۔ لیکن موت نے اسے مہلت نہ دی اور وہ راہی ملک عدم ہوا۔ احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو شمالی ہند سے نکالنے کے لئے پانچواں حملہ کیا۔ مرہٹے اس کی یلغار کی تاب نہ لا کر دلی کی طرف ہٹ گئے۔ لیکن احمد شاہ نے بلائے بے درماں کی طرح ان کا پیچھا کیا اور پانی پت کی جنگِ عظیم میں انھیں کچل کر رکھ دیا۔ جب احمد شاہ مرہٹوں کی جنگ میں مصروف تھا پنجاب میں سکھوں نے شورش برپا کی اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ ۱۷۶۲ء میں احمد شاہ لاہور پہنچا سکھوں کی فوج ستلج پار کر گئی۔ لیکن شاہ نے طوفان برق و رعد کی طرح انھیں جا لیا اور گھلو گھارا

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کی خون آشام جنگ میں انھیں شکست فاش دی۔ اس لڑائی میں بیس ہزار سے زائد سکھ کام آئے۔ افغانستان واپس جانے سے پہلے شاہ نے کابل مل کو لاہور کا صوبہ دار مقرر کیا۔ ادھر سکھوں نے پھر لشکر جمع کیا اور قصور اور سرہند کے شہروں کو تاراج کیا۔ احمد شاہ نے پھر چڑھائی کی لیکن سکھ جنگ سے جی چراتے ہوئے فرار ہوگئے۔ شاہ کی واپسی پر سکھوں نے پھر ترغہ کیا اور لاہور کے صوبہ دار کو نکال باہر کیا۔ احمد شاہ ابدالی کی وفات ۱۷۷۲ء کے بعد تیمور شاہ نے حملہ آور ہو کر ۱۷۷۹ء میں ملتان پر قبضہ کرلیا۔ لیکن لاہور سکھوں ہی کے قبضے میں رہا۔ اس کے جانشین شاہ زمان نے چڑھائی کر کے ۱۷۹۸ء میں لاہور کو فتح کرلیا۔ لیکن پٹھان پنجاب میں اپنی حکومت قائم کرنے سے گریز کرتے رہے۔ شاہ زمان نے واپس جاتے وقت سکرچکیہ مثل کے ایک سکھ سردار رنجیت سنگھ کو لاہور کی حکومت کا فرمان لکھ دیا کیونکہ اس نے شاہ کی چند گری پڑی توپیں افغانستان بھجوائی تھیں۔ رنجیت سنگھ نے لاہور کو اپنا صدر مقام بنا کر چاروں طرف حملے شروع کئے۔ پنجاب کے مسلمان سرداروں چٹھوں، ٹوانوں، آوانوں اور گکھڑوں نے اس کا جی توڑ کر مقابلہ کیا لیکن تربیت یافتہ سکھ فوج کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ گئی، اور وہ اطاعت پر مجبور ہوگئے۔ چند ہی برسوں میں کشمیر، ملتان اور پشاور پر بھی سکھوں کا راج مستحکم ہوگیا۔

وارث شاہ نے کچھ ایسے واقعات کی طرف بھی اشارے کئے ہیں جن کی تحقیق کتب متداولہ سے نہیں ہوسکی۔

ع ڈیرا بخشی دا مار کے لٹ لیا فتح بانی پٹھان قصور دے نے

یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ بخشی کون تھا جسے نواب قصور نے شکست دی۔ قصور کے پٹھان سرداروں میں نواب نظام الدین خاں بڑا بہادر اور ہوشمند تھا۔ ۱۸۰۷ء میں اس خانوادے کے آخری نواب قطب الدین خاں نے رنجیت سنگھ کے ہاتھوں شکست کھائی۔ رنجیت سنگھ نے نواب موصوف کو ستلج کے دوسرے کنارے پر جاگیر دے کر قصور سے نکال دیا۔

ح جویں زکریا خاں ختم کر کے بھکّی توپ پہاڑ تے جوڑیائی

نواب زکریا خاں نواب عبدالصمد [illegible] خاں کا بیٹا تھا۔ جس نے فرخ سیر کے عہد میں سکھوں کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بدنام سردار بندہ بیراگی کو شکست دے کر اس کی غارت گری کا خاتمہ کیا تھا (۱۷۱۶ء) ان دونوں کے دورِ حکومت میں پنجاب میں سکھوں کو سر اٹھانے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ نواب شاہنواز خاں جس کا ذکر سطور بالا میں آچکا ہے نواب زکریا خاں ہی کا بیٹا تھا۔

ع نواب حسین خان نال لڑیا جویں ابو سمند دتج جو بنیاں دے

اس تلمیح کی بھی تحقیق نہیں ہو سکی۔ نواب حسین خاں لاہور کا ایک صوبیدار ہو گزرا ہے لیکن ابو سمند کا ذکر تاریخ میں نہیں مل سکا۔

تاریخی واقعات کے اس سرسری بیان سے اس غارت گری، سراسیمگی، دہشت اور قتل و غارت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ جس کا سامنا اہلِ پنجاب کو ان حملوں اور لڑائیوں کے دوران کرنا پڑا۔ پٹھان بار بار چڑھائی کرتے۔ فاتحین کا لشکر جس علاقے یا قریے سے گزرتا اسے ٹڈیوں کی طرح ویران کر جاتا۔ رسد رسانی کے نام پر لشکری لوگوں کی بھیڑ بکریاں، گائیں بھینسیں، بیل گھوڑے ہانک کر لے جاتے۔ اناج کی کوٹھیاں خالی ہو جاتیں۔ سرسبز کھیتیاں حملہ آوروں کے گھوڑوں اور بار برداری کے جانوروں کے چارے کی نذر ہو جاتیں۔ لشکر کے جانے کے بعد کسان پھر جوں توں فصلیں کاشت کرتے جب انھیں کاٹ کر ذخیرہ کر لیتے تو اچانک ایک دن پھر افق پر گرد و غبار کی وہی بھیانک لکیر پھیل جاتی۔ لوگ گائیں بھینسوں کو جنگل میں چھپانے کی کوشش کرتے سونے چاندی کے زیور زمین میں گاڑ دیتے۔ غلے کے انباروں کو ٹھکانے لگانے کیلئے دیوانہ وار دوڑ دھوپ کرتے لیکن اتنی فرصت کہاں۔ غبار کی چادر چاک ہوتی اور رسالے کے خشمگیں سوار گرد اڑاتے گھوڑے مارتے ان کے سروں پر آن پہنچتے۔ دہشت سے دل سینوں میں دھڑکنے لگتے۔ جوان عورتیں گھروں کے اندر گھس کر بیٹھی تھر تھر کانپنے لگتیں۔ کسانوں کے چہروں کا رنگ فق ہو جاتا۔ انکار کرنے کی مجال کسے تھی۔ جو کچھ بھی چھپایا ہوتا نکال کر ننگی تلواروں کے سائے میں ڈھیر کر دیتے اور دیکھتے دیکھتے سال دو سال کی کمائی سمیٹتا ہوا یہ لشکر آگے بڑھ جاتا۔ دیہات کے صابر و شاکر کسان پھر اپنے اپنے کام میں جُت جاتے

ایک ضرب المثل ہے جو کھادا اوہ لاہے دا باقی احمد شاہے دا (جو کھا لیا وہ کام آیا باقی جو کچھ ہے وہ تو احمد شاہ ابدالی لے جائے گا۔)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اور اگلے سال کے حملہ آور لشکر کے لیئے غلہ اگانے اور ڈھور ڈنگر پالنے میں مشغول ہو جاتے۔ یہ دو چار برسوں کی بات نہیں۔ اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) سے لے کر سکھوں کی حکومت کے خاتمے (۱۸۴۹ء) تک یہی عالم رہا۔ پٹھانوں کے حملوں کے ساتھ ساتھ سکھ گردی جاری رہی۔ جب افغان لشکر آتا سکھ پہاڑیوں میں جا کر چھپ جاتے لیکن لشکر کے لوٹتے ہی اپنی کمین گاہوں سے باہر نکل آتے اور اس بے رحمی سے لوٹ مار کرتے کہ گاؤں کے گاؤں ویران ہو جاتے۔ سکھوں کے مسلح گروہ کو پنجابی میں دھاڑ کہتے تھے۔ یہ دھاڑیں اچانک دیہاتیوں پر ٹوٹ پڑتیں اور قتل و غارت کرتی ہوئی آگے نکل جاتیں۔ وارث شاہ نے اس ہمہ گیر تباہی اور بربادی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ چنانچہ قندھاری کٹک اور قندھاری تاخت کی ترکیبیں شعر میں علامت بن کر ان کی شاعری میں نفوذ کر گئیں۔

ع تیرے نیناں دی نوکاں دے خط تہرے واہڑ بلی اے جویں کٹاریاں نوں
حکم ہور دا ہور اج ہور ہویا اج ملی پنجاب قندھاریاں نوں

ع سُرمہ کجلہ کٹک قندھار والی کولی نظر دی تاڑدی چیلیاں نے

کسی قوم کا اخلاقی تنزل اس کے سیاسی زوال کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ دولت و ثروت کی فراوانی سلاطین و امراء کو عیش و عشرت کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے اور وہ کنیزوں اور کسبیوں کی صحبت میں رہ کر امورِ مملکت سے یکسر غافل ہو جاتے ہیں۔ نظم و نسق کا شیرازہ بکھر جاتا ہے صوبائی اور ضلعی حکام من مانی کرنے لگتے ہیں رشوت کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ عیش و تنعم کے سامان کی فراہمی کے لیئے روزمرہ کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی اشیاء پر بھی محصولات عائد کر دیئے جاتے ہیں۔ جس سے عوام کی کمر ہمت ٹوٹ جاتی ہے اور ان کے خون کا آخری قطرہ بھی نچوڑ لیا جاتا ہے حکومت کا دبدبہ اور دھاک اٹھ جاتے ہیں شہدے اور لفنگے ہاتھ پاؤں نکالنے لگتے ہیں اور شرفاء کے گھروں میں گھس کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کسبیوں کی بن آتی ہے۔ شرم و حیاء کے پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ فسق و فجور کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ زمیندار مزارعوں پر ظلم و ستم توڑتے ہیں اور عوام کی

PVL PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ وارث شاہ ایک ذی شعور اور ذی احساس شاعر تھے انھوں نے بڑے دلدوز پیرائے میں اپنے عہد کی سیاسی اور معاشرتی زبوں حالی اور اخلاقی پستی کا نقشہ کھینچا ہے۔ کہتے ہیں، ؎

جاہل فاسق ہُن جگ نوں مت دیندے دانشمند دی مٹّی خوار ہوئی
حق سچ دی گل نہ کرے کوئی جھوٹھ بولنا رسم سنسار ہوئی
مجلس لا بیٹھے کرن حرام ایکا مہیوں ماں تیز کٹار ہوئی
صوبہ دار نا ہیں حاکم شاہ کوئی رعیت ملک تے سبھ اکسار ہوئی
پیا ملک دے وچ ہے بڑا رولا ہر کسے دے ہتھ تلوار ہوئی
پردہ ستر حیا دا اُٹھ گیا سارا ننگی ہو کے خلق بازار ہوئی
چوہدری پلے تے پاک دامن بھوت منڈلی اک دو چار ہوئی
اشراف خراب کمین تازہ زمیندار نوں وڈی بہار ہوئی
سارے دیس نے جٹ سردار آہے گھرو گھری جہاں نویں چار ہوئی
تدوں شوق ہویا قصہ جوڑنے دا گل عشق دی آن اظہار ہوئی

اس زمانے میں مرکزی حکومت کا نظم و نسق معطل ہو جانے کے باعث پنجاب کے دیہات میں ہر کہیں چودھری اپنے اپنے حلقوں میں خود مختار حاکم بن بیٹھے تھے اور رعیت کے جان و مال پر پورے متصرف ہو گئے تھے۔

ع کلا کار تے جھگڑ و جٹ وڈے کھوہن مال ایہہ جاندیاں اہیاں دا
ع اشراف دی گل منظور ناہیں اتے چودھری چور لنڈور کیتے
ع چودھری گنڈی پردھان کیتی ایہہ اُلٹ آولیاں رنز ہویاں
ع عامل چور تے چودھری جٹ حاکم سمان ہوراہی رب دکھایا ئی

آج بھی ہمارے دیہات میں بعض چودھری بڑے بڑے رسہ گیر ہیں اور چوروں کی سرپرستی

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کرتے ہیں۔ وارث شاہ کہتے ہیں کہ شرفا گمراہ ہو گئے ہیں اور شریف زادوں نے کنجروں کی عادتیں اختیار کر لی ہیں۔ جو لوگ صحیح معنوں میں عالی نسب تھے ان کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ فقرا کی یہ حالت ہے کہ وہ بدچلن عورتوں میں گھرے رہتے ہیں اور ہر ایک کے سامنے دستِ سوال دراز کرتے پھرتے ہیں۔ ؎

رناں گنڈیاں گشتیاں گرد بیٹھن فقرا وڈے لکھ سوال ڈھے نے

خاندان اشراف سب گم ہو گئے ہُن یار سب ال متوال ڈے تے

اشرفا دے پُت بن گئے کنجر ہوئے ڈوہ ہُن راہ ضلال دے نے

منع ہوئی زکوٰۃ زناہ ودھیا یہ نشان سب قحط یوال دے نے

کہتے ہیں کہ کوّے (چور غنڈے) باغوں میں اینڈتے پھرتے ہیں اور مور، چکور، تیتر (شرفا) بھوکوں مر رہے ہیں۔

؏ کاں کرن کلول وچ باغ بیٹھے تیتر، مور، چکور بُھکھ جالدے نے

وارث شاہ کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ اس ہمہ گیر جبر و تشدد کے عالم میں مظلوم اور کمزور عوام کی حالت نہایت سقیم تھی۔ وہ بار بار مختلف پیرایوں میں عوام کی زبوں حالی اور مظلومیت کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مظلوم اور غریب جنھیں پیروں تلے روندا جا رہا ہے ڈر کے مارے حرفِ شکایت زباں پر نہیں لا سکتے۔

؏ وارث شاہ لتاڑی دے پَیے ماڑے مارے خوف دے مُونھوں نہیں بولدے نے

ان حالات میں غریبوں کی خوبیاں دب کر گھٹ کر رہ جاتی ہیں۔ اور دوسرے غریبوں کے سوا کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں ہوتا۔

؏ گُنٹ ماڑیاں دے سبھے رہن وچے ماڑے ماڑیاں تے دکھ پھولدے نے

سب لوگ غریبوں کو جھٹلاتے ہیں امرا کو جھٹلانے کی جرأت کسی میں نہیں ہوتی

؏ شاندار نوں کرے نہ کوئی جھوٹا جھوٹا کرن کنگال نُوں ٹولدے نے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لوگ اقبال مند امیروں کی خوشامد کرتے ہیں غریبوں کی غمخواری کرنے والا کوئی نہیں ہوتا

ع طالع منداں دیاں لکھ خوشامداں نے اتے غریب دا کوئی غمخوار ناہیں

غریبوں کے پاس توشک لحاف کہاں وہ چپ چاپ جاڑے کی ٹھر کا دکھ سہتے رہتے ہیں۔

ع جنہاں لیف دے نہیں آرام ڈٹھے سوئی بھوگدے دُکھ سیال دے نے

طاقتور کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ غریب بے چارے ہار ماننے کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں۔

ع ڈاہڈے ماڑیاں نوں دھاڑ ماڑ کر دے زوراں وراں لگے انت ہاریاں نی

آج دو سو برس گذر جانے کے بعد بھی دیس پنجاب کے کسان اور مزارع ویسے ہی مظلوم و مقہور ہیں جیسے کہ وارث شاہ کے زمانے میں تھے۔ اتنا ضرور ہے کہ اب ان میں طبقاتی شعور پیدا ہو گیا ہے اور لیٹ کر مار کھانے کے بجائے انھوں نے اپنے حقوق کے لئے مردانہ وار جدوجہد شروع کر دی ہے۔ وارث شاہ کسانوں کی مظلومیت کے ذکر پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ انہیں اپنی قوت کا احساس اور شعور بھی دلاتے ہیں اور بیداری کی دعوت بھی دیتے ہیں۔

ع تینوں رب نے شاہ بنایا سی بنوں کرتیاں نال توں آل آپے

وارث شاہ نے اپنے زمانے کے کٹھ ملاؤں اور قاضیوں کی ریا کاری اور مکر و فریب کا پردہ بڑی بے رحمی سے چاک کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ "رب دے مارے" شریعت کے احکام کو بالائے طاق رکھ کر ہمیشہ اس شخص کی حمایت کرتے ہیں جو انھیں رشوت دیتا ہے۔ یہ لوگ اپنی غرض براری کے لئے دینی علوم پڑھتے ہیں لیکن احسان خلقِ خدا پر دھرتے ہیں۔ یہ ہر وقت نئے سے نئے شکار کی تاک میں بیٹھے رہتے ہیں۔

ع نت شہر دے فکر غلطان رہندے ایہو جاٹ ہے رب دیاں ماریاں نوں

چھتوں لیوندے اوسدی گل کردے چھڈ شرع دے قول قراریاں نوں

ع پڑھیں نفس دے واسطے علم سارے اتے خلق دے کریں احسان ہیں وے

وارث شاہ شکار نوں پھریں بھوندا وچ دولتاں بڑا غلطان ہیں وے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پھر کہتے ہیں ؎

شکل مومناں دی کم موذیاں دا ایناں اصل شیطان دیاں دادیاں نے
جس نے دغے فریب تے لک بدّھا سبھو ڈوبیاں آدھ جگادیاں نے
جدوں جگ جہان تے سوگ ہوئے تدوں قاضیاں دے گھر شادیاں نے
اوہ محروم ہوئے رحمت رب دی توں جنہاں دوھیاں پیریاں کھادیاں نے

ملّاؤں اور قاضیوں کی ابلہ فریبیوں کے ساتھ وارث شاہ پیرانِ سالوس کی زہد فروشی اور دکاں آرائی کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں۔ وارث شاہ نے اس طائفہ کی دسیسہ کاریوں کو قریب سے دیکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے پیر لوپے گورو گھنٹال ہیں اور امردوں کو اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں انھوں نے فریب کا جامہ اوڑھ رکھا ہے ہر وقت اپنے نفس کی پرورش میں مصروف رہتے ہیں انھیں نماز روزے سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ لوگوں سے قدم بوسی کرانے کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ خواہ مرید کے بیوی بچے بھوکے مر رہے ہوں۔ پیروں کو اپنے نذرانے سے کام ہوتا ہے۔ یہ شیطان ظالم لٹیرے ہیں اور غریبوں کے تن سے کپڑے بھی اتروا لیتے ہیں۔ سلوک و عرفان کو بدنام کرتے ہیں اور بُرے افعال کے ارتکاب میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ جب پیر جی نزولِ اجلال فرماتے ہیں تو موٹی تازی عورتیں انھیں گھیر لیتی ہیں اور انھیں دیکھ دیکھ کر پیر جی خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ انھوں نے دکھاوے کے لئے فقر کا جامہ اوڑھ رکھا ہے اور عمامہ، ریش دراز، سیلی ٹوپی سے لیس رہتے ہیں۔ ؎

دیکھو ایس زمانے دے پیر یارو کردے مکر سب گورو گھنٹال دے نے
خوشیاں نال فریب دا پہن جامہ گھتّن بانکے وتن بھونچال دے نے
بھاویں ٹبّر مرید دا مرے بھکھا پیر اپنے نفس نوں پال دے نے
فرض سنتاں واجباں ترک کر کے ہتھ دوڑدے پیر دے خال دے نے
ایہ شیطان شٹو نگڑے وڈے ظالم لٹیرے عاجزاں لاہ پٹ تال دے نے
سگوں پیری دے نام نوں لج لائی مردود ایہ فعل افعال دے نے
رناں ویکھ مشٹنڈیاں ہون راضی جدوں سائیں ہوری ڈول ڈال دے نے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کر سیلیاں ٹوپیاں بہن بانا پگڑ استرا ریش روال دے نے

پنجاب... کے سادہ لوح دیہاتیوں کے دل و دماغ پر آج بھی کٹھ ملاؤں اور پیرانِ سالوس کا تصرّف باقی و برقرار ہے، اگرچہ علوم جدیدہ کی اشاعت کے ساتھ ان لوگوں کی دین فروشی اور مکاری کا طلسم ٹوٹتا جا رہا ہے۔

وارث شاہ نے انگریزوں کے بڑھتے اور پھیلتے ہوئے تسلط کا بھی جائزہ لیا۔ وہ انگریزوں کے مکروفریب اور فتنہ پردازی کا ادراک رکھتے تھے۔ بالناتھ جوگی کی زبانی کہتے ہیں۔

ع ڈ ڈے پیچ در پیچ ایہ جاندائی کلا کار استاد فرنگ دائی

انھوں نے انگریز عورتوں کی بے پردگی پر بھی طنز کیا ہے۔

ع مومنات نوں ستر دی قید بہتر آزادی بھاوندی سب کرانساں نوں

وارث شاہ مساوات پر کامل یقین رکھتے تھے۔ کہتے ہیں

سے سید شیخ نوں پیر نہ جاننائی عمل کرے جے اوہ چنڈال دے نے
چوہڑا ہووے جے ترک حرام مُسلم مسلمان سب اُس نوال دے نے

مساوات کے انقلابی تصور کی ترجمانی کیسے عمدہ اور پُرزور پیرایے میں کی ہے کہتے ہیں کہ سید یا شیخ کو مرشد نہیں مانا جا سکتا اگر وہ چوہڑے چماروں جیسے کام کرے۔ دوسری طرف چوہڑا چمار حرام خوری ترک کر کے مسلمان ہو جائے تو وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے۔

محوّلہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ وارث شاہ ہر عظیم شاعر کی طرح سیاسی، طبقاتی اور سماجی شعور سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ انھوں نے جس سیاسی اور سماجی ماحول میں زندگی گذاری اس کا بنظر غائر مشاہدہ کیا اور اپنے مشاہدات کو فن کارانہ انداز میں پیش کیا تھا۔ چنانچہ ہیر وارث شاہ کے اوراق میں معاصر سماج کی جو سچی تصویریں دکھائی دیتی ہیں وہ تاریخ کی کتابوں میں کہیں نہیں ملیں گی۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہیر وارث شاہ پر اعتراضات

وارث شاہ کے معترضین کہتے ہیں کہ :

۱. وارث شاہ نے ہیر (کتاب) کا دامن فحاشی سے داغ دار کر دیا ہے۔

۲. عورت کی تنقیص کی ہے۔

۳. ہندوؤں کی کتھائیں لکھی ہیں۔

اوراقِ آئندہ میں ہم دیکھیں گے کہ یہ اعتراضات کس حد تک درست ہیں۔ سب سے پہلے ہم فحاشی کے الزام کو لیں گے۔

فحاشی مذہب، اخلاق، قانون اور ادب و فن کا ایک مشترک اگرچہ اختلافی مسئلہ ہے بعض کتابیں جنھیں انگلستان میں فحش سمجھ کر ممنوع الاشاعت قرار دیا گیا ہے اضلاعِ متحدہ امریکہ میں بے روک ٹوک چھپتی ہیں اور جنھیں اضلاعِ متحدہ امریکہ میں چھاپنے کی اجازت نہیں ہے ان کی اشاعت پر فرانس، سویڈن اور ڈنمارک میں کوئی قدغن نہیں ہے۔ حالانکہ یہ سارے ممالک عیسائی ہیں اور بہ ادنیٰ تغیر ایک ہی ضابطۂ قانون (رومن لاء) کے پابند سمجھے جاتے ہیں۔ اِن حالات میں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا کوئی معیار ایسا بھی ہے جس کی بنا پر ہم کسی نظم یا نثر پارے کو فحش قرار دے سکیں؟ اس سوال کے جواب کی تلاش میں ہمیں تمدّن کے ابتدائی دور سے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رجوع لانا پڑے گا۔

زرعی انقلاب کے بعد جو مذاہب وجود میں آئے ان کا اساسی تصور قدرتاً بارآوری اور زرخیزی پر مبنی تھا۔ فصلوں کے پنپنے کا انحصار بروقت مینہ برسنے پر تھا۔ اس لئے برق و رعد کے دیوتاؤں کی پرستش کا آغاز ہوا۔ ارض کی کوکھ سے فصلیں اُگتی تھیں۔ چنانچہ مادرِ ارض، مادرِ مہربان، مادرِ کبریٰ کے نام سے ارضی دیوی کی پُوجا ہونے لگی۔ کھیت میں ہل چلانے کا عمل اور جنسی ملاپ کا فعل یکساں طور پر ثمرآور تھے اس لئے جنسی اعضا اور جنسی ملاپ کو زرعی معاشرے کے ابتدائی دور میں بیش از بیش اہمیت حاصل ہوگئی۔ چنانچہ مصرِ قدیم، سمیریا اور موئن جو دڑو کی شہری ریاستوں میں اعضائے تناسل کی پُوجا بڑے ذوق و شوق سے کی جاتی تھی۔ ارضی دیویوں کے معبدوں میں ہزاروں "دیو داسیاں" رکھی جاتی تھیں جن سے دیوی کے نام پر چند ٹکے دے کر پجاری اور یاتری فیض یاب ہوتے تھے۔ اُس زمانے کے بت پرستوں کا خیال تھا کہ اس "مقدس جنسی ملاپ" سے اراضی کی زرخیزی کو تقویت پہنچتی ہے — برٹرنڈ رسل نے اپنی کتاب "شادی اور اخلاق" میں کہا ہے کہ عصمت فروشی کا آغاز مذہب کے دامن ہی میں ہوا تھا۔ جیسا کہ ہیرو ڈوٹس نے لکھا ہے۔ بابل میں "مقدس عصمت فروشی" دیو داسیوں ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ بابل کی ہر عورت کو اپنی زندگی میں کم از کم ایک بار عشتار دیوی کے معبد میں چند سکوں کے عوض کسی نہ کسی زائر سے جنسی ملاپ کرنا پڑتا تھا۔ فصلوں کے بونے اور کاٹنے پر جو تیوہار منائے جاتے تھے ان میں جنسی ملاپ کی کھلی چھٹی تھی۔ عشتار، آئسس، بکیس، دیونیسس وغیرہ دیویوں اور دیوتاؤں کے تیوہاروں پر جلوس نکالے جاتے تھے۔ جن کے آگے آگے لوگ لنگ کے مجسمے اٹھا کر چلتے تھے۔ جنسی اعضاء کے تعویذ بنوا کر گلے میں لٹکائے جاتے تھے۔ یا بازوؤں پر باندھے جاتے تھے۔ نظرِ بد سے بچنے کے لئے بھی لنگ کے مجسمے گھروں میں رکھے جاتے تھے۔ اس زمانے میں جنسی اعضا یا جنسی ملاپ کے ساتھ کسی قسم کا فجور وابستہ نہیں تھا۔ اور غالباً اسی لئے قدیم بت پرست گناہ کے تصور سے بھی آشنا نہیں تھے۔ ہزاروں برسوں تک یہی حالت رہی تا آنکہ اسرائیلی مذاہب کی اشاعت سے جنسی اخلاق کا ایک نیا تصور پیدا ہوا۔ جنسی اعضا اور جنسی ملاپ کا برملا ذکر

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

طہور قرار پایا۔ اور جنسیات کے ساتھ گناہ اور جرم کے احساسات وابستہ ہو گئے۔ فحاشی کا تصور اسی احساس معصیت کا پروردہ ہے۔ مسیحی اولیاء پال، آگسٹائن وغیرہ عورت کو جنسی ترغیب و کشش کا پیکر سمجھتے تھے اور اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مصر میں رہبانیت کی ترویج ہوئی تو سیکڑوں راہب عورت کی کشش سے محفوظ رہنے کے لئے پہاڑوں اور صحراؤں کو نکل گئے۔ ان کے خیال میں عورت شیطان کے ہاتھ میں ایک خطرناک آلۂ کار ہے جس کی مدد سے وہ نیکوں کو گمراہ کرتا ہے وہ جنسی فعل کو تمام برائیوں کی جڑ مانتے تھے۔ کلیسائے روم نے مذہبی پیشواؤں اور تارک الدنیا عورتوں پر تجرد کی کڑی پابندی لگادی۔ رفتہ رفتہ عورت اور جنس کے خلاف یہ غیر فطری تعصب عالم عیسائیت میں ہر کہیں نفوذ کر گیا۔

اہل مغرب کا قانون بنیادی طور پر رومۃ الکبریٰ کے ضابطہ قوانین کا چربہ ہے جس پر مقامی و ملکی رسوم و شعائر کا پیوند لگا دیا گیا ہے۔ روما کا قانون کئی صدیوں میں صورت پذیر ہوا تھا۔ ابتدائی دور میں رومی شوہر اس بات کا مجاز تھا کہ وہ اپنی زوجہ کو کسی مرد کے ساتھ قبیح حالت میں پکڑ لے تو اسے وہیں قتل کر دے۔ عدالتوں سے رجوع لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ بعد میں شوہر کا یہ حق سلب کر لیا گیا۔ رومی جنسی اخلاق قدماء یونان کے اخلاق سے ملتا جلتا تھا۔ اور یونانیوں کا نظریہ یہ تھا کہ بیوی بچے جننے کے لئے، رنڈی لطف صحبت کے لئے اور لونڈی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے۔

روما میں شہنشاہی کے نفاذ کے ساتھ جنسی بے راہ روی کا دور دورہ ہوا۔ قسطنطین نے عیسائیت قبول کی تو اس نے عیسائی اخلاق کی روشنی میں جنسی قوانین کو مرتب کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ جہاں تک جنسی مواصلت کا تعلق ہے زنا کے بارے میں روما کے قانون جرم و سزا اور عیسائی تعصب کا امتزاج ہوا ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں سائنس اور فلسفۂ جدید کے فروغ کے ساتھ عیسائیت کو ضعف آ گیا۔ اور آج یہ عالم ہے کہ اہل مغرب محض نام کے عیسائی ہیں۔ جنسی معاملات میں وہ کھلم کھلا بت پرست یونانیوں کی جنسیاتی آزادہ روی کی طرف مراجعت کر رہے ہیں لیکن ستم ظریفی یہ ہوئی ہے کہ اس کے ساتھ وہ اس احساس جرم میں بھی مبتلا ہیں جو جنسی مواصلت کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بارے میں عیسائیت نے ان کے ذہن و قلب میں راسخ کر دیا ہے اور جس سے مفر کی کوئی بھی صورت انھیں دکھائی نہیں دیتی۔ نتیجتہً وہ کربناک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ کبھی تو وہ ایسی کتاب کو ممنوع الاشاعت قرار دیتے ہیں جس میں جنسی مواصلت کا ذکر فن کارانہ انداز میں کیا گیا ہو۔ اور کبھی ایسی کتابوں کو چھاپنے کی اجازت بھی دے دیتے ہیں جن میں جنسی ملاپ کا ذکر محض ہیجان لذت کے لئے کیا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے ناقدین فحاشی کا کوئی قاطع و مانع مفہوم متعین نہیں کر پائے۔ اسی ذہنی تردد کے باعث فحاشی عدالتوں کے لئے بھی معمہ بن گئی ہے۔ راقم کے خیال میں وہ تحریریں یا نظمیں حتمی طور پر فحش ہیں جو کسی فن کارانہ تقاضے کو پورا نہیں کرتیں یا عشق اور مزاح سے عاری ہوتی ہیں۔ گویا آرٹ یا مزاح یا عشق ہی کو کسی تحریر کے فحش یا پاکیزہ ہونے کا معیار بنایا جا سکتا ہے۔ مصوری کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ایسی مادر زاد برہنہ تصاویر پر جو جسم کے زاویوں کی لطافت، خطوط کی دلآویزی اور خدوخال کی رعنائی کو اُجاگر کرتی ہیں فحش کا اطلاق نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے نظارے سے ہوا و ہوس کی تحریک نہیں ہوتی۔ بلکہ تناسب اعضاء کا جادو دیدہ و دل کو رفعت عطا کرتا ہے۔ ایک پُرشباب متناسب الاعضا حسینہ کے جسم سے زیادہ تو دُنیا کی کوئی چیز خوبصورت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جن فلموں میں محبت کرنے والوں کی ملاعبت کے مناظر دکھائے جائیں انھیں فحش نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ جذبۂ عشق کا خلوص انھیں پاکیزگی عطا کرتا ہے۔ اس کے برعکس "نیلی" اور "پیلی" فلمیں سراسر ہوس انگیز ہوتی ہیں۔ اس لئے انھیں فحش سمجھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جنسی مواصلت بذات خود ایک فطری فعل ہے اور نسل کی بقا کے لئے ضروری ہے۔ حیوانات بھی فطرت کا یہ تقاضا پورا کرتے ہیں اور بعض دفعہ برسرِعام کرتے ہیں۔ لیکن ان پر فحاشی کا الزام نہیں لگایا جاتا۔ انسان ذی شعور و ذی عقل ہونے کے باعث اپنے فطری تقاضوں کی تشفی ایسے طریقوں سے کرتا ہے جو اسے حیوان سے ممتاز کرتے ہیں۔ عشق و محبت نے جنسی ملاپ کو خالص انسانی شائستگی کا پیرایۂ اظہار بخشا ہے۔ عشق وہ کسوٹی ہے جس میں حیوانیت کی میل کچیل الگ ہو جاتی ہے اور انسانیت کا سونا نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ شیکسپیئر "وینس اور ادونس" میں کہتا ہے:

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

Love Surfeits Not, Lust Like a Glutton Dies

Love is All Truth, Lust Full of Forged Lies

آرٹ حسن کی ترجمانی کرتا ہے۔ حسن عشق کا پروردہ ہے۔ عشق جنسی جبلت کا زائیدہ ہے۔ لہذا جب عشق و محبت کے حوالے سے ادبیات اور آرٹ میں جنسی ملاپ کا ذکر آئے گا تو ہم اسے فحش نہیں کہہ سکتے۔ فحاشی جذبۂ ہوس (Lust) کی غیر جذباتی (Cold-Blooded) تعبیر و ترجمانی کا نام ہے۔ مزاحاً جنسی ملاپ کا ذکر کیا جائے تو بھی اسے فحاشی نہیں سمجھا جا سکتا۔ کیونکہ سامع بے اختیار مسکرانے لگتا ہے یا کھلکھلا کر ہنس دیتا ہے۔ یہ ہنسی نہ صرف جذبۂ ہوس کے بھڑک اٹھنے میں مانع ہوتی ہے بلکہ دل کے انبساط اور ذہن کے پھیلاؤ کا باعث بھی ہوتی ہے۔ یہی بات ہم ہجو یا گالی کے بارے میں نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کا ردِ عمل شگفتہ خندہ کا باعث نہیں ہوتا۔ بلکہ دل میں تلخی اور تحقیر پیدا کرتا ہے۔ ہجو دل کے پھیلاؤ کے بجائے انقباض کا باعث ہوتی ہے۔ احساس کی یہ جراحت ہجو یا گالی کو فحش بنا دیتی ہے۔ کیونکہ گالی دینے والا یا ہجو کرنے والا مقامِ انسانیت سے گر جاتا ہے۔ عشق و مزاح دونوں قلب و نگاہ کی رفعت اور انبساط کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا فنکارانہ اظہار لازماً فحاشی سے پاک ہوتا ہے۔

انگریزی میں فحش نگاری کے لئے Pornography کی ترکیب ہے۔ جو یونانی زبان سے ماخوذ ہے۔ یونانی میں Pornaca قحبہ خانے کو کہتے تھے۔ اس ترکیب کا مطلب ہوا قحبہ خانے میں جنسی ملاپ کی وصف نگاری۔ یہ ترکیب اپنے مفہوم و معنی میں بڑی محدود اور ناقص ہے۔ کیونکہ اس کی رُو سے فحاشی کا ارتکاب گویا قحبہ خانوں ہی میں کیا جاتا ہے۔ لیکن عام طور سے اس سے مراد فحش نگاری ہی لی جاتی ہے۔ قحبہ خانوں میں جنسی ملاپ کی تفصیل نگاری یقیناً فحش ہوگی۔ کیونکہ ان میں طالب و مطلوب کا نقطۂ نظر محض کاروباری ہوتا ہے اور اس میں عشق و محبت کا شائبہ نہیں ہوتا۔ بعض تماشبین کسبیوں سے محبت کا دم بھرتے ہیں لیکن اس میں خلوص نہیں ہوتا۔ محبت کا نام لے کر جنسی ملاپ کو زیادہ پرکشش بنانا مقصود ہوتا ہے۔ عصمت

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

فروشی اور فحاشی لازم و ملزوم ہیں۔ لیکن عشق و محبت کا اعجاز سمجھئے یا آرٹ اور ادبیات کی کرامات جانئے کہ دنیائے ادب میں کسبیوں کے بعض کردار ایسے بھی ہیں جن پر فحاشی کی زد نہیں پڑتی مثلاً زولا کی "نانا"۔ داؤدے کی "سیفو"۔ موپاساں کی "چربی کی گیند"۔ رسوا کی "امراؤ جان ادا" کالیداس کی "دشنت سینا"۔ عشق یا وطنیت کے جذبات نے اسفل کو اعلیٰ اور ناپاک کو پاکیزہ میں بدل دیا ہے۔ سومرسٹ ماہم نے بھی کسبیوں کی زندگی کی تصویر کشی کی ہے۔ لیکن لذتیت کے باعث اس کے کردار قحبہ خانے کی سطح سے بلند تر نہیں ہو سکے۔ اس کا جواز عام طور سے حقیقت نگاری کے نام سے پیش کیا جاتا ہے۔ بے شک عصمت فروشی ایک حقیقت ہے لیکن فن کار یا ادیب کا منصب زندگی کے حقائق کو من و عن پیش کرنا نہیں ہے کہ اس صورت میں ادب محض صحافت بن کر رہ جائے گا۔ بلکہ انھیں ایسی ہیئت عطا کرنا ہے جو ہوس انگیزی کی میل کچیل کو دور کر کے انسانیت کے کندن کو اُجاگر کر دکھائے۔ فن کار اور ادیب ایک کیمیا گر کی طرح معمولی دھاتوں پر فن کارانہ عمل کر کے انھیں زرِ خالص یا آرٹ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ جو کیمیا گر مس خام کو مس خام ہی کی صورت میں پیش کرے گا اسے ہم کیمیا گر نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح جو ادیب یا فن کار زندگی کے حقائق کو اپنے اصل معروضی رنگ میں پیش کرتا ہے وہ جو کچھ بھی ہو ادیب یا فن کار ہرگز نہیں ہے۔

ڈی۔ ایچ لارنس کی "Lady Chatterly's Lover" اور ناباکوف کی "Lolita" فحش ہیں۔ کیونکہ ان میں جنسی ملاپ کا ذکر غیر جذباتی انداز میں کیا گیا ہے۔ فرینک ہیرس نے اپنی خود نوشت سوانحعمری "میری زندگی اور معاشقے" میں اپنی قوتِ رجولیت اور جنسی کشش کا سکہ بٹھانے کی کوشش کی ہے۔ جذبۂ محبت کے فقدان نے اس کتاب کو فحش بنا دیا ہے۔ اس سے پہلے کسانووا نے بھی اپنے معاشقوں کی تفصیل لکھی تھی لیکن اس میں کہیں کہیں عشق کی حرارت موجود ہے۔ ہلر کی "خطۂ سرطان" صریحاً فحش ہے کہ اس کے جنسی ملاپ کے ذکر میں سادیت اور کلبیت کا رنگ آگیا ہے۔ اس کے برعکس ریڈ کلف ہال کا "تنہائی کا کنواں" اور ژول رومین کا "Body's Rapture" فحش نہیں سمجھے جائیں گے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کہ انھیں پڑھتے ہوئے ذہن و قلب چاہنے والوں کے خلوصِ جذبہ اور عاشقانہ وارفتگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہم جنسی محبت کو عام طور سے کجروی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن جدید نفسیات کی رُو سے یہ رُجحان بعض لوگوں میں خلقی ہوتا ہے۔ "تنہائی کا کنواں" میں ایک ایسی ہی عورت کا المیہ پیش کیا گیا ہے۔ فحش نگاری میں کلیوی لینڈ کی "فینی ہل" خاصی بدنام ہے۔ جب فینی ہل پہلی بار والہانہ انداز میں اپنے آپ کو اپنے محبوب چارلس کے سپرد کرتی ہے تو یہ منظر یقیناً فحش نہیں ہے۔ لیکن جب وہ عصمت فروشی کا دھندا اختیار کرتی ہے اور نوربرٹ کے ساتھ خلوت میں اپنے آپ کو باکرہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہے تو اس منظر کو فحاشی کی بدترین صورت قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہمارے ہاں میراثر کی مثنوی "خواب و خیال" میں جنسی ملاپ کا منظر فحش ہے۔ کیونکہ خلوت کے عالم میں فرقِ ثانی کی طرف سے رواں تبصرہ (Running Commentary) جاری رہتا ہے جو نہایت ہوس پرور ہے۔ اور جس سے لکھنؤ کے "بتا دا صاحب" یاد آجاتے ہیں۔ اسی طرح داستانوں میں فحاش کے مناظر جا بجا دکھائی دیتے ہیں۔ "بوستانِ خیال" میں ایک صاحب جو کسی کو دکھائی نہیں دیتے رنڈیوں کے جھرمٹ میں قیامت برپا کر دیتے ہیں۔ مثنوی "زہرِ عشق" کے بعض حصے اور ریختی سراسر فحش ہیں کہ ان کا مقصد ہی ہوس ناکی کی اشتعالک ہے۔ ہم نے کہا تھا کہ عشق کی طرح مزاح بھی کسی ادب پارے یا نظم کو فحش ہونے سے بچا لیتا ہے۔ اس کی مثالیں عبید زاکانی کے لطیفے اور مثنوی مولانا روم کی بعض حکایات ہیں۔ عبید زاکانی کی ظرافت بے پناہ ہے۔ اس کے لطیفے پڑھتے ہی آدمی بے اختیار ہنسنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس طرح ہوس ناکی سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ مولانا روم کی بعض حکایات کو فحش کہا جاتا ہے لیکن ان میں بھی کہیں نہ کہیں مزاح کا پہلو نکل ہی آتا ہے۔ جو دل کے انبساط کا باعث ہوتا ہے۔ کنیزک و خر کی حکایت کو بھی کدو کے ذکر نے ظریفانہ رنگ دے دیا ہے۔ اسی طرح 'خواجہ و غلام'، 'ملا و کنیزک' اور 'جوجی و واعظ' کی حکایات پڑھ کر بھی انسان بے اختیار ہنس دیتا ہے اور جنسیاتی لذتیت اور ہوس ناکی کی جانب اس کا ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس سوزنی، انوری اور خاقانی کی ہجویں نہایت فحش ہیں کہ ان کا مقصد مخالفین کو ذہنی اذیت پہنچانا ہے۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

یہی سادگی اور طنز، ہجو کو فحش بنا دیتی ہے۔

ان تصریحات کی روشنی میں ہم دیکھیں گے کہ وارث شاہ پر فحش نگاری کا الزام کہاں تک درست ہے۔ ہیر ایک مدت کی جدائی کے بعد اپنے محبوب اور چاہنے والے رانجھے سے باغ میں جا کر ملاقات کرتی ہے خلوت میں دونوں کے ارمان سُلگ اٹھتے ہیں اور وہ بے اختیار ایک دوسرے سے لپٹ جاتے ہیں۔ وارث شاہ نے دونوں کی مواصلت کا ذکر صرف ایک شعر میں کیا ہے۔

یار و ڈگی اندھیر ڑی عشق والی اُڈ شرم وحیا دی بگ گئی
وارث شاہ رب جوڑ دا جوڑیاں نوں کھُب چھاپ اندراج نگ گئی

جب ہیر رانجھے کے وصال سے شاد کام ہو کر گھر لوٹتی ہے تو اس کی سہیلیوں کو اس بات کی خبر ہو جاتی ہے اور وہ اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے فقرے کسنا شروع کر دیتی ہیں۔ ان کی فقرے بازی خاصی طویل ہے اور یہی وہ مقام ہے جسے فحش نگاری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چاہنے والوں کی مواصلت کی تفصیل نگاری دنیا بھر کی عشقیہ شاعری کی ایک معروف روایت ہے۔ عربی میں امرؤ القیس فارسی میں نظامی گنجوی، سنسکرت میں جے دیو، لاطینی میں اووڈ نے اس روایت کی آبیاری کی ہے۔ وارث شاہ نے وصال کی منظر نگاری میں حد درجہ ضبط سے کام لیا ہے۔ جب کہ مذکورہ بالا شاعروں اور تمثیل نگاروں نے اس مقام پر خوب پَیر پھیلائے ہیں۔ ہیر کی سہیلیوں نے ہنسی چہل میں جو کچھ کہا اور جس مزاحیہ پیرائے میں کہا اس پر فحاشی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ آج بھی برعظیم پاک و ہند میں نوک جھونک کی یہ روایت موجود ہے۔ اس چھیڑ چھاڑ کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب دُلہن عروسی جوڑا پہن کر اور بن سنور کر سہیلیوں کے جھرمٹ میں بیٹھتی ہے۔ اس کی بیاہی ہوئی سہیلیاں اشاروں کنایوں میں مزاحاً آئندہ پیش آنے والے واردات سے اسے باخبر کرتی ہیں۔ اُن کی باتیں سُن سُن کر کنواری لڑکیاں پلوؤں میں منہ چھپا چھپا کر ہنستی ہیں اور ان کے چہرے شرم سے لال بھبوکا ہو ہو جاتے ہیں۔ دُلہن سسرال سے لوٹ کر آتی ہے تو بڑی بوڑھیوں سے الگ تھلگ ایک اور مجلس بپا ہوتی ہے۔ سہیلیاں دُلہن کو گھیر لیتی ہیں۔ اور کُرید کُرید کر شبِ زفاف

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے واردات اس سے پوچھتی ہیں۔ دلہن جھینپ جھینپ جاتی ہے اور مُولے ہاتھوں سے انھیں مار مار کر الگ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن وہ پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ آخر اسے کچھ نہ کچھ بتانا ہی پڑتا ہے۔ یہ سب باتیں مزاحیہ پیرائے میں ہوتی ہیں۔ وارث شاہ نے اپنے معاشرے کی اس روایت کی شرح و بسط سے ترجمانی کی ہے۔ از بسکہ اُن کا پیرایۂ بیان فن کارانہ اور مزاحیہ ہے۔ اس لئے ان اشعار پر فحاشی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

وارث شاہ نے گڈریوں، ملاحوں اور جاٹوں کی زبان سے کہیں کہیں ایسا روز مرہ بھی استعمال کیا ہے جس پر بعض لوگ ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دیہاتیوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ علماء کی زبان بولیں گے۔ وارث شاہ نے یہاں بھی مقتضائے حال کا خیال رکھا ہے اسی بات کو ارسطو فینیس، رسے بیلے، مولیئر اور شکسپیئر میں استحسان کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ "ہنری چہارم" میں فالسٹاف اور پسٹل کا مکالمہ اس کی عمدہ مثال ہے۔

وارث شاہ پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ انھوں نے جا بجا عورت کی تنقیص کی ہے۔

تنقیصِ زن کی روایت پدری نظام معاشرہ سے یادگار ہے۔ جس میں مرد کو عورت پر برتر سمجھا جاتا تھا۔ زرعی انقلاب کے اوائل میں اکثر اقوام عالم میں مادری نظام معاشرہ قائم تھا۔ اور عورت کو اس معاشرے کا مرکز و محور سمجھا جاتا تھا۔ عورت ہی نے پہلے پہل بیج بونے اور فصلیں اُگانے کا راز دریافت کیا تھا۔ مرد شکار کے لئے جنگلوں کا رُخ کرتے تو عورت فراغت کے وقت میں زمین کھود کر بیج بونے کے تجربے کیا کرتی۔ ابتدا میں گیہوں ایک جنگلی خود رَو پودا تھا۔ عورت بیج بو کر گندم کے پودے اگانے لگی۔ مرورِ زمانہ سے مرد فصلیں اُگانے کی اہمیت سے آشنا ہوا اور اس نے دریاؤں کے کناروں پر کھیتی باڑی کا آغاز کیا۔ زمین کے بطون سے فصل اُگتی تھی اور عورت کی کوکھ سے بچے پیدا ہوتے تھے اس لئے عورت زمین کی مثیل بن گئی اور مادرِ ارض کی صورت میں علم الاصنام میں نمودار ہوئی۔ مادری نظامِ معاشرہ صدیوں تک قائم رہا۔ اس میں مرد کی حیثیت محض ثانوی تھی۔ بچے اپنی ماں کے نام سے پہچانے جاتے تھے لیکن زرعی معاشرے کے استحکام کے ساتھ صورتِ حالات

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بدل گئی۔ بستیاں شہروں میں تبدیل ہوگئیں۔ ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ طاقتور سردار بن بیٹھے اور اراضی کے سیر حاصل قطعات پر متصرف ہوگئے۔ لوٹ کھسوٹ کے شوق میں فوجی دستے مرتب کئے اور جنگ وجدال کا آغاز ہوا۔ مردِ زمانہ سے پرانی قدریں بدل گئیں۔ مرد کی سیادت عورت پر قائم ہو گئی کیونکہ وہ زیادہ شہ زور اور جری تھا۔ ذاتی املاک کا تصور، مذہب، ریاست، قانون، مذہب اور اخلاق میں بار پا گیا۔ حتیٰ کہ عورت بھی شخصی املاک بن کر رہ گئی۔ عہد نامہ قدیم میں عورت کو گائے بیل کے ساتھ ذاتی املاک ہی میں شمار کیا گیا ہے۔ مرد نے عورت کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جو وہ گائے بیل سے کرتا تھا۔ چنانچہ عورتوں کو بھی ڈھور ڈنگروں کی طرح سرِ بازار خریدا اور بیچا جانے لگا۔ سلاطین و امرا نے ہزاروں کنیزیں اپنے محلوں میں ڈال لیں۔ تاجروں نے قحبہ خانے قائم کئے۔ اور عصمت فروشی کا کاروبار مندروں کے باہر بھی ہر کہیں پھیل گیا۔ عورت مرد کی تفریحِ طبع کے لئے محض ایک کھلونا بن کر رہ گئی۔ ظاہر ہے کہ عورت کو وہی کچھ بننا تھا جو مرد اُسے بنانا چاہتا تھا۔ اعلیٰ تعلیم و تربیت کے دروازے اس پر بند تھے۔ عورت کو اخلاقی پستی اور مذلت کے گڑھے میں دھکیل کر مرد الٹا اس پر طعن کرنے لگا اور اسے حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا۔ آج بھی مردوں کی ریاکاری کا یہ عالم ہے کہ راتوں کو چھپ چھپ کر کسبیوں کے پاس جاتے ہیں۔ لیکن دن کو کہیں ان کا سامنا ہو جائے تو نفرت اور حقارت سے منہ دوسری طرف پھیر لیتے ہیں۔ کتابیں لکھنے والے مرد تھے اس لئے انھوں نے عورت کا ذکر نہایت حقارت سے کیا اور انھیں مکار، فریبی، ہرجائی، ناقابلِ اعتماد ہوس پرست ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس تذلیل و تنقیص کی تہہ میں دراصل مرد کا احساسِ جرم کارفرما تھا وہ لاشعوری طور پر جانتا تھا کہ خود اس نے عورت کو پستی کی اس حد تک پہنچایا ہے۔ احساسِ جرم کی اس خلش سے نجات پانے کے لئے اس نے عورت کو تمام معائب کا پُتلا ثابت کیا۔ ادبیاتِ عالم میں تنقیصِ زن کی روایت ہر کہیں دکھائی دیتی ہے۔

"بسا اوقات عورتیں اپنے شوہر کو ننگ و عار کے تلخ گھونٹ پلاتی ہیں اور آشناؤں کو محبت کا شیریں ذائقہ چکھاتی ہیں۔"

(ابو العلا معری۔ لزومیات)

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

• عورت کا دماغ ایسا ہے جیسا کہ لگڑ بگڑ کا ۔" (رگ وید)

"عورتوں کے حربے ہیں : دھوکا دینے والی باتیں، مکر، قسمیں کھانا، بناوٹی جذبات کا اظہار، جھوٹ موٹ کے آنسو بہانا، بناوٹی مسکراہٹیں، دکھاوے کے دکھ درد کا اظہار، بے معنی خوشی و تغافل، بے معنی سوالات پوچھنا، خوشحالی اور افلاس میں بے نیازی کا اظہار، نیک و بد میں تمیز نہ کرنا، چاہنے والوں کی طرف نگاہِ غلط انداز سے دیکھنا ۔" (سوک سپ تتی۔ سنسکرت)

- ایک اچھی بیوی سفید کوے کی طرح نایاب ہے ۔" (جونیال)

• عورت ایک مندر ہے جسے بدررو کے اوپر تعمیر کیا گیا ہے ۔" (دلی کلیمنٹ)

الف لیلہ اور دی کامیراں بوکاچیو وغیرہ داستانوں میں عورت کے مکر و فریب کے قصے مزے لے لے کر بیان کئے گئے ہیں اور عورت کی خوبیوں سے قطع نظر کی گئی ہے ۔ وارث شاہ نے بھی کہیں کہیں اس روایت کی ترجمانی کی ہے :

ع اعتبار ناہیں قول رن دے تے اوہناں ماہیاں دی جنہاں جایاں نے
ع وارث رن، فقیر، تلوار، گھوڑا چارے تھوک کسے دے یار ناہیں
ع رناں سچیاں نوں کرن چا جھوٹھے رناں قید کراندیاں راہیاں نوں
ع جنہاں ڈبیاں پا بیکے مسریں چایاں رناں تنہاں دیاں موہل نہ سکیاں نے
ع وارث ذات دی رن بے وفا ہندی پوری نال نہ کسے اتاریو نی

سے راتیں تردیاں نے چھتی پتناں تے دِنے بھولیاں گل دُلیاں نے
دنے تارکاں نسردیاں بیبیاں نے سیجاں رات نوں مار تھر تھلیاں نے
پچھے چرخڑا رُلے بے سڑن جوگا کدی چار نہ لاہیاں چھلیاں نے
رجھتے گبھرو ہون جا کھیہن اوتھے پرہے مار کے بہن تھکلیاں نے

وارث شاہ کی سلامتیٔ طبع اور انصاف پسندی ملاحظہ ہو کر اُنھوں نے اس قدیم روایت کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ اس سے انحراف بھی کیا ہے وہ عورتوں کی خوبیوں اور مردوں کی کوتاہیو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ جب رانجھا عورت کی بُرائی کرتا ہے تو سہتی اسے جواباً کہتی ہے کہ تو عورتوں کی بُرائی کرتا ہے۔ ہم مردوں کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں جو راہِ راست سے بھٹک کر گمراہ ہو گئے ہیں۔ اپنی بیویوں سے دُور بھاگتے ہیں اور غیر عورتوں کو ورغلاتے رہتے ہیں۔ مرد حرص و ہوا کے بندے ہیں، اور ہر وقت حرام کاری پر کمربستہ رہتے ہیں۔ جس عورت کی مرد خبر تک نہ لے اور اس کے حقوق ادا نہ کرے تو اس کا گمراہ ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس میں بھی قصور مرد ہی کا ہے۔ جو مرد خود غیر عورتوں کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے اس کی اپنی بیوی کیسے محفوظ رہ سکتی ہے۔ عورتوں کی بُرائی نہ کر ہم نے مردوں میں بھی دیوّث اور بھڑوے دیکھے ہیں۔ ؎

سہتی آکھدی رن نوں کریں بدّوں اساں مرد بھی ڈھٹّرے بھالڑے نے
راہ رب رسول دا چھڈ جنہاں پھیڑے آن اپھٹّرے حسب الڑے نے
رغبت حق حلال دے نال ناہیں کرن نویں توں نویں اُدھالڑے وے
گھریں راستی دی ناہیں گندھ پھولن کھولن باہر حرام دے نالڑے وے
غلبہ کام دا کُل ہے مرد تائیں جہڑے حکم دے کے ربّ پالڑے وے
بھلا دس کیکوں رن تُہے ایویں جہدی سُرت نہ خصم سنبھالڑے وے
گھریں چوڑاں دے عوردی آن پوندے اہناں ہور کدھر پا موگا لڑے وے
حق عورتاں دے سندا بول ناہیں جھنڈ مرد بھی ہین منہ کالڑے وے

مرد کے کردار کا یہ تجزیہ دنیائے ادب میں شاذ و نادر کہیں دکھائی دے گا۔ شکیسپیئر کی ایک ہیروئن کہتی ہے[1]۔

"ڈیانا! ان مردوں کی قسموں، وعدوں، مکر و فریب، قول و قرار سے بچنا۔ یہ سب ہوا و ہوس کی علامتیں ہیں۔ ان چیزوں نے سیکڑوں دوشیزاؤں کو گمراہ کیا ہے۔"

اس ضمن میں ہیر اور رانجھے کا ایک مکالمہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ ایک دن رانجھے نے طنزاً

---

[1] All is Well That Ends Well

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہیر سے کہا کہ شریعت کی رُو سے عورت کا قول نامعتبر ہے. خدا نے قرآن میں بھی کہا ہے کہ عورت کا مکر بہت بڑا ہے. جن اور عورت کا مرشد شیطان ہے جو انھیں مکر و افترا کا سبق دیا کرتا ہے. عورتیں سچ کو بھی جھوٹ کر دکھاتی ہیں. عورتوں، لونڈوں، پوستیوں اور بھنگیوں کی بات کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے

شرع وچ منظور نہ قول رناں رانجھا ہیر نوں آکھ سنا وندا ئی
مکر رن دے جیڈ نہ مکر کوئی رب وچ قرآن فرما وندا ئی
مرشد جن تے رن دا جُھ شیطان جہڑا افترا مکر پڑھا وندا ئی
رناں سچیاں نوں کرن چا جھوٹے مرد آن دے وچ سما وندا ئی
رناں منڈیاں، پوستی، بھنگیاں دا اعتبار نہ قول لیا وندا ئی
وارث شاہ جے قول تے دین پیرہ پت ہر دا جاک سدا وندا ئی

ہیر جواب دیتی ہے کہ عورت کی برائی مت کرو. عورت تو چتا پر جل مرتی ہے. مرد میں عورت جیسا حوصلہ کہاں. عورت تو عشق میں مال و دولت املاک سب پر لات مار دیتی ہے. لیلےٰ قیس کے لئے رسوا اور خوار ہوئی. سوہنی محبوب کی خاطر دریا میں ڈوب مری. زلیخا نے پیار کی خاطر سرداری کو ٹھکرا دیا. عورت پیار میں میکہ، سسرال، عزیز اقارب چھوڑ دیتی ہے اور دولت کو ہیچ سمجھتی ہے. سسی پنوں کی تلاش میں شہید ہوئی. شیریں نے صدق و صفا کا ثبوت دیا. جتنے بھی غوث اولیا دنیا میں ہوئے ہیں سب عورت کی کوکھ ہی سے پیدا ہوئے تھے. حوا اور آدم میں کچھ بھی فرق نہیں ہے. دونوں کا رتبہ ایک جیسا ہے. وارث شاہ بھی جانتا ہے کہ ضبط و حوصلہ عورت جیسا کسی میں نہیں ہو سکتا. ہے

ہیر آکھدی رناں نوں نند ناہیں رن چلیہہ چڑھنی چتا جال دی اے
ہتھ رن جیڈا مرد ناہیں کردا رن مال تے ملک نہ بھالدی اے
مجنوں یار پچھے لیلاں خوار ہوئی سوہنی اپنے آپ نوں گالدی اے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

زلیخاں چھڈ سرداریاں ہوئی عاجز جھگی پا نہ جان سنبھالدی اے

پیکے ساہورے سکیاں نوں دیوے پچھا ٹھی کرے نہ دولتاں مالدی اے

سسّی ہو شہید وچ تھلاں موئی شیریں صدق یقین دکھالدی اے

ولی غوث سب رناں تھیں ہوئے پیدا حوا سمجھ لے آدموں نالدی اے

ہتھ رن دے جیہڈ نہ کوئی کردا وارث شاہ نوں خبر ایس حالدی اے

ہیر خود بھی مہر و وفا کی پُتلی تھی۔ اس کی زباں سے عورت کا یہ دفاع مؤثر و مسکت ہے۔ یہ نظریہ نہایت متوازن ہے کہ آدم و حوا کا مرتبہ ایک جیسا ہے۔ کلاسیکی شاعری اور ادب میں مرد و عورت کی برابری کا خیال کم ملے گا۔ اسے وارث شاہ کا ذاتی اجتہاد سمجھنا پڑے گا۔ یہ کہہ کر کہ عورت خود فراموشی، ایثار نفس، قربانی اور ضبط و حوصلہ کا پیکر ہے۔ وارث شاہ نے عورت کی ایسی خوبیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو کم از کم عشق و محبت کے عالم میں بہت ہی کم مردوں کو ارزانی ہوتی ہیں۔ بائرن نے سچ کہا ہے کہ "عشق مرد کی زندگی کا محض ایک حصہ ہے لیکن عورت کی تو زندگی یہی ہے۔"

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

وارث شاہ پر تیسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اُنھوں نے ہندوؤں کی کتھائیں بہت لکھی ہیں۔ یہ اعتراض عدم تدبر پر مبنی ہے۔ ظاہر ہے کہ وارث شاہ جب ہیر رانجھے کا قصہ نظم کرنے بیٹھے تھے تو ان کا مقصد ہندوؤں کی کتھائیں لکھنا نہیں تھا۔ ہندوؤں کی روایات کا ذکر جہاں کہیں بھی آیا ہے ضمناً آیا ہے۔ یا تلمیحات کی صورت میں آیا ہے۔ جس زمانے میں ہیر لکھی گئی تھی ہندوؤں کے مذہبی خیالات اور صنمیاتی قصے پنجابی دیہات کے معاشرے میں اس طرح پھیلے ہوئے تھے کہ ان کے ذکر سے قطع نظر کرنا از قبیلِ محال تھا۔ رانجھے کا جوگی بننے کا واقعہ اس قصے کا ایک اہم جُزو ہے۔ جب تک وارث شاہ یوگ کے عقاید، آداب اور طور طریقوں سے کامل واقفیت بہم نہ پہنچا لیتے ان کے لئے اس واقعہ کے متعلقات سے انصاف کرنا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ جیسا کہ ہم ان کی علمیت کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ انھیں کم از کم گیتا، وشنو

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

پران اور یوگ وششٹا پر پورا پورا عبور حاصل تھا۔ اور اُنھوں نے یوگ کے بارے میں بصیرتِ تامہ حاصل کر کے قلم اٹھایا تھا۔ ان کے سوانح حیات پر گمنامی کے تاریک پردے پڑے ہیں۔ اس لئے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ علوم اُنھوں نے کہاں سے حاصل کئے تھے۔ بھگتی کی تحریک صوفیہ وجودیہ کے عقائد سے متاثر ہوئی تھی۔ اور مرورِ زمانہ سے ویدانت اور تصوف کے خیالات آپس میں گھل مل گئے تھے۔ جیسا کہ بھگت کبیر اور گورو بابا نانک کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ سمادھی اور مراقبہ، پرانایام اور حبس دم، تجرد اور سنیاس، تسبیح اور مالا میں واضح مماثلت دکھائی دیتی ہے۔ وارث شاہ نے ایک وجودی صوفی کی حیثیت سے یوگ اور ویدانت کا مطالعہ کیا تھا۔ اس لئے وہ نہایت اعتماد سے اور پوری بصیرت سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ وارث شاہ کی یہ بصیرت اچنبھے کا باعث بھی نہیں حضرت میاں میر، ان کے مرید ملا شاہ بدخشی اور ملا شاہ بدخشی کے پیرو ملا محسن فانی کاشمیری صاحب دبستان المذاہب یوگ اور ویدانت کے دقائق و رموز سے بخوبی آشنا تھے۔ ان نظریات کا علم وارث شاہ کی ہمہ گیر فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ اس خوبی کو عیب قرار دینا زیادتی ہے۔

اعتراضات کا رد لکھنے سے ہمارا مقصد وارث شاہ کی طرف سے معذرت خواہی کرنا نہیں ہے نہ یہ ثابت کرنا ہے کہ 'ہیر' کوتاہیوں سے اور خامیوں سے پاک ہے۔ 'ہیر' میں بے شک خامیاں ہیں جیسے کہ دنیائے ادب و شعر کے تمام شاہکاروں میں بالعموم دیکھنے میں آتی ہیں۔ ہمارے خیال میں وارث شاہ کی ایک خامی یہ ہے کہ چند ایک مقامات پر انھوں نے مقتضائے حال کو مجروح کیا ہے۔ مثلاً چوپال کے سامنے گاؤں کی جوان لڑکیاں جس پیرائے میں کیدو کی شکایت کرتی ہیں وہ بلاشبہ فحش بھی ہے اور مقتضائے حال کے منافی بھی۔ دیہاتی لڑکیاں ایسے واشگاف انداز میں اپنے بڑے بوڑھوں کے سامنے باتیں نہیں کیا کرتیں۔ ہیر اور قاضی کے مکالمے میں ہیر قرآن، فقہ اور حدیث سے بے تکلف حوالے دیتی ہے۔ اس کے استدلال کی عالمانہ روش سے یوں لگتا ہے جیسے کوئی جید عالم مناظرہ کر رہا ہے۔ ظاہراً یہاں وارث شاہ جوشِ نمود کی رو میں بے اختیار بہہ گئے ہیں۔ اور ہیر کی زبانی اپنے علمی تبحر کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہی حال رانجھے اور سہتی کی تکرار کا ہے اس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

میں بھی کہیں کہیں رانجھے اور سہتی کی زبانی دقیق علمی نکتے بیان کیے گئے ہیں۔ جس سے مقتضائے حال کی جراحت ہوتی ہے۔ ہیر، رانجھے اور سہتی سے علمی تبحر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہ مقامات اس لئے بھی کھٹکتے ہیں کہ اکثر و بیشتر وارث شاہ نے مقتضائے حال کا خاص طور سے خیال رکھا ہے۔ جس نے 'ہیر' کو حقیقت نگاری کا رنگ عطا کیا ہے۔ جہاں تک اسلوب بیان کا تعلق ہے 'ہیر' میں کہیں کہیں شتر گربگی اور ایطاء بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ لیکن یہ جزئی کوتاہیاں ہیں جو چنداں قابلِ لحاظ نہیں ہیں۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس نوع کے اشعار الحاقی ہوں۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

مقاماتِ وارث شاہ

نقدِ ادب کی معروف روایت ہے کہ کسی شاعر کا مقام معین کرنا ہو تو اس کا تقابلی موازنہ اس کے کسی ہمسر و ہم پایہ سے کرتے ہیں۔ مثلاً گوئٹے کا ذکر دانتے اور ورجل کا تذکرہ ہومر کے حوالے سے کیا جاتا ہے۔ حافظ شیرازی کی غزل کا تجزیہ خواجو کی غزل کی نسبت سے کرتے ہیں۔ لیکن وارث شاہ اس قدر جامع حیثیات ہیں کہ نہ ان کا موازنہ کسی شاعر سے کیا جا سکتا ہے اور نہ ہیر کو شاعری کی کسی روایت سے وابستہ کرنا ممکن ہے۔ اگر 'ہیر' محض ایک عشقیہ قصہ ہوتی تو ایسا کرنا سہل تھا۔ لیکن مشکل تو یہی ہے کہ 'ہیر' محض ایک عشقیہ قصہ بھی نہیں ہے۔ ابوالفرج اصفہانی کی کتاب 'الاغانی' کو 'دیوان العرب' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں عربی معاشرے کے تمام پہلو منعکس ہوئے ہیں۔ اس پہلو سے ہم 'ہیر وارث شاہ' کو 'دیوانِ پنجاب' کہہ سکتے ہیں کہ اس میں دیس پنجاب کا معاشرہ پوری آب و تاب کے ساتھ متشکل ہوا ہے۔ لیکن یہ مماثلت اسی ایک پہلو تک محدود ہے۔ کیونکہ کتاب الاغانی میں بیسیوں کہانیاں ہیں جبکہ 'ہیر' ایک مسلسل منظوم قصہ ہے اصنافِ ادب میں مقامہ[1] (ایسی کہانی جس کا مرکزی کردار کوئی لاابالی مہم جو ہو) ایک ایسی صنف

---

[1] مقاماتِ حریری عربی ادبیات کا معروف شاہکار ہے۔ انگریزی ادب میں ناول کی وہ صنف جسے Picaresque کہتے ہیں۔ مقامہ ہی سے ماخوذ ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہے جو ہیر وارث شاہ کے قریب تر ہے لیکن دقت یہ ہے کہ رانجھا محض ایک لاابالی مہم جُو ہی نہیں ہے بلکہ عاشق صادق بھی ہے۔ ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وارث شاہ کی شاعری کلاسیکی ہے، رومانوی ہے یا رمزیاتی ہے۔ بے شک ہیر، میں یہ ساری روایات کسی نہ کسی حد تک موجود ہیں لیکن اس پر کسی ایک روایت کی چھاپ نہیں لگائی جاسکتی۔ ٹی ایس ایلیٹ نے کہا ہے کہ ہر نظم اپنی مستقل بالذات حیات رکھتی ہے۔ کافی بالذات 'کُل' ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا مطالعہ شاعر کے سوانح حیات یا شخصی واردات سے قطع نظر کر کے کرنا چاہیئے۔ یہی بات جونگ نے نفسیات کی زبان میں کہی ہے ہیر وارث شاہ کے مطالعے پر خاص طور سے صادق آتی ہے۔ کیونکہ ایک تو ہم وارث شاہ کے سوانح حیات سے کماحقہ واقف نہیں ہیں۔ دوسرے جیسا کہ راقم التحریر نے ابھی کہا ہے 'ہیر' کو شاعری کی کسی روایت سے وابستہ کرنا مشکل ہے 'ہیر' کے کردار بھی بڑی حد تک منفرد ہیں۔ مثال کے طور پر ہیر کے کردار کو لیجئے وہ فاوسٹ کی مارگریٹ کی طرح جبرو وفا کی پُتلی ہے۔ لیکن اس کے احساس معصیت سے عاری ہے۔ طربیۂ خداوندی میں دانتے نے بیاٹریچے کو ایک مقدس دیوی کے روپ میں پیش کیا ہے۔ جبکہ ہیر ایک چنچل الھڑ دیہاتی لڑکی ہے۔ ورجل کی اینیڈ میں ملکہ ڈیڈو اپنے محبوب اینیس کی بے وفائی پر اسے سخت لعن طعن کرتی ہے اور کہتی ہے کہ موت کے بعد بھی آسیب کی طرح تیرا پیچھا کرتی رہوں گی جبکہ ہیر رانجھے کی بے جا طنز و تعریض کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرتی ہے۔ کالیداس کی شکنتلا باوفا ہے لیکن ہیر کی شگفتگی طبع سے عاری ہے۔ وہ بھولی بھالی عورت ہے جبکہ ہیر پنجاب کے دیہات کی ایک بگڑی ہوئی شریر مٹیار ہے جس کے کردار کو خلوص و محبت نے رفعت بخشی ہے۔ غزل الغزلات کی حسینہ اپنے بچھڑے ہوئے محبوب سے روز خوابی کے عالم میں باتیں کرتی ہے اور گذرے ہوئے ایام کو یاد کر کے آہیں بھرتی ہے۔ ہیر بھی دردِ فراق کا بے محابا اظہار کرتی ہے لیکن اس کی ہوشمندی اور فہم سلیم میں فرق نہیں آتا، وہ اپنے محبوب سے ملاقات کی تدبیر کرتی ہے اور بالآخر اس کوشش میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اُس کے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk
Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

رومان میں حقیقت پسندی، جنوں میں ہوشمندی اور شیفتگی میں آگہی کا عنصر موجود ہے۔ راقم کے خیال میں ہیروارث شاہ سے دنیائے شاعری میں ایک نئی روایت کا آغاز ہوا تھا جسے سوویٹ روس کے معاصر ناقدینِ ادب کی زبان میں "رومانوی حقیقت پسندی"[1] کا نام دیا جاسکتا ہے۔

حقیقت پسندی کا آغاز ادبیاتِ مغرب میں ناول سے ہوا تھا۔ یہ رجحان جاگیرداروں کے اقتدار کے خاتمے اور عوامی معاشرے کی تصویر کشی سے وابستہ ہے۔ ڈکنز، بالزاک، اور گوگل کے ناولوں میں یہ عظیم روایت سرسبز ہوئی اور زولا کے ناولوں اور ہاپٹ مان کی تمثیلوں میں فطرت پسندی[2] کی انتہا کو پہنچ گئی۔ ۱۹ ویں صدی عیسوی میں جاگیرداروں کی جگہ تجارت پیشہ، صنعتکار اور ساہوکار برسرِ اقتدار آ گئے اور کلوں کی ایجاد نے مغربی سامراج کے لئے راستہ ہموار کیا۔ اسی صدی کے اواخر میں سرمایہ دارانہ نظام اور سامراج کے خلاف اشتراکیت کی تحریک شروع ہوئی۔ سرمائے اور محنت کی کشمکش میں ذی شعور انسان دوست اُدبا اور شعراء نے عوامی اُمنگوں اور وَلولوں کی ترجمانی کی جس سے حقیقت پسندی میں ترقی پسندی کا رجحان پیدا ہوا۔

صنعتی انقلاب اور اشتراکیت کی اشاعت و فروغ کے ساتھ ایک نیا مزاجِ عصر صورت پذیر ہوا ہے جو بدلتے ہوئے سماج کی نئی انقلابی قدروں کا آئینہ دار ہے۔ ترقی پسند شاعر اور ادیب اسی مزاجِ عصر کے نمائندے اور ترجمان ہیں۔ وہ سرمایہ داروں اور سامراجیوں کے آہنی شکنجے میں کسے ہوئے محنت کشوں کی مظلومیت سے روح کی گہرائیوں تک متاثر ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ انھیں یقین ہے کہ مستقبل قریب میں نوعِ انسان کے مقدر کی باگ ڈور عوام کے ہاتھوں میں آنے والی ہے۔ یہی جذبہ اور یہی تخیئل ترقی پسندوں کے شعر و ادب میں کارفرما ہے اور انھوں نے پوری خود سپردگی کے ساتھ اپنے آپ کو عوامی تحریکوں کے ساتھ وابستہ کرلیا ہے۔ دوسری طرف رومانی، رمزیاتی اور اظہاریتی روایات بودلیئر، راں بو، دی انتزیو، پیراں دیلو، کافکا اور ریلکے میں زوال پذیر ہو گئیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے نئے نئے سیاسی اور عمرانی تقاضوں کی حرارت کو محسوس نہیں کیا۔ جن کا ذوقی و قلبی

---

[1] Romantic Realism

[2] Naturalism

نے مزاجِ عصر سے قائم نہ ہو سکا جو سرمایہ دارانہ نظام کے مخدوش حال اور تاریک مستقبل سے خائف ہو کر اپنی اپنی انا کی بند کوٹھڑیوں میں پناہ گزین ہوئے۔ ترقی پسند ادبا اور شعراء نے حقیقی معاشرے کی نئی قدروں اور نئے نصب العینوں سے اپنا تخلیقی رشتہ استوار کیا اور ادب و شعر کو زوال پذیری کے دلدل سے نکال کر اسے نئے سرے سے تپشِ حیات عطا کی۔ جیسا کہ ہم گذشتہ اوراق میں ذکر کر چکے ہیں وارث شاہ کے یہاں بھی جاگیردارانہ معاشرے کے زوال کا گہرا شعور موجود ہے۔ اُنھوں نے ستم رسیدہ عوام کی مظلومیت کا جا بجا ذکر کیا ہے۔ آج سے کم و بیش دو سو سال پہلے کے جاگیردارانہ نظام میں ان حقائق کا شعور و ادراک بلاشبہ وارث شاہ کی دیدہ وری کی بیّن دلیل ہے۔ فلسفۂ یونان میں ظالموں کو جان سے مار دینا ایک مستحسن فعل ہے۔ وارث شاہ کی اخلاقیات کا بھی یہ ایک اہم اصول ہے۔ فرماتے ہیں۔

؎ وارث شاہ جے ماریئے بداں تائیں تہاں خون نہ دیونے آوندے نے۔

(جو 'بدوں' کو جان سے ماردیں اُن پر قصاص واجب نہیں ہوتا)

'داری، خود شعوری اور کشفِ ذات کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

؎ تینوں رب شہباز بنایا سی بنیوں کرتاں نال توں اِلّ آپے

(خدا نے تجھے شہباز بنایا تھا اپنے کرتوتوں سے تو چیل بن گیا ہے)

اخلاقیات کے یہ اصول ہمیں اخلاقِ جلالی یا اخلاقِ ناصری میں کہیں بھی دکھائی نہیں دیتے۔ ان کتابوں میں فروتنی، عاجزی اور سکنت کی تعلیم دی گئی ہے۔ 'بدوں' کے خلاف بغاوت کی تلقین کرنا اور عوام کو اپنی شہبازی کا احساس دلانا وارث شاہ کے انقلابی ذہن کی نشاندہی کرتا ہے۔

مسلمان شمالی ہند میں وارد ہوئے تو ان کی زبان فارسی تھی۔ تُرک سلاطین بھی گھروں میں ترکی بولتے تھے اور دربار میں فارسی میں بات چیت کرتے تھے۔ محمود غزنوی اور جلال الدین اکبر کے دور ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی اور عسکری غلبے کے زمانے تھے۔ اس لئے فرخی عنصری، عسجدی، فیضی اور عُرفی کی شاعری میں ایک خوش آئند حیات پرور طنطنے کا احساس

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

ہوتا ہے۔ اورنگ زیب کے بعد مغلیہ سلطنت کو زوال آگیا۔ مرہٹوں، جاٹوں، سکھوں اور راجپوتوں نے چاروں طرف شورش برپا کردی۔ اس زوال پذیر معاشرے کا عکس معاصر فارسی شعراء کے کلام میں دکھائی دیتا ہے۔ 'اسلوبِ ہندی' کا ابتدائی دور اظہار و بیان کی شگفتگی کا آئینہ دار تھا مرورِ زمانہ سے خلوصِ بیان کی جگہ دور از کار استعاروں اور نام نہاد 'خیال بندی' نے رواج پایا اور فارسی غزل سے شعریت کی روح غائب ہوگئی۔ فارسی شاعری کے اس تنزل کے ساتھ اردو شاعری کا آغاز وابستہ ہے۔ چنانچہ اردو غزل فارسی غزل ہی کا چربہ تھی۔ اس کے اسالیبِ بیان، تشبیہات، استعارے، تلمیحات اور محاورے فارسی ہی سے مستعار تھے اس لئے گویا اردو شاعری شروع ہی سے زوال پذیری کا شکار ہوگئی۔ تین شعراء البتہ اس زوال پذیری سے محفوظ رہے۔ سودا، غالب، نظیر اکبرآبادی۔ غالب اور سودا اس لئے کہ ان کے آبا و اجداد ہندوستان میں وارد ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اس لئے وہ زوال پذیری کی کان نمک میں نمک نہیں ہو پائے تھے۔ اسی لئے ان کے کلام میں شگفتگی پائی جاتی ہے۔ نظیر اکبرآبادی مردِ قلندر تھے لہٰذا زوال پذیر درباری معاشرے سے ان کا ذہنی و ذوقی رشتہ قائم نہ ہوسکا۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

زوال پذیری کے ساتھ اردو شاعری میں مریضانہ دروں بینی اور مقیم داخلیت و فردیت ممزوج ہوگئی۔ فارسی کے شاعروں کی تقلید میں امردوں اور کسبیوں کو مثالی محبوب کا درجہ دیا گیا۔ فارسی کی تلمیحات، محاورے اور اسالیبِ بیان من و عن اخذ کئے گئے جس سے اردو شاعری میں مقامی رنگ پیدا نہ ہوسکا۔ نہ اس کی جڑیں ہند و پاک مٹی میں پیوست ہوسکیں۔ پشتو، سندھی، بروہی اور پنجابی کے شعراء دارالسلطنت دہلی اور لکھنؤ سے دور ہونے کے باعث فارسی شاعری کے زوال پذیر اثرات سے محفوظ رہے۔ ان کے یہاں بھی کہیں کہیں جام جمشید، شیریں فرہاد وغیرہ کا ذکر آتا ہے لیکن ذوقی فیضان وہ گرد و پیش کے طبعی و تہذیبی ماحول ہی سے حاصل کرتے ہیں۔ اسی سبب ان کی شاعری میں اپنے اپنے علاقے کے لوک بت کماؤ کا رس اور لوک گیتوں کی شیرینی رچ بس گئی ہے۔ اسی بات میں رحمان بابا، شاہ لطیف بھٹائی، خواجہ غلام فرید اور وارث شاہ

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

کے کلام کی بے پناہ کشش کا راز مخفی ہے۔

فارسی کے کئی شاعروں نے ہیر رانجھے کا قصہ نظم کیا ہے۔ سعید سعیدی کی مثنوی افسانۂ دلپذیر لائق کی ہیر رانجھا، فقیر اللہ آفریں کی قصہ ہیر رانجھا، احمد یار خاں یکتا کی داستانِ ہیر رانجھا، میر قمرالدین منت کی مثنوی قصہ ہیر و رانجھا، آرام کی مثنوی ہیر و رانجھا اور باقی کولابی کی مثنوی ہیر رانجھا قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن اسالیب، تشبیہات اور تلمیحات کے لحاظ سے ان مثنویوں میں اور نظامی گنجوی ملا جامی یا امیر خسرو کی مثنویوں میں کچھ بھی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ ان کے یہاں معاصرت کے اس شعور کا فقدان ہے جس کی اہمیت گوئٹے نے یہ کہہ کر واضح کی تھی لے

> ہر معاصر ادیب کو یہ بات معلوم کرنا ہوگی کہ اس کے معاصرین کی داخلی حسِ زمان کیا ہے ایک ادیب یا ایک مصور اس شے کا زیادہ واضح شعور رکھتا ہے۔ ادیب کا کام ہی اس معاصرت میں زندگی گذارنا ہے۔"

وارث شاہ کو معاصرت کا شعورِ کامل ارزانی ہوا تھا۔ ہم گذشتہ اوراق میں اس کا ذکر تفصیل سے کر چکے ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے ہم باقی کولابی اور ہیر وارث شاہ سے دو تقابلی اقتباسات دیں گے۔ باقی ہیر کے حسن و جمال کی تعریف میں کہتا ہے۔

ہیر آں صنمی سمن عذارے — کو راست بہر طرف ہزارے
بودہ گلِ گلشنِ جوانی — نورستہ نہالِ زندگانی
مرتا قدمش چو آبِ حیواں — کو داد بصد ہزار کس جاں
حیراں بجمالِ او جہانے — ہر گوشہ دراست ناتوانے
آشفتہ موی او ہزاراں — دل خستہ روی او ہزاراں
از سنبلِ او بنفشہ در تاب — گشتہ دلِ صد ہزار بے تاب
از چشم سیاہ پُر فن او — وز طرزِ نگاہ کردنِ او

لے Conversations

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

برخاستہ چشم فتنہ از خواب — بیدار شدہ فتاد بے تاب
نرگس شدہ بے قرار و بیمار — از پای فتادہ رفتہ از کار
از فتنہ گری آں دو جادو — برخاستہ فتنہ ای ز ہر سو
آتش زدہ روئی او جہاں را — خوں کرد دل بس عاشقاں را
در حسرتِ آں دو لعلِ خنداں — خوں بستہ دل چو من ہزاراں
خوں بستہ دلی بسے ازاں لب — شد خستہ دل بسے ازاں لب
زاں پستہ دہاں شکریں لب — خوں بستہ دل ہزار یا رب
سرخیلِ پری وشاں بود ہیر — ہستی جہاں جاں بود ہیر

ان اشعار میں گھسے پٹے استعاروں اور اسالیب کی بھرمار ہے جس سے قطعی معلوم نہیں ہوتا کہ باقی کولابی کس ملک و قوم کی عورت کا سراپا لکھ رہا ہے۔ یہی سراپا شیریں، عذرا، لیلیٰ زلیخا کا بھی ہوسکتا ہے۔ وارث شاہ ہیر کے حسن و جمال کی تصویر کھینچتے ہوئے کہتے ہیں۔ ؎

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

دند چنبے دی کلی کہ ہنس موتی دانے نکلے حسن انار وچوں
لکھی چین تصویر کشمیر جٹی قد سرو بہشت گلزار وچوں
گردن کونج دی انگلیاں روانہہ پھلیاں ہتھ کولڑے برگ چنار وچوں
چھاتی ٹھاٹھ دی ابھری پٹ کھینوں سیب بلخ دے چنے انبار وچوں
دھنی بہشت دے حوض دا مشک قبہ پیڈو مخملی خاص سرکار وچوں
کافور شہنا سرین بانکے حسن ساق ستون مینار وچوں
سرخی ہونٹھاں دی لوہڑ دنداسڑے دا خوجے کھتری قتل بازار وچوں
باہاں ویلنے ویلیاں گنھ مکھن چھاتی سنگ مرمر گنگ دھار وچوں
شاہ پری دی بھین پنج پھول رانی گجھی رہے نہ ہیر ہزار وچوں
سہیلیاں نال لٹکدی مان متی جویں ہرنیاں ترٹھیاں بار وچوں

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

لنک باغ دی پری کہ اندر رانی حور نکلی چھند انوار وچوں
پُتلی پکھنے دی نقش رُوم والے لدھا پری نے چند پروار وچوں

ان اشعار میں چنبے پھول رانی ، لنک باغ دی پری (سیتا) ، اِزدرانی (اِندر کی زوجہ) ، مُلکی تلمیحات ہیں۔ وَند چنبے دی کلی ، کشمیر تصویر جٹی ، گردن کونج دی اُنگلیاں روانہ پھلیاں ، چھاتی پٹ کھینوں (ریشم کی گیندیں) ، سُرخی ہوٹھاں دی لہو ڈندا سڑے دا ، نوجے کھتری قتل بازار وچوں ، باہاں ویلنے ویلیاں گُنھ مکھن ، چھاتی سنگ مرمر گنگ دھار وچوں ، جویں ہرنیاں ترنجھاں بار وچوں جیسی تمثیلیں اور تشبیہات گردو پیش سے لی گئی ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیر اسی ملک کی ایک خوبصورت عورت رہے۔

پنجابی اور اُردو میں ماں بیٹی کا رشتہ ہے لیکن مقام حیرت ہے کہ اُردو کے کسی شاعر نے ہیر رانجھے کی عشقیہ داستان کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ حالانکہ وہ اس سے بخوبی واقف تھے[1]۔ اُردو کے شاعر اور قصہ نویس ہندوستان میں بیٹھ کر شام ، عرب ، مصر ، ایران ، چین ، فرنگ کی داستانیں لکھتے رہے لیکن پنجاب ، سندھ ، سرحد اور بلوچستان کی ولولہ انگیز عشقیہ کہانیوں کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ ایک صاحب مقبول احمد گوپاموئی نے البتہ اُردو نثر میں یہ قصہ لکھا تھا۔ اس میں فرماتے ہیں :

> افسانۂ ہیر رانجھا سرزمین ہند میں عجیب دلچسپ نمکین و رنگین طرفہ صداقت آمیں و خلوص آگیں واقع ہوا ہے۔ ہر چند نفیرِ پُر تقصیر کو ایسے مقدمات کے قلم بند کرنے سے سروکار نہ تھا بلکہ ننگ و عار تھا مگر بعض آشنایانِ صدق و وفاق نے تکلیف مالا یطاق دی۔ خیال نظم فارسی نے دل میں جا کی۔ کچھ اشعار لکھے پھر دھیان آیا کہ فی زمانہ رواج اُردو کا بیشتر ہے اور نظم سے نثر وسعت اثر۔ اکثر حاصل مطلب خلاصہ مقصد حشو زوائد مقفیٰ و مسجع مجمل بطرز نو بطرز مرصع

---

[1] انشاء اللہ خاں انشا : ـ
کہانی ایک سنائی یو ہیر رانجھا کی   تو اہلِ درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا ۔

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

بپاسِ خاطرِ احباب مخلص تحریر کیا۔"

مقام غور ہے کہ جب موہا گوئی کے بقول افسانۂ ہیر رانجھا "طرفہ صداقت آئین و خلوص آگین واقع ہوا ہے" تو اسے لکھنے میں انھیں ننگ و عار کیوں محسوس ہوا تھا۔ بدقسمتی سے ہمارے یہاں آج بھی ایسے برخود غلط گوپا موئیوں کی کمی نہیں ہے جو تہذیب و شائستگی کی اجارہ داری کے زعم بے جا میں علاقائی زبانوں کے شعر و ادب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔

وارث شاہ کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ انھوں نے ہیر کے اوراق میں دیس پنجاب کے معاصر معاشرے کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا ہے۔ اس پہلو سے شعر و ادب کو تاریخ پر برتری حاصل ہے کہ تاریخ محض ایک بے جان خاکہ ہوتا ہے جس میں رنگ شاعری اور قصّوں سے بھرا جاتا ہے۔ ہمارے شاہیت کے دَور کے مؤرخین سلاطین و امراء کے سوانح اور ان کے جنگ و جدال کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں عوام گویا ان کے لئے کبھی بستے ہی نہیں۔ چنانچہ ہمیں فرشتہ، خافی خاں بدایونی وغیرہ کی تاریخوں میں انہی لوگوں کے نام یا کام کا ذکر ملے گا جو سلاطین و امراء کے درباریوں اور محلوں سے وابستہ تھے۔ ان کے یہاں سلاطین و امراء کے خواجہ سراؤں، لونڈیوں، اصیلوں، اَمردوں، قلاقنیوں، کسبیوں، فیل بانوں وغیرہ کے حالات مل جائیں گے لیکن ہم کبھی یہ معلوم نہیں کر پائیں گے کہ اس دَور کے عوام کیسے گذر بسر کرتے تھے۔ آئے دن کی خانہ جنگیوں سے ان کے روزمرہ کے معمولات کیسے متاثر ہوتے تھے۔ قحط اور وبا میں ان کا کیا حشر ہوتا تھا۔ سلاطین کی عیش و عشرت کا سامان فراہم کرنے کے لئے عوام پر جو بھاری محصول لگائے جاتے تھے وہ ان کے متحمل کیسے ہوتے تھے۔ شاہی کارندوں کی خوشنودی کے لئے اور ان کی تعدی سے بچنے کے لئے انھیں کیا کچھ کرنا پڑتا تھا۔ بددیانت اور قابوچی حکام کس بے دردی سے ان کے گاڑھے پسینے کی کمائی نذرانوں کی صورت میں ہڑپ کر جاتے تھے۔ زمیندار اور جاگیردار کسانوں کو کس طرح جبر و ستم کا نشانہ بناتے تھے۔ اور کس طرح ان کی بہو بیٹیوں کی عصمت غارت کرتے تھے۔ مکار پیر اور ریاکار مُلا کس طرح عوام کو عقیدے کے دونوں ہاتھوں سے لوٹتے تھے۔ عوام سلاطین کے استبداد

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

سے خالف تھے یا اُن کے سینوں میں بغاوت کے جذبات بھی کروٹیں لیتے تھے۔ درباری مورخین ان امور کے بارے میں خاموش ہیں۔ ان کی واقعہ نگاری دہلی، آگرہ، لکھنؤ جیسے درباری شہروں کے گرد گھومتی ہے۔ دیہاتی معاشرے کی جھلک شاذ و نادر ہی ان کے اوراق میں دکھائی دے گی۔

ہیر کے مطالعے سے وارث شاہ کے زمانے کا پنجابی معاشرہ پوری طرح متشکل ہو کر ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ارسطو نے کہا تھا کہ آرٹ نیچر کی خامیوں کی تلافی کرتا ہے۔ ہمارے خیال میں شعر و ادب تاریخ نگاری کے خاکے میں رنگ بھرتے ہیں۔ کم از کم وارث شاہ نے معاصر پنجابی معاشرے کی تصویر کشی کر کے اس عہد کے مورخین کی کوتاہیوں کی بوجہ احسن تلافی کر دی ہے

ہمارے زمانے میں صنعتی انقلاب کے باعث سماجی اور طبقاتی ساخت بدلتا جا رہا ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں ترقی پسند شعراء اور ادباء جمالیاتی تقاضوں کی تشفی کے ساتھ ساتھ نقد ابلاغ کا فرض بھی ادا کر رہے ہیں اور انقلاب پسندوں کے دوش بدوش عوامی تحریکوں کو تقویت دے رہے ہیں۔ فن کار، شاعر اور ادیب کے اس منصب کی جانب سب سے پہلے بیلنسکی اور لیو ٹالسٹائی نے توجہ دلائی تھی۔ لیو ٹالسٹائی شیکسپیئر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"شیکسپیئر کی تمثیلوں کا موضوع زندگی کا نہایت سوقیانہ اور پست نقطۂ نظر ہے جس کی رُو سے امراء اور روساء کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے اور ان کی برتری ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ شیکسپیئر محنت کشوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کوشش میں مانع ہے کہ مذہب یا انسان دوستی کی بنیاد پر معاشرے کے موجودہ نظام کو بدل دیا جائے۔"

(آرٹ کیا ہے؟)

شیکسپیئر سے متعلق یہ رائے انتہا پسندانہ ہے۔ لیکن خیال رہے کہ یہ رائے دُنیا کے عظیم ترین تاول نگار کی ہے۔ جو ہر لحاظ سے شیکسپیئر کا ہم پایہ ہے۔ ٹالسٹائی شیکسپیئر کے حوالے سے اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے کہ جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام معاشرہ کے فن کار اور ادباء عوامی آزادی کی انقلابی تحریکوں کی آبیاری سے قاصر رہے ہیں۔ ٹالسٹائی نے شیکسپیئر کو انقلابی تصور کے

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

اس معیار پر جانچا تو اسے کم عیار پایا۔ ٹالسٹائی نے ادیب اور فن کار کے جس انقلابی فرض کی طرف توجہ دلائی ہے وہ آج زیادہ شدت کے ساتھ مشرقی اُدبا رشعراء پر عائد ہوتا ہے۔ اس پہلو سے وارث شاہ کی عوامی شاعری کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وارث شاہ کا کلام ان معاصر شاعروں کے کلام سے زیادہ ترقی پرور ہے جو مغرب کی زوال پذیر فنی و ادبی تحریکوں سے ذوقی فیضان حاصل کرتے ہیں اور موجودیت (Existentialism) ماورائی واقعیت (Surrealism) لایعنیت (Absurdism) مکعبیت (Cubism) لاحاصلیت (Futilitarianism) دادا (Dada) کے نام سے مغرب کی سقیم دروں بینی اور کھوکھلی بے جان قدروں کا پیوند مشرق کے از سرِ نو ابھرتے ہوئے ترقی پذیر معاشرے اور ادب و فن پر لگانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔

روسی ناول نگاروں گوگل، ترگنیف، دوستوفسکی، ٹالسٹائی وغیرہ پر نقد لکھتے وقت کہا جاتا ہے کہ ان کے ناولوں میں "روسی روح" پوری طرح منکشف ہوئی ہے۔ یعنی ان میں روسیوں کے اتھاہ غم و الم اور حزن و ملال کا امتزاج اعلیٰ نصب العینوں کی جستجو کے ساتھ ہوا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ دانتے کے "طربیۂ خداوندی" میں "اطالوی روح" اپنی تقدس آمیز جمالیت اور گوئٹے کی "فاوسٹ" میں جرمن روح اپنی ہمہ گیر آفاقیت کے ساتھ منعکس ہوئی ہے۔ ہیر وارث شاہ میں پنجابیوں کی شہامت، وسعتِ قلب، جوانمردی، زندہ دلی اور دردمندی کا امتزاج عاشقانہ وارفتگی اور رفعت پسندی کے ساتھ ایسے نادر پیرائے میں ہوا ہے کہ دنیائے شعر و شاعری کے چند گنے چنے شاہکار ہی ہیر کے مقابلے میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ قرائن و آثار بتا رہے ہیں کہ عنقریب پنجابی زبان کو اس کا کھویا ہوا مقام مل جائے گا۔ جب دیس پنجاب کے شاعر اپنے عظیم اور جیالے عوام کی آرزوؤں، حسرتوں اور ولولوں کی ترجمانی پر نئے سرے سے کمربستہ ہوں گے تو ہیر وارث شاہ ان کے لئے مسلسل ذوقی و لسانی فیضان کا سرچشمہ بن جائے گی۔ ایک

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk

وقت ایسا بھی آئے گا جب وارث شاہ کو شعرائے عالم کی صف میں وہ مقام رفیع ارزانی ہوگا
جس کے وہ بدرجۂ اولیٰ مستحق ہیں اور جس سے ان کی محرومی پورے عالمی ادب کی محرومی
بن گئی ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy of www.pdfbooksfree.pk